# افکار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

(مجموعہ مقالات)

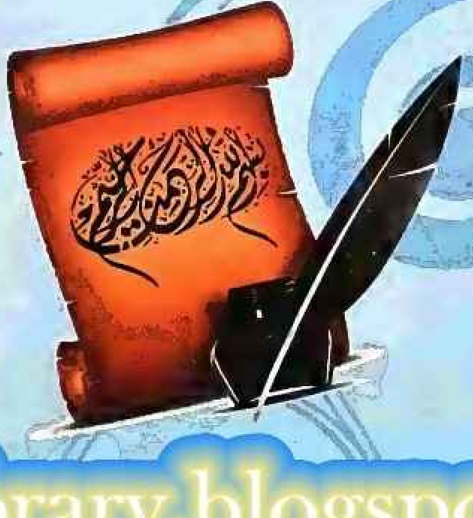

toobaa-elibrary.blogspot.com

مصنف: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ چیئر،

سندھ یونیورسٹی، جامشورو

2014

جناب مفتی محمد سعید خان کی خدمت میں

# افکار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

کے افکار و نظریات پر ماہنامہ الرحیم رالولی میں شائع شدہ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ کے مقالات و نگارشات


مصنف: علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ

مرتب: محمد شاہد حنیف

شاہد حنیف

0322-2202…

نظر ثانی: ڈاکٹر قاضی خادم حسین

اعزازی ڈائریکٹر



علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر

سندھ یونیورسٹی، جام شورو



toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ حقوق محفوظ


| | |
|---|---|
| نام کتاب: | افکار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ |
| مصنف: | علامہ غلام مصطفیٰ قاسمیؒ |
| مرتب: | محمد شاہد حنیف 0333-4128743 |
| نظر ثانی: | پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم حسین |
| کمپوزنگ: | یونس عبدالستار |
| سال اشاعت: | 2014ء |
| ایڈیشن: | پہلا |
| ناشر: | ڈاکٹر انور فگار ھکڑو |
| پرنٹنگ | انٹیل کمیونیکیشنز، |
| | ربی چیمبر کورٹ روڈ حیدر چوک حیدر آباد |
| قیمت: | 300 روپے |

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر کی کتاب نمبر-15

ملنے کا پتہ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر

سندھ یونیورسٹی، جامشورو


toobaa-elibrary.blogspot.com

# ترتیب

| | | |
|---|---|---|
| **پیغام** | مظہر الحق صدیقی | 9 |
| **پیش لفظ** | ڈاکٹر قاضی خادم | ۱۱ |
| ○ شاہ ولی اللہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود | | ۱۳ |
| ○ شاہ ولی اللہ اور اُن کا فلسفہ | | ۱۶ |
| فلسفہ ولی اللہی کی پیچیدگی | | ۲۰ |
| مسئلہ وجود | | ۲۱ |
| چند اعتراضات | | ۲۵ |
| ○ علمائے سندھ اور شاہ ولی اللہ کے علمی روابط | | ۲۹ |
| ○ شریعت کا جادہ قویمہ: شاہ ولی اللہ کی نظر میں | | ۳۹ |
| ○ فکرِ ولی اللہی کی اہمیت' آج کے تناظر میں | | ۵۸ |
| ○ شاہ ولی اللہ کی تالیفات پر ایک نظر | | ۶۵ |
| تحصیل ملکات کا دور | | ۶۶ |
| ۱: فتح الرحمٰن (قرآن مجید کا فارسی ترجمہ) | | ۶۷ |
| ۲: الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر (فارسی) | | ۷۰ |
| ۳: فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر (عربی) | | ۷۲ |
| ۴: المقدمۃ فی قوانین الترجمہ فارسی | | ۸۱ |
| ۵: تاویل الاحادیث | | ۸۴ |



toobaa-elibrary.blogspot.com

٦: المصفیٰ فی احادیث الموطا، فارسی ۹۰
۷: المسوّیٰ من احادیث الموطا ۹۸
۸: الشرح تراجم ابواب صحیح البخاری ۱۰۸
۹: چہل حدیث (عربی) ۱۱۱
۱۰: الارشاد الی مہمات علم الاسناد ۱۱۱
۱۱: حجۃ اللہ البالغہ ۱۱۳
۱۲: ایک تاریخی قلمی نسخہ ۱۱۸
اسلامی معاشرت کی تشکیل اور ولی اللہی فکر ۱۲۰
شاہ ولی اللہ کے انقلابی افکار ۱۲۴
شاہ ولی اللہ کی دعوتِ دین ۱۲۸
اجتماعیت: شاہ ولی اللہ کی نظر میں ۱۳۱
قرآن مجید میں تدبر کی اہمیت ۱۳۳
مقصدِ نزولِ قرآن ۱۳۸
شاہ صاحب کے انقلابی پروگرام کا اہم اُصول ۱۳۸
سیاسی اور سماجی قوت کا مدار فلسفہ پر ۱۳۹
مساویانہ تقسیم دولت اور شاہ ولی اللہ کا فلسفہ ۱۳۹
شاہ صاحب اور کارل مارکس کے نظریہ میں بنیادی فرق ۱۴۰
فاشستی نظام ۱۴۰
شخص اکبر ۱۴۱
طبیعت الکل ۱۴۱
نفس الکل ۱۴۱



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیگل اور رُوح عالم ۱۴۱
ذاتی ملکیت ۱۴۳
ضرورت سے زائد مال نہ رکھا جائے ۱۴۶
ضروری تنبیہ ۱۴۹
ایک شبہ اور اس کا جواب ۱۵۳
زکوٰۃ کی بحث ۱۵۳
ایک شبہ کا ازالہ ۱۵۸
قرآن کا فکر ۱۶۰
معاشرہ کا ہر فرد محنت کر کے کھائے ۱۶۱
انسانی اجتماع ۱۶۳
معاشرہ کی منزلیں ۱۶۶
معاشرہ کی پہلی منزل ۱۶۸
معاشرہ کی دوسری منزل ۱۶۸
تدبیر منزل ۱۶۹
اقتصادیات یا معاملات ۱۶۹
معاشرہ کی تیسری منزل ۱۷۱
معاشرہ کی چوتھی منزل ۱۷۱
ذریعہ پیداوار ۱۷۳
زمینداری سسٹم ۱۷۵
زمینداری ائمہ مذاہب کی نظر میں ۱۷۷
کیفیت نظامِ اجتماع ۱۷۹
○ افکارِ شاہ ولی اللہ پر تحقیقی مقالات ۱۸۳
○ معاشرتی مسائل اور فکرِ ولی اللہی ۱۸۶



toobaa-elibrary.blogspot.com

○ شرک اور افکارِ شاہ ولی اللہ ۱۹۸
○ افکار شاہ ولی اللہ اور ہمارا کردار ۱۹۲
○ سیرتِ صحابہؓ اور فکرِ ولی اللہی ۱۹۴
○ فلسفۂ زکوٰۃ [فکرِ ولی اللہی کی روشنی میں] ۱۹۷
○ فلسفہ فکرِ ولی اللہی ۲۰۰
○ فلسفہ معراج ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تحقیق کی روشنی میں ۲۰۲
○ امام شاہ ولی اللہ کا سفرِ حج اور علما سے علمی ملاقاتیں ۲۰۵
○ فلسفہ روزہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی روشنی میں ۲۱۱
○ فلسفہ حج ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی روشنی میں ۲۱۴
مناسک کی صفات ۲۱۶
مسائل حالتِ احرام ۲۱۷
○ ''سطعات'' از شاہ ولی اللہ [مقدمہ] ۲۲۱



toobaa-elibrary.blogspot.com

# پیغام

مجھے خوشی ہے کہ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر جن مقاصد کو زیر نظر رکھ کر قائم کی گئی تھی، وہ اس کے حصول کے لئے ثابت قدمی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی ہے اور خدا کے فضل و کرم سے وادی سندھ کے علم و ادب، تاریخ و مذہبی علوم میں تحقیق کرنے والوں کے لئے یہ چیئر ایک مشعل راہ کی حیثیت حاصل کر چکی ہے۔

زیر نظر کتاب جو کہ برصغیر کے ایک بڑے اہم مفکر اور عالم شاہ ولی اللہ دہلوی کے بارے میں علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کے لکھے ہوئے مضامین پر مشتمل ہے۔ یقیناً اہل علم کے لئے یہ کتاب بڑی اہمیت کی حامل ہوگی اور گذشتہ ادوار کے مذہبی و سماجی پس منظر کے متعلق حقائق پر ایک اہم دستاویز ثابت ہوگی۔

میں چیئر کے اعزازی ڈائریکٹر پروفیسر ڈاکٹر قاضی خادم اور اس کی ٹیم کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کی یہ کاوشیں آگے کی طرف بڑھتی رہیں گی۔

احقر

**مظہر الحق صدیقی**

پیٹرن

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر



toobaa-elibrary.blogspot.com

toobaa-elibrary.blogspot.com

# پیش لفظ

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر کے اشاعتی سلسلے کا 15 کتاب "افکار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ" کا پیش لفظ لکھتے ہوئے مجھے جو خوشی محسوس ہو رہی ہے، اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ یہ چیئر سندھ یونیورسٹی میں جولائی 2004ء میں مہوش اینڈ جہانگیر صدیقی فاؤنڈیشن کی جانب سے قائم کی گئی تھی اور اس کے اعزازی ڈائریکٹر ہونے کا اعزاز میرے حصے میں آیا، جسے میں نے اپنے طور پر ایک فرض کی حیثیت سے نبھانے کی کوشش کی ہے اور چیئر کے بنیادی مقاصد کے حصول کے لئے اپنے رفقائے کار ڈاکٹر انور نگار ھکڑہ (سیکریٹری)، پروفیسر نظیر قاسمی، ڈاکٹر حبیب اللہ صدیقی، ڈاکٹر ادریس سومرو، ڈاکٹر ثناء اللہ اور ڈاکٹر سرفراز بھٹی، (جو کہ اب ہم میں نہیں رہے)، اور شوکت شورو کی مدد اور اعانت سے اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ اس چیئر کو یونیورسٹی کی تحقیقی کاوشوں میں بھرپور حصہ لینے کے قابل بنائیں۔

ان نو برسوں کے دوران ہم نے سندھی اور اردو میں 15 کتب شائع کی ہیں اور ہر سال دو ذہین اور قابل طلباء کے لئے سونے کے تمغے بھی دیتے آئے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم نے پانچ کانفرنس اور سیمینار بھی منعقد کرائے ہیں جن میں عالم اور ادیب حضرات کے علاوہ اساتذہ اور شاگردوں کی بڑی تعداد نے حصہ لیا اور مستفیض ہوئے۔ اس کے علاوہ چیئر کی کتب کی تقریب رونمائی بھی کراتے رہے ہیں۔

اس وقت چیئر مین تین طلبہ ایک کراچی یونیورسٹی سے اور دو سندھ یونیورسٹی کی طرف سے Ph.D پر کام کر رہے ہیں اور امید ہے کہ جلد ہی وہ اپنی تحقیق مکمل کرلیں گے۔ راقم الحروف ان کے گائیڈ کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی یہ چیئر تحقیق کے میدان میں کچھ نئے پراجیکٹس متعارف کر رہا ہے تاکہ محقق اور طلبہ اس سے بھرپور استفادہ حاصل کرسکیں۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

میں اپنے اور اپنے افقائے کار کی طرف سے مہوش اینڈ جہانگیر صدیقی فاؤنڈیشن خاص طور پر جناب مظہر الحق صدیقی کے تعاون اور ہمت افزائی پر ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ اس علمی اور تحقیقی ادارے کے لئے اپنے تعاون کا دروازہ کبھی بند نہیں کریں گے۔

میں سندھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر نذیر اے مغل کا بھی شکر گذار ہوں جنھوں نے ہر موقع پر چیئر کی ہمت افزائی کی ہے اور ہماری کوششوں کو سراہا ہے امید ہے کہ ان کا تعاون آئندہ بھی جاری رہے گا۔

زیر نظر کتاب افکار شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی جانب سے جاری کردہ رسالہ الرحیم اور الولی میں شائع ہوئے تھے۔ان کی ترتیب جناب شاہد حنیف نے دی ہے جس پر ادارہ ان کا بے حد شکر گذار ہے۔اس وقت وہ مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم کے بارے میں علامہ قاسمی صاحب کے اردو میں مقالے ترتیب دے رہے ہیں جو کہ انشاء اللہ جلد ہی شائع کی جائے گی۔

25-02-2014

ڈاکٹر قاضی خادم

اعزازی ڈائریکٹر

علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی چیئر

toobaa-elibrary.blogspot.com

# شاہ ولی اللہ اور عقیدہ وحدۃ الوجود

اس برصغیر کی تاریخ میں ہمارے نزدیک حضرت شاہ ولی اللہ صاحب وہ بزرگ ہیں، جنھوں نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اس قسم کے دینی اتحاد کی ایک فکری طرح ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ اپنے زمانے کے حالات کے مطابق اس سے کوئی بھی صاحب فکر خواہ وہ کتنا بھی عظیم کیوں نہ ہو اپنے گروہ پیش کے تاریخی اور سیاسی حالات سے آنکھیں بند نہیں کرسکتا۔ حضرت شاہ صاحب کو بھی ان حالات کا لازماً لحاظ کرنا پڑا اور اُن سے نمٹنے کے سلسلے میں اُنھوں نے بہت کچھ کیا اور لکھا بھی اور اگر وہ ایسا نہ کرتے، تو ان کی حیثیت محض ایک خیال پرست مفکر کی ہوتی، ان کی تعلیمات میں جو حقیقت پسندی ہے، وہ ہمیں نہ ملتی بے شک شاہ صاحب نے بعض اسلامی فرقوں پر تنقید بھی کی ہے اور اُن کی بے دینوں کو کھلے الفاظ میں واشگاف فرمایا ہے، لیکن اگر بنظر تعمق دیکھا جائے تو ان فرقوں کی سیاسی سرگرمیاں اس سیاسی صورتِ حال میں جسے شاہ صاحب مسلمانان پاک وہند کی بقا کے لیے ضروری سمجھتے تھے، رخنہ اندازی کا موجب تھیں اور چونکہ اس زمانے میں اس قسم کی سیاسی سرگرمیاں مذہبی فرقہ واریت کی بنیاد پر ہوتی تھیں، اس لیے شاہ صاحب کو ان فرقوں کے مخصوص مذہبی عقائد پر لکھنا پڑا۔

شاہ ولی اللہ صاحب وحدت الشہود کے خلاف عقیدہ وحدت الوجود کے قائل ہیں اور بڑی سختی سے قائل ہیں، اگرچہ وہ اس کی ایسی تعبیر فرماتے ہیں، جو دین کے بنیادی حقائق کے مطابق ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا اسی عقیدہ وحدت الوجود پر اصرار ہے۔ اب اگر شاہ صاحب کے اس عقیدے کے حقیقی مضمرات کو غور سے دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تمام اختلافی معاملات میں ان کا رُجحان وحدت کی طرف ہے۔ وہ اختلافات کا جو اس دُنیا میں محسوس و موجود ہیں، انکار نہیں کرتے لیکن ان کے نزدیک یہ اختلافات اصل نہیں، یہ مختلف شون وحالات کی پیداوار ہیں، اصل وحدت ہے، وحدت اپنے حقیقی معنوں میں شاہ صاحب کا دوسرے بزرگوں سے مقابلہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتے وقت شاہ صاحب کی اس بنیادی خصوصیت کو ضرور سامنے رکھنا چاہیے۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی عملی تطبیق میں یہی فرق ہے۔

شاہ صاحب سے صدیوں پہلے سے اور خود ان کے دور میں فقہی مسالک کے متعلق احناف وشوافع میں بڑی ردّوقدح چلی آتی تھی۔ اس بارے میں شاہ صاحب کا رُجحانِ وحدت الوجودی اُنھیں کس طرف لے جاتا ہے، اس کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں: ''ملاء اعلیٰ سے میرے دل میں ایک داعیہ ڈالا گیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ ابوحنیفہ اور شافعی کے دو مذاہب اُمت مرحومہ میں مشہور ہیں...... اور آج ملاء اعلیٰ میں یہ حقیقت ثابتہ ہے کہ ان دونوں کو ایک فقہی مذہب کی طرح کر کے احادیثِ نبوی کی مدونہ کتابوں پر پیش کیا جائے۔'' [تفہیماتِ الٰہیہ، ج:۱،ص۲۱۱]

شاہ صاحب نے نہ صرف ان دو کو بلکہ چاروں کے چاروں مذاہب فقہ کو ایک ہی اصل کے تحت جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ جماعت اہلِ حدیث کے ترجمان ہفت روزہ الاعتصام میں ایک صاحب نے یہ اقتباس دینے کے بعد لکھا ہے: ''اہلِ حدیث اور حضرات دیوبند تو شاہ صاحب کے عقیدت مند ہیں، جہاں تک اہلِ حدیث کا تعلق ہے یہ جاننے کے باوجود کہ شاہ صاحب کا رُجحان احناف کی طرف بعض جگہ نمایاں ہے، ان کے ہاں شاہ صاحب کے احترام اور اُن سے عقیدت میں فرق نہیں آیا......'' اسی ضمن میں الاعتصام کے مضمون نگار نے بریلوی حضرات کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''......شاہ صاحب کا جو حصہ تصوف کے متعلق ہے، اس میں ایسا مواد ملتا ہے، جس سے بریلویت کی خاصی تائید ہوتی ہے......''

دین اسلام کے بنیادی عقائد کو حق واحد مانتے ہوئے، ان کی مختلف تعبیرات کو یوں سمجھنا کہ یہ ایک اصل ہی کی درحقیقت فروع ہیں اور اُن میں سے ہر فرع اپنے مخصوص ماحول اور زمانے سے متاثر ہوئی، شاہ صاحب کا بنیادی فکر ہے، جو ان کے عقیدہ وحدت الوجود کی دین ہے۔

غرض شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے زمانے کے حالات کے مطابق ان تمام فروع کو ایک اصل کی طرف لوٹانے کی فکری جدوجہد کا آغاز کیا۔ اسے ہم فکری جدوجہد کا آغاز کہیں گے


toobaa-elibrary.blogspot.com

اور یہ آغاز ظاہر ہے آج سے دوسو سال پہلے کے حالات میں ہوا۔ لیکن یاد رہے شاہ صاحب کا رُجحان وحدت کی طرف ہے، اختلاف کی طرف نہیں اور یہی عقیدہ وحدت الوجود کی نمایاں خصوصیت ہے۔

ضرورت الفاظ سے پرے جانے کی ہوتی ہے۔ محض لفظ پرستی تحقیق حق کی راہ میں سب سے بڑی دیوار ہے۔ اہلِ نظر کا یہ کام ہے کہ وہ اس مقصودِ حقیقی کو سمجھنے کی کوشش کریں، جسے بیان کرنے کے لیے شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے دور کی مخصوص زبان استعمال کی ہے۔

[الرحیم: جنوری ۱۹۶۶ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# شاہ ولی اللہ اور اُن کا فلسفہ

بارہویں صدی ہجری میں جب مسلمانوں کی قوت کمزور ہوگئی اور اُن کی فوجی طاقت کو زوال آ گیا، تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اس اُمت پر نظر کرم ہوئی اور اُس نے برصغیر پاک وہند میں امام ولی اللہ دہلوی (۱۱۱۴ھ۔۱۱۷۶ھ) پیدا فرمائے۔ جو صحیح معنوں میں اس دُنیا میں ''اللہ کی حجت'' تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُنھیں فقہ کا وہ راستہ دکھایا جو اُس کے ہاں پسندیدہ تھا اور اُن کو علم حدیث میں تجدید کرنے کی توفیق دی، نیز اللہ تعالیٰ نے اُنھیں سنن وشرائع اور مصالح اور جو کچھ بھی رسول اللہ ﷺ اپنے ربّ کی طرف سے لائے تھے، ان سب کے اسرار وحکم الہام فرمائے۔ گو یہ ایک بڑا جلیل القدر فن ہے لیکن اس کے باوجود شاہ ولی اللہ سے پہلے کسی نے اس پراتنے سلیقہ اور پختگی سے بحث نہیں کی، اگر کسی کو اس میں کچھ شک وشبہ ہو۔ تو وہ شیخ ابن عبدالسلام کی کتاب القواعد الکبریٰ دیکھیے جس پر اگرچہ مصنف نے بڑی محنت کی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس فن کا حق ادا نہیں کرسکے۔

شاہ ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تصوف وسلوک کے اس طریقے کا بھی الہام کیا، جو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول تھا اور اس کی کامیابی مقدر ہوچکی تھی۔ اس طریقے کو شاہ صاحبؒ نے اپنے دو رسالوں لمعات اور الطاف القدس میں مدوّن فرمایا اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے اُنھیں توفیق دی کہ واضح دلائل اور قطعی حجتوں کے ساتھ سلف صالح کے عقائد کا اثبات کریں۔ اہلِ معقول نے ان میں جو شبہات پیدا کررکھے تھے، ان سے اُنھیں پاک کریں اور سلف صالح کے ان عقائد کو اس محکم طریقے سے پیش فرمائیں کہ پھر ان میں بحث ونزاع کی گنجائش نہ رہے۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو ان چار کمالات ''ابداع، خلق، تدبیر اور تدلی'' کا علم تفصیل سے عطا فرمایا۔ اسی طرح اُنھیں تمام انسانی نفوس کی استعداد اور اُن کے

toobaa-elibrary.blogspot.com

حصول کمال کے طریقوں کے علم سے بھی بہرہ ور کیا یہ دو آخر الذکر وہ جلیل القدر علم ہیں کہ ان کے اردگرد امام ولی اللہ سے پہلے کوئی گھوما بھی نہیں تھا۔[شاہ ولی اللہ کی فارسی تصنیف الجزء اللطیف سے ماخوذ۔] شیخ محسن المحدثؒ کہتے ہیں:

''وہ علوم جو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ (شاہ ولی اللہ) کے لیے مخصوص فرمائے۔ اور وہ جن میں دوسرے ائمہ کو بھی آپ کے ساتھ شریک کیا اُن کا احاطہ کرنے سے زبان عاجز ہے، لیکن کوئی حرج نہیں اگر میں ان قابلِ فخر چیزوں کا ایک حصہ بیان کردوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ پہلے بعد میں آنے والوں کے لیے کیا کچھ چھوڑ گئے ہیں۔ اور اس میں تعجب کی کوئی بات بھی نہیں قسمت آسمان سے ہی اُترتی ہے اور فضل وکمال اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے، عطا کرتا ہے۔''

یہ لکھنے کے بعد شیخ محسن بہت سے علوم اور عظیم نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں، جن سے شاہ صاحب کو سرفراز کیا گیا ان میں سے چند ایک یہ ہیں۔ آداب، سلوک، علم الحقائق جس کے ضمن میں اُن پر اُمور حقہ کا انکشاف اور انوار ملکوتی کا انعکاس ہوا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اُنھیں پاک وزکی نفس اور قوتِ قدسی سے نوازا، چنانچہ شاہ صاحب نے ان کو جنھوں نے آپ کی باتوں پر کان دھرے، اصل احوال سے آگاہ کیا اور اپنی معرفتوں کے ذخیرے سے ان پر جو اُنھیں سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے، موسلا دھار بارش برسائی۔ الغرض حقائق کے بیان میں شاہ صاحب کی زبان سے بڑھ کر ناطق کوئی زبان نہیں اور معرفتوں کے سِکّوں کو، پرکھنے والی ان کو کسوٹی سے بہتر اور صحیح کوئی کسوٹی نہیں......'' [البالغ الحسنیٰ از شیخ محسن]

امام ولی اللہ کا فلسفہ بعض اُمور میں تو فلسفہ یونان سے مطابقت رکھتا ہے بعض باتوں میں وہ فلاسفہ اسلام شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور امام ربانی مجدد الف ثانی سے متفق ہے اور بعض اُمور میں اس کی اپنی منفرد اور مستقل حیثیت ہے دراصل فلسفہ ولی اللہی انبیائے کرام کی شریعتوں کو عقل کے مطابق ثابت کرتا ہے اور اسی طرح وہ حکمت اور شریعت میں مطابقت پیدا کرتا ہے۔ جو شخص بھی دُنیا کی مختلف قوموں کی تاریخ پڑھتا ہے اور اُن کے نشیب وفراز پر غور کرتا ہے اس سے یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ یہودیت، عیسائیت اور اسلام جیسے حنیفی مذاہب ماننے



toobaa-elibrary.blogspot.com

والوں کے علاوہ جو دوسری غیر حنفی قومیں ہیں، وہ خاص طور سے حکمت اور فلسفہ سے دلچسپی رکھتی ہیں۔ اب ضروری تھا کہ حکمت وفلسفہ اور دینِ حنیفی کو باہم ہم آہنگ ومطابق کرنے کی کوشش ہوتی تاکہ اس حکمت وفلسفہ میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں، وہ عیاں ہوسکتیں۔ اور اس طرح غیر حنفی قوموں کے لیے دینِ حنیفی کو سمجھنے کی راہ نکل آتی۔ تاریخ اسلامی میں یہ خدمت صوفیا ومشائخ کرام جنھیں ''فلاسفہ اسلام'' کا نام دیا گیا ہے، سرانجام دیتے رہے ہیں۔ اور اُن کے اس فلسفہ میں تصوف بھی شامل رہا ہے۔

ان فلاسفہ اسلام یا اصفیائے اسلام کے اپنے الگ الگ مشرب اور جُدا جُدا طریقے تھے، اس لیے ضرورت تھی کہ اُن کے ان مختلف طریقوں میں تطبیق دی جائے، تاکہ وہ لوگ جو عارفوں کے کلام سے پوری طرح باخبر نہیں، وہ غلطیوں میں نہ پڑیں۔ اور ایک عبارت سے جو معنی نکلتے ہیں، وہ اس سے اُس کے مخالف معنی نہ لے لیں۔ اس خاص معاملے میں بھی شاہ ولی اللہ ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہاں ان کے ''مکتوبِ مدنی'' کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''میرے عزیز بھائیو! تم پر اللہ کی رحمت ہو! تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں علما ہوئے ہیں۔ اور اُنھیں اللہ عزوجل کی رحمت سے حصہ ملا ہے۔ اور اگر تم اس اُمت مرحومہ کی ابتدائے عہد کے احوال پر غور کرو، جب کہ نہ علوم شرع اور نہ فنون اَدب مدوّن ہوئے تھے اور نہ ان علوم میں بحث ومباحثہ کا دروازہ کھلا تھا۔ اس وقت الہام، الٰہی ہی ان علما کے سینوں میں علمی طور سے نمایاں تھا، جیسا کہ ہر دور میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہوتا ہے اور یہ حقیقت تم سے مخفی نہیں ہونی چاہیے اب اس دور میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہمارے حصے میں یہ آیا ہے کہ ہمارے سینے میں اس وقت کے علما کے علوم، معقول، منقول اور مکشوف سب جمع ہوں اور اُن میں باہم تطبیق ہو، تاکہ ان میں جو اختلافات ہیں، وہ ختم ہو جائیں۔ اور ہر قول اپنی جگہ پر ٹھیک بیٹھ جائے۔ خدا کے فضل وکرم اور اُس کی توفیق سے یہ فقہ میں بھی ہو، کلام میں بھی ہو۔ اور اسی طرح تصوف اور دوسرے علوم میں بھی۔''

''اور تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کی معرفت جیسا کہ خضر علیہ السلام نے کہا ہے ایک


toobaa-elibrary.blogspot.com

سمندر کی طرح ہے کہ جس کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا اور جو اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں ان کی مثال سوئیوں کی طرح ہے کہ اس میں ڈوبی ہوئی ہیں اور اُن کی وجہ سے اس سمندر میں کسی قسم کی کوئی کمی واقع نہیں ہوتی یا ان کی مثال اُن چڑیوں کی سی ہے۔ جو اس سے اپنی حاجت کے مطابق پانی پیتی ہیں اور وہاں سے لوٹ جاتی ہیں۔ پھر ان میں سے ہر ایک اس کے کمال اور جمال کی ایک دوسرے سے بڑھ کر خبر دیتی اور تعریف کرتی ہے۔''

''اس کی تعریف خواہ کتنے بھی مختلف تعریف کرنے والے کرتے رہیں۔ زمانہ ختم ہو جائے گا لیکن اس میں جو کچھ ہے، اس کی تعریف نہیں، ہو سکے گی۔''

''اس قسم کے موقعوں پر سننے والوں کے مختلف گروہ ہو جاتے ہیں۔ جو شخص ہر بات کا اصل مقام جان لے اور جس موقع و محل کے متعلق خبر دی گئی ہے۔ اس سے واقف ہو، تو وہ ہر بات کو جو کہی گئی ہے اس کی اصل جگہ پر رکھے گا اور اس طرح وہ سب کی تصدیق کرے گا، جو عبارتوں کے اختلافات اور اشارات کے تنوع سے گھبرا جائے اور وہ اختلافات کی اُلجھن سے خلاصی پانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ وہ پریشان کن حیرت میں رہتا ہے اور اُس کی مثال اُن اندھوں کی ہے جنھوں نے ایک درخت کو گھیر رکھا ہے اور وہ اسے چھو رہے اور چکھ رہے ہیں۔ اب ان اندھوں میں سے ایک کا ہاتھ اس کے پتوں پر پڑا، دوسرے کا اس کی شاخوں پر، کسی کا اس کے پھولوں پر اور کسی کا اس کے پھل پر، اس کے بعد وہ اکٹھے بیٹھ کر اس درخت کے متعلق آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نہ کہا کہ درخت کے نرم نرم اجسام ہیں۔ دوسرا بولا۔ وہ تو لکڑیاں ہیں۔ کسی نے کہا وہ بے حد نرم اور ملائم ہے۔ کسی نے اسے حد سے زیادہ سخت بتایا۔ ایک نے کہا کہ وہ بہت ہی میٹھا ہے۔ دوسرا بولا، اس سے زیادہ تلخ اور کڑوی کیا چیز ہو گی۔ تیسرے نے کہا کہ اس کا تو کوئی اپنا مزا ہی نہیں۔ اس طرح ان میں کسی نے اس کی بڑی اچھی خوشبو بتائی اور دوسرے نے کہا کہ اُس کی تو کوئی خوشبو ہی نہیں۔''

جب اس درخت کے بارے میں ان کے بیانات میں یوں اختلاف ہوا تو ان میں سے ہر ایک دوسرے کو جھٹلانے لگا یہاں تک کہ ان میں گالی گلوچ تک نوبت پہنچ گئی۔ ایسے



toobaa-elibrary.blogspot.com

وقت میں ان کے پاس ایک آدمی آتا ہے جو بصارت رکھتا ہے اور اگر چہ وہ بہت سے دوسرے اوصاف میں، جن کی بنا پر لوگ عام طور سے ایک دوسرے کی تعریف کرتے ہیں، جیسے کہ آواز کا اچھا ہونا۔ مضبوط گرفت والا ہونا اور سننے، چکھنے اور چھونے کی قوتوں میں باکمال ہو، ان اندھوں سے کم تر ہے وہ آدمی ان سے یوں گویا ہوتا ہے، بے شک تم سب کی باتیں اصل میں تو صحیح ہیں لیکن تم میں سے ہر ایک نے حقیقت کو صرف اپنے تک جو محصور کر لیا ہے غلطی فی الواقع اس میں ہوئی ہے۔ اس کے بعد اس بصارت رکھنے والے شخص نے ان اندھوں میں سے ہر ایک کی بات کو اس کے اصل مقام پر رکھا۔ اور بتایا کہ فلاں بات جو کہی گئی ہے کا کیا مقصد ہے اور اس کا اشارہ کس طرح ہے۔۔۔۔۔[کلمات طیبات، ص ۱۷۹-۱۸۰، مطبع مجتبائی پریس]

## فلسفہ ولی اللّٰہی کی پیچیدگی

امام ولی اللہ نے اپنے ان افکار کی وضاحت کے لیے گو متعدد کتابیں لکھی ہیں، جن میں سطعات، لمعات، الھمعات، الخیر الکثیر اور البدور البازغة وغیرہ ہیں۔ لیکن ان کتابوں کے سمجھنے میں دِقت یہ پیش آتی ہے کہ وہ اکثر ایک ہی بات کو اپنی متعدد کتابوں میں مختلف طریقے سے بیان کرتے ہیں ایک جگہ وہ اس کے لیے ایک اصطلاح استعمال کرتے ہیں اور دوسری جگہ اسی کے لیے دوسری اصطلاح استعمال میں لاتے ہیں۔ مثال کے طور سے حقائق امکانیہ کے لیے القیوم کی اصطلاح کو لیجیے، اب فلاسفہ اسلام میں سے تمام عارفین اسے مانتے ہیں۔ اور اُن کا کہنا ہے کہ وہ ایک ''واحد شخصی'' ہے۔ اور اپنے ''ظلال'' (سایوں) کے ساتھ اس کی قیومیت کی نسبت ہے اور ''حقائق'' سے اس کی نسبت ''مبدائے تعین'' کی ہے اور اُن دونوں یعنی ''ظلال'' اور ''حقائق'' سے اس واحد شخصی ''القیوم'' کی نسبت، بلحاظ اس کے کہ وہ ان دونوں کے لیے بمنزلہ وجود کے ہے یعنی جو کچھ موجود ہے، اسی سے ہے۔ ''ہویات'' کی نسبت ہے اور اسی نسبت کو مطلق کی مقیدات کے ساتھ نسبت سمجھیے۔

امام ولی اللہ اپنی بعض کتابوں میں جیسے کہ سطعات ہے ''القیوم'' کو ''نفس رحمانی'' سے



toobaa-elibrary.blogspot.com

تعبیر کرتے ہیں۔ لمعات میں اس کو "نفس کلیہ" کہتے ہیں۔ اور الخیر الکثیر میں اسی کا نام "خاتم الاسماء الھیۃ" ہے۔ نیز الخیر الکثیر ہی میں ایک جگہ اسے "المرید" کہا ہے اور اپنی کتاب البدور البازغۃ میں اس کو وہ "اسم الرحمٰن" سے معنون کرتے ہیں۔ اب عام علم امام ولی اللہ کی ان اصلاحات کو نہیں سمجھتے اور اس کی وجہ سے ان کے لیے امام ولی اللہ کا فلسفہ پیچیدہ اور دقیق ہو جاتا ہے لیکن مکتبِ ولی اللہی کے وہ فارغ التحصیل جنھوں نے ابتدا میں امام ولی اللہ کے علوم کی اشاعت کی اور اُسے جیسے سمجھنا چاہیے تھا۔ سمجھا، وہ اُن کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین قدس اسرارہم ہیں، اس کے بعد ان حضرات کی کوششوں سے علما کی ایک جماعت تیار ہوئی جنھوں نے فلسفہ یونان کے ساتھ ساتھ فلسفہ اسلام خود پڑھا اور دوسروں کو بھی پڑھایا۔ انھی فارغ التحصیل حضرات میں سے ایک بزرگ شاہ محمد اسماعیل شہید امام ولی اللہ کے پوتے ہیں، جنھوں نے کہ اس موضوع پر عبقات کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی "علمِ حقائق" میں یہ بہترین کتاب ہے۔ اس کتاب میں شاہ محمد اسماعیل شہید نے ان اصطلاحات کی جو امام ولی اللہ نے اپنی کتابوں میں وقتاً فوقتاً استعمال کی ہیں شرح کی تاکہ اس کی مدد سے اہلِ علم امام ولی اللہ کی تمام کتابوں کا سوچ سمجھ کر مطالعہ کر سکیں۔

## مسئلہ وجود

امام ولی اللہ کے فلسفہ میں ایک مسئلہ وحدت الوجود اور اس کی جس طرح شیخ اکبر محی الدین ابن عربی تعبیر کرتے ہیں یعنی یہ کہ وجودِ حق تعالیٰ کی، اشیا سے "عینیت" کی نسبت ہے، اس کا بھی ہے اور یہ مسئلہ اتنا دقیق ہے کہ متکلمین اور فلسفیوں میں سے اکثر بڑے بڑے علما تک کے لیے اس کا سمجھنا مشکل ہے اس ضمن میں ان کوتاہ عقل والوں کا تو ذکر ہی کیا جنھوں نے امام ولی اللہ کی کتابوں کو سمجھے بغیر اُن کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ وحدت الوجود کا مسئلہ ایک ایسی مقدس حقیقت ہے کہ اس کے انوار صرف اسی پر ضوفگن ہوتے ہیں، جسے فہم کامل اور علم معرفت میں بصیرت وافی عطا ہوئی ہو۔ یہاں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ وجود کے متعلق امام ولی اللہ نے جو کچھ لکھا ہے اس پر کچھ گفتگو کی جائے تاکہ وحدت الوجود کے بارے میں اہلِ عرفان



toobaa-elibrary.blogspot.com

کے مسلکوں کے درمیان جو اشتباہ ہے، وہ دور ہو سکے اور اس ضمن میں جن صاحب نے شیخ اکبر ابن عربی اور امام ولی اللہ کے مسلکوں کے ایک ہونے کا دعویٰ کیا ہے، ان کے اس دعوے کی تردید ہو جائے۔ [جیسے کہ کتاب حسن التقاضی کے مصنف علامہ کوثری سابق شیخ الاسلام دولتِ عثمانیہ ترکیہ۔]

وحدت الوجود کے بارے میں امام ولی اللہ "مکتوبِ مدنی" میں فرماتے ہیں:

"آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود دو لفظ ہیں، جو دو جگہوں پر استعمال ہوتے ہیں کبھی ان کا استعمال "سیر الی اللہ" کے سلسلے میں ہوتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس سالک کا مقام وحدت الوجود کا ہے اور دوسرے کا مقام وحدت الشہود ہے۔ اب وحدت الوجود سے یہاں مراد سالک کے اس استغراق سے ہے، جو اسے اس "جامع حقیقت" کی معرفت میں ہو، جس میں عالم کا اس طرح تعین ہوتا ہے کہ اس سے "تفرقہ و تمیز" (یعنی وجود بحث اور وجودات میں یا دوسرے الفاظ میں خالق و مخلوق ہیں: 'مترجم') کے احکام ساقط ہو جاتے ہیں لیکن اسی "تفرقہ و تمیز" پر تو خیر و شر کی معرفت کا دار و مدار ہے۔ اور شریعت اور عقل بہت واضح الفاظ میں اسے بیان کرتے ہیں۔ "سیر الی اللہ" کی راہ میں بعض سالکوں کو یہ مقام پیش آتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اس سے انھیں نجات دے دیتا ہے۔"

وحدت الشہود کے معنی ہیں "جمع اور تفرقہ" کے احکام کو جمع کرنا۔ اس سلسلے میں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ایک لحاظ اور وجہ سے تو تمام اشیا ایک ہیں اور دوسرے لحاظ اور وجہ سے بہ کثرت ہیں۔ اور ایک دوسرے سے مختلف ہیں غرض کہ "سیر الی اللہ" کے ضمن میں وحدت الشہود کا مقام وحدت الوجود کے مقام سے کامل تر اور ارفع ہے۔ میں نے یہ اصطلاح شیخ آدم بنوری کے بعض پیرؤوں سے اخذ کی ہے:

"بسا اوقات وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی یہ اصطلاحیں "حقائق اشیا" کی جیسی کہ وہ ہیں، معرفت کے ضمن میں استعمال ہوتی ہیں۔ جب اہلِ معرفت نے "حادث" کا "قدیم" سے ارتباط دیکھا تو ان میں سے بعض اس نتیجہ پر پہنچے کہ عالم نام ہے

toobaa-elibrary.blogspot.com

''اعراض'' کا جو ایک ''حقیقتِ واحدہ'' میں جمع ہیں، جیسے کہ مثال کے طور پر موم سے انسان گھوڑے اور گدھے کی مجسم صورتیں بنائی جائیں اب موم کے ان مختلف مجسموں کے باوجود وہ موم جس سے کہ یہ مجسمے بنے ہیں اس کی اپنی ''طبیعت'' تو ایک ہی رہے گی۔ ہم موم کو مجسم صورتوں کا نام اسی وقت دیتے ہیں، جب اس میں یہ صورتیں وجود پذیر ہوں، لیکن یہ صورتیں فی الحقیقت تو مومی مجسمے ہیں اور اُن کا اُس وقت تک اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، جب تک کہ موم ان صورتوں کے ساتھ ضم نہ ہو۔ دوسرے اہلِ معرفت اس نتیجے پر پہنچے کہ عالم عکس ہے ''اسما وصفات'' کا، اور اُن ''اسما وصفات'' کے مقابل ''عدم'' کے آئینے ہیں، جن میں یہ ''اسما وصفات'' جلوہ گر ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ''قدرت'' کے مقابلے میں ''عجز'' ہو اور ''عدم'' نام ہی ہے ''عجز'' کا، اب جب ''قدرت'' کی روشنی ''عجز'' کے آئینے میں عکس ریز ہوئی تو یہ ''قدرتِ ممکنہ'' بن گئی۔ اسی طرح اب دوسری صفات کو لے لیجیے اب ''وجود'' کی بھی یہی مثال ہے۔ پہلے مسلک کو وحدت الوجود کا نام دیا جاتا ہے اور دوسرے کو وحدت الشہود کہتے ہیں۔ (پہلا مسلک: عالم نام ہے، اعراض کا جو حقیقتِ واحدہ میں جمع ہیں۔ دوسرا مسلک: عالم عکس ہے اسما وصفات کا جو عدم کے آئینوں میں جلوہ گر ہیں۔) یہ کہنا کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے ان معنوں میں وحدت الشہود کا ذکر نہیں کیا، بھول اور سہو ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ شیخ موصوف، ان کے پیرووں، بلکہ اہلِ حکمت نے بھی ان معنوں میں وحدت الشہود کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اگر اس کو تمام مجازی اقوال اور استعارات سے الگ کر کے، جن کی وجہ سے سمجھنے میں دقتیں پیدا ہوگئی ہیں۔ دیکھیں تو اس کا حاصل مراد یہ ہے کہ ''حقائق امکانیہ'' اتنے ضعیف تر اور ناقص تر ہیں اور حقیقت وجود اس قدر کامل تر اور قوی ہے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''حقائق امکانیہ'' اعدام (عدم کی جمع) ہیں جن میں کہ موجودات کی صورتیں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ اور اس میں کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں کہ یہ بات متفق علیہ ہے۔''

اگرچہ امام ولی اللہ کے نزدیک وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے متعلق اُوپر کے دونوں مکاشفے صحیح ہیں، لیکن جہاں تک اس بارے میں ان کے خود اپنے عقیدے کا تعلق ہے، وہ نہ تو



toobaa-elibrary.blogspot.com

وحدت وجود کو اس طرح مانتے ہیں، جیسے کہ شیخ اکبر ابن عربی اور نہ وحدت الشہود پر شاہ صاحب ایسا اعتقاد رکھتے ہیں، جیسا امام ربانی مجدد الف ثانی کا تھا۔ امام ولی اللہ کا مسلک ان دونوں طریقوں کے درمیان ہے۔

امام ولی اللہ کے پوتے صدر شہید شاہ اسماعیل اپنی کتاب عبقات کے بیسویں ''عبقہ'' میں دوسرے مذاہب پر بحث کرنے کے بعد اہلِ توحید کے مذاہب کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان میں سے کسی نے ''لاہوت'' اور ''کثرتوں'' کے درمیان ''قیومیت'' کے تعلق کو ''ابداع'' کے طریقے پر خوب اچھی طرح سے سمجھ لیا۔ اور اسے اس اَمر کا آخری حد تک تنبہیہ ہوگیا کہ یہ ''کثرت'' فی الواقع ''لاہوت'' میں مضمحل اور گم ہو رہی ہے وہ ''لاہوت'' کے وجود کے مقابلے میں اس ''کثرت'' کے وجود کی رکاکت اور خامی پر باوجود اس کے کہ اس ''کثرت'' کا وجود خود اپنے مواطن و مقامات میں مضبوط ہے، آگاہ ہوا اور اس کے کمالِ ذاتی اور جمالی وصفی پر ایمان لایا مع اُس کے جو کچھ ان دونوں سے عالم کثرت میں جسے ''اعدام'' احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہوا چنانچہ ان نے جان لیا کہ کثرت کے تخیلی آئینوں میں ''لاہوت'' کے کمال اور جمال کی ایک عظیم شان اور بڑا ظہور ہے اور اس سے اس کا نفس ''لاہوت'' کی عظمت، اس کے تقدس اور اس کے کمالِ اثبات واستحکام سے بھر گیا۔ اور اس کو یہ یقین ہوگیا کہ ''نفس لاہوت'' پرے اور پرے (وراء وراء ثم وراء الوراء) ہے۔''

اس کے بعد شاہ اسماعیل شہید لکھتے ہیں:

''چنانچہ اس کی نظر دونوں فریقوں کے مسلک کے اُصولوں تک جا پہنچی۔ اس نے دونوں طریقوں کے خلاصے اور لب لباب کو اختیار کیا۔ اور دونوں مقاموں کا جو حق ہے، وہ ادا کیا۔ یہی لوگ حکمائے ربانی ہیں، جو تشبیہ اور تنزیہ دونوں پر جامع ہیں اور یہی تمام انبیا علیہم السلام کے خلفا اور جانشین ہیں۔ اور یہی طریقہ افضل محققین کا ہے۔'' جس سے شاہ محمد اسماعیل کی مراد امام ولی اللہ ہیں۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

میرے نزدیک اس مسئلے میں امام ولی اللہ نے جو مسلک اختیار کیا ہے، اس کا دارومدار تجلی پر ہے کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اس ضمن میں ان پر جو حقیقت منکشف ہوئی وہ تجلی کی تھی اور اُن سے پہلے ان پر اس کا انکشاف نہیں ہوا۔ چنانچہ تجلی سے شیخ اکبر ابن عربی اور امام ربانی کے مذکورہ بالا دونوں طریقوں میں تطبیق ہوسکتی ہے اور وہ یوں کہ ''لاہوت'' اور ''کثرات'' کے درمیان ''عینیت'' کی جو نسبت ہے، وہ تجلی کے ذریعہ ہے ورنہ جہاں تک ''ذات'' کا تعلق ہے دونوں ایک دوسرے کے ''غیر'' ہیں۔ ''لاہوت'' اور ''کثرات'' میں ''عینیت'' کو اس طرح ماننے سے حلول کا اعتراض وارد نہیں ہوسکتا، ان دونوں میں من وجہ ''عینیت'' کے ساتھ ''غیریت'' بھی قائم رہتی ہے۔

## چند اعتراضات

کتاب حسن التقاضی کے مصنف علامہ کوثری سابق شیخ الاسلام دولت عثمانیہ ترکیہ نے امام ولی اللہ پر اعتراض کیا ہے کہ وہ حجاز میں شیخ ابوطاہر مدنی کے زیر اثر آئے اور جب وہ وہاں سے لوٹے تو تصوف، فقہ اور معتقدات میں اپنے اہلِ بیت اور خاندان کے مسلک سے انحراف کر چکے تھے۔ اور ''توحید شہودی'' کے بجائے ''توحید وجودی'' کے قائل ہو گئے تھے۔ اس کے جواب میں مَیں یہ کہوں گا کہ امام ولی اللہ اوّل سے لے کر آخر تک حنفی رہے۔ لیکن ان کے طریقہ فقہی میں جمود نہ تھا، جیسا کہ بدقسمتی سے معترض کے ہاں ہے۔ اور نہ امام ولی اللہ یہ سمجھتے تھے کہ اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا ہے۔ چنانچہ ان کا طریقہ کار وہی تھا جو مجتہدین فی المذہب، حنفی اکابر کا رہا ہے کہ اُنھوں نے جمہور احناف کے بعض متفقہ مسائل سے اختلاف کیا ہے۔ شاید حسن التقاضی کے مصنف امام ولی اللہ کی اس بات سے خفا ہوں گے۔

جہاں تک وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے متعلق، امام ولی اللہ کے اپنے مسلک کا تعلق ہے وہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں یہ ملحوظ رہے کہ امام ربانی مجدد الف ثانی نے وحدت وجود کا جس کا کہ اثبات شیخ اکبر ابن عربی نے کیا، اس طرح انکار نہیں کیا جیسے عام طور سے



toobaa-elibrary.blogspot.com

علمائے ظاہر کرتے ہیں بلکہ اُنھوں نے وحدت الشہود کا وحدت الوجود سے اس کا اقرار کرنے کے بعد، اُوپر ایک اور اعلیٰ مقام ثابت کیا ہے۔ اس بارے میں عارف باللہ مرزا مظہر جانجاناں مجددی متوفی ۱۱۹۵ھ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔

''انکار حضرت مجدد بر توحید وجودی نہ مثل انکار علمائے ظاہرات بلکہ از مقامیکہ وجودیہ تکلم می کنند تصدیق وتسلیم می نمائند۔ ایں قدر ہست کہ مقصود اصلی را فوق ایں مقام می فرمائند وغیریتے فی الجملہ بین الخلق والحق بہ نہجے کہ مخل وحدت وجود حقیقی کہ مستحق درخارج حقیقی است نگردد ثابت می کنند۔'' [کلمات طیبات، ص ۱۸]

علامہ کوثری نے امام ولی اللہ پر ایک اعتراض یہ بھی کیا ہے کہ وہ موصوف کے الفاظ میں عالمِ مثال کے قائل ہیں۔ اور بقول علامہ کوثری کے یہ ایک ایسا خیال ہے، جس کے وجود کا ثبوت نہ شرع میں ہے نہ عقل میں۔ معلوم ہوتا ہے مصنف موصوف کی نظر سے حجۃ اللّٰہ البالغۃ کا وہ باب نہیں گزرا، جس میں امام ولی اللہ نے ''عالمِ مثال'' پر بحث کی ہے اور پھر امام ولی اللہ عالمِ مثال کے قائل ہونے میں مقرد نہیں۔ بلکہ اہلِ معرفت اور اصحاب مکاشفہ کی ایک بڑی جماعت اسے مانتی آئی ہے۔ حسن التقاضی کے مصنف نے امام ولی اللہ پر ''شق القمر'' کی تاویل کرنے کا بھی الزام لگایا ہے موصوف کے الفاظ یہ ہیں:

''ان (امام ولی اللہ) کی عجیب باتوں میں سے یہ بھی ہے کہ ''شق القمر'' کا واقعہ اس سے عبارت ہے کہ چاند نظروں کو یوں دکھائی دیتا تھا اور یہ نظروں کو مسحور کرنا انبیا علیہم السلام کے شایان شان نہیں۔''

اب جہاں تک مسئلہ ''شق القمر'' کا تعلق ہے امام ولی اللہ نے اس سے انکار نہیں کیا۔ چنانچہ اُنھوں نے اپنے ایک قصیدے میں اسے رسول اللہ ﷺ کا ایک اعجاز بتایا ہے۔ البتہ ''شق القمر'' کے ضمن میں اُنھوں نے اس واقعہ کی چند امکانی صورتیں پیش کی ہیں۔ اور آخر اس طرح امکانی صورتیں پیش کرنے میں کیا حرج ہے۔ اس بارے میں امام ولی اللہ لکھتے ہیں:

''اور یہ جو کچھ میں نے ذکر کیا ہے، صرف اس مسئلے کے امکانی پہلو ہیں، ورنہ اللہ کی

toobaa-elibrary.blogspot.com

قدرت میں تو سب کچھ ہے اور وہ سب کچھ جانتا بھی ہے تم سے یہ مخفی نہ رہے کہ ایسے اور اس جیسے دوسرے مسئلوں میں جیسا کہ اللہ کے لیے ہاتھ پاؤں اور دوسری چیزوں کا ذکر ہوا ہے، سیدھا راستہ یہ ہے کہ انسان ان کے ظواہر سے گزر جائے اور اُن کے وجود کی کیفیت کی ٹوہ میں نہ پڑے۔ اور بالجملہ یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان چیزوں سے جو کچھ مراد لی ہے، وہ حق ہے۔" [تاویل الاحادیث]

علامہ کوثری کا امام ولی اللہ پر یہ اعتراض بھی ہے کہ وہ عالم کو قدیم مانتے ہیں۔ اس ضمن میں میرا کہنا یہ ہے کہ میں نے امام موصوف کی تصانیف میں اس قسم کا کوئی بیان نہیں دیکھا، جس کا ذکر مصنف حسن التقاضی نے کیا ہے۔ اس بارے میں مَیں نے اگر کوئی چیز ان کی کتابوں میں پائی ہے، تو وہ یہ ہے: امام ولی اللہ اپنی کتاب الخیر الکثیر میں لکھتے ہیں:

"ہمارا کہنا یہ ہے کہ عالم تمام کا تمام اپنے زبان و مکان اور ہیولی سمیت حادث ہے۔ ان معنوں میں کہ وہ معلول ہے "ارادہ" کا اور معلول ہونے کی وجہ سے اس میں کدورتیں آ گئی ہیں......"

اسی سلسلہ میں وہ تفہیماتِ الٰہیہ میں ایک طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں:

"عماء" کا قدیم ہونا، اسے ملتوں کے اس اتفاق سے کوئی گزند نہیں پہنچتا کہ عالم جس سے مراد ماسویٰ اللہ ہے حادث ہے اور وہ اس لیے کہ (ذاتِ الٰہی کی "انیت اولیٰ" عماء میں تجلی ہوئی اور وہاں اس تجلی کے احکام کا ظہور ہوا۔ جنھیں "احکامِ وجوب" کا نام دیا گیا۔ ملتوں کی زبان میں یہ حقیقت ظاہرہ اللہ تعالیٰ کے اسماو صفات میں سے ہے اور یہ نہ "من کل وجہ عین ذات" ہے اور "نہ من کل وجہ غیر ذات" یہ زمانی لحاظ سے قدیم ہے اور ایک جہت سے حادث۔ یہ ذاتِ الٰہی میں موجود ہے پس اس بیان سے یہ ظاہر ہوا کہ ان کے ہاں عالم کا اطلاق "نفس عماء" پر نہیں تھا بلکہ "عماء" کی اس حالت پر ہوتا ہے جب اس میں "حقائق امکانیہ" ظاہر ہو جاتی ہیں اس پر غور کرو۔" [تفہیماتِ الٰہیہ، حصہ اوّل ص ۱۵۸]

معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کوثری نے اسی عبارت سے امام ولی اللہ پر قدم عالم کے قائل



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہونے کا حکم لگایا ہے حالانکہ یہ عبارت عالم کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ ''عماء'' اور چیز ہے اور اس سے عالم مراد نہیں، ہمارے شیخ المشائخ مولانا محمد قاسم نے اس پر ایک رسالہ لکھا ہے، جس میں اس سلسلہ میں حدیث ابنِ رزین کی شرح کی گئی ہے۔

بہرحال واقعہ یہ ہے کہ زمانے کے قدیم اور عالم کے حادث ہونے میں کوئی نزاع نہیں آخر میں اس بحث کو میں عارف باللہ، حامل اسرار طریقت وشریعت، وقائق سر حقیقت کے شارح پیرو امام ربانی مرزا مظہر جانجاناں شہید کے ان الفاظ کے ساتھ جو اُنھوں نے امام ولی اللہ کے حق میں جو اُن کے ہم عصر تھے، فرمائے تھے۔ ختم کرتا ہوں☆

''حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ طریقہ جدیدہ بیان نمودہ اندر در تحقیق اسرار معرفت و غوامض علوم طرز خاص دارند۔ باایں ہمہ علوم وکمالات از علمائے ربانی اند مثل ایشاں در محققانِ صوفیہ کہ جامع اندور علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گزشتہ باشند۔''

ـــــ[الولی: جون ۱۹۶۳ء]

---

☆...... [مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی نے امام ولی اللہ کی عربی کتاب لمعات جو نایاب تھی اس کا ایک نسخہ حاصل کیا، اس کی تصحیح کی، اس میں ضروری حواشی کا اضافہ کیا اور اس کے شروع میں مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے شائع ہوگئی ہے۔
یہ مضمون مولانا موصوف کے عربی مقدمہ کا ترجمہ ہے۔ (مدیر)]

❁......❁......❁


toobaa-elibrary.blogspot.com

# علمائے سندھ اور شاہ ولی اللہ کے علمی روابط

عارف باللہ حضرت شاہ ولی اللہ (۱۱۱۴ـ۱۱۷۶ھ) کی غیر معمولی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، شاہ صاحب دُنیائے اسلام کے بڑے نامور بزرگ گزرے ہیں اور آپ کے نام نامی سے علمی دُنیا کا ہر شخص آگاہ ہے۔ آپ کو اپنے دور کے علما پر نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ بارہویں صدی ہجری کے ایک مانے ہوئے اہل اللہ مرزا مظہر جانجاناں شہید آپ کے متعلق فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے روئے زمین کی ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح سیر کرائی، میں نے اپنے دور میں شاہ ولی اللہ صاحب جیسا کسی کو نہیں پایا۔''

شاہ صاحب نے اپنی تعلیمات اور علمی تصانیف کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کی وہ خدمت سرانجام فرمائی جسے کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ موصوف ایک ہی وقت میں اپنی صدی کے مجدد، اسلام کے عظیم مفکر، جید محدث، مفسر، حکیم اور ربانی عالم تھے، آپ نے شریعت، طریقت، فلسفہ، تصوف اور جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں نئے انداز اور حکیمانہ طرز کلام فرما کر بعد میں آنے والوں کے لیے سوچنے کی نئی راہیں کھول دیں۔

ٹھیک اسی دور میں سرزمین سندھ بھی علم اور عرفان کا گہوارہ تھی۔ یہاں مخدوم ابوالقاسم نقشبندی شاہ عبداللطیف تارک بھٹائی، مخدوم محمد معین ٹھٹوی، مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی اور خواجہ محمد زمان لواری والہ وغیرہم جیسے اولیا اور برگزیدہ علما موجود تھے جن کے فیوضات دور دراز ممالک تک پہنچ چکے تھے یہاں قدرتاً یہ سوال پوچھا جاسکتا ہے کہ کیا بارہویں صدی کے اس علمی دور میں شاہ ولی اللہ صاحب کے سندھ کے افاضل سے علمی اور رُوحانی روابط تھے؟

اس سلسلے میں ہمیں تین سندھی جلیل القدر فضلا کے اسمائے گرامی ملتے ہیں، جن کے ساتھ شاہ صاحب کا براہِ راست علمی تعلق رہا ہے ان تین بزرگوں میں سے ایک تو شیخ القرا محمد فاضل سندھی ہیں جو کہ شاہ صاحب کے فن قرأت میں اُستاد ہیں۔ دوسرے مخدوم محمد معین ٹھٹوی



toobaa-elibrary.blogspot.com

صاحب ''الدراسات'' ہیں جنھیں شاہ صاحب موصوف سے علم حدیث کی اجازت عطا ہوئی اور تیسرے بزرگ محمد شریف بن خیر اللہ سندھی ہیں جنھوں نے شاہ صاحب سے باطنی فیوضات کی سند اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔

شیخ القرا محمد فاضل سندھی سندھ میں کہاں پیدا ہوئے کہاں ان کی سکونت تھی وہ کیسے دہلی گئے اور کب گئے۔ ان تمام سوالوں کے متعلق یہاں کے جملہ تذکرے خاموش ہیں نزھۃ الخواطر جو کہ اس صدی کی تصنیف ہے، اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ عالم مجود (تجوید کے ماہر) محمد فاضل سندھی دہلی میں شیخ القرا تھے۔ شیخ عبدالخالق دہلوی سے بروایت امام حفص قرآن پڑھا اور آپ سے شاہ ولی اللہ اور دوسرے بہت سے لوگوں نے فیض پایا۔ [نزھۃ الخواطر، ج ٦ ص ٣٤٢] شاہ صاحب خود بھی قرآن پاک کے فارسی ترجمہ فتح الرحمٰن کے مقدمہ میں اس طرح رقم طراز ہیں:

"قال العبد الضعیف ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی عنه قرأت القران کله من اوله الی آخره بروایته حفص عن عاصم الصالح الثقة حاجی محمد فاضل السندی ١١٥٤ھ قال تلوته الی آخرة بروایته حفص علی الشیخ عبدالخالق شیخ القرا لمجروسته دهلی۔" [مقدمہ فتح الرحمٰن، فارسی]

ترجمہ: ''(اللہ پاک کا) کمزور بندہ ولی اللہ بن عبدالرحیم عفی عنہ کہتا ہے کہ میں نے قرآن کو اوّل سے آخر تک بروایت حفص عن عاصم، صالح ثقہ حاجی محمد فاضل سندھی سے ١١٥٤ھ میں پڑھا اور اُنھوں نے کہا کہ میں نے اس کو اوّل سے آخر تک بروایت حفص دار سلطنت دہلی کے شیخ القرا شیخ عبدالخالق سے پڑھا۔''

دوسرے سندھی عالم مخدوم محمد معین سندھی ہیں جن سے شاہ صاحب کا براہِ راست علمی تعلق رہا ہے۔ اس بزرگ عالم کے فضل و کمال کی جتنی تعریف کی جائے کم ہوگی۔ موصوف علم حدیث کے بحرِ بے کنار، عربی اَدب کے شہ سوار اور علم کلام کے یکتائے روزگار تھے، فلسفہ میں آپ کے زورِ قلم کا یہ عالم ہے کہ آپ کے طرزِ تحریر میں ملا صدرا کی مشہور عالم کتاب اسفار اربعہ جیسی

روانی پائی جاتی ہے۔ سندھ کے مشہور مورخ میر علی شیر قانع ٹھٹوی نے آپ کے متعلق اپنے تاثرات کا اس طرح اظہار فرمایا ہے:

"مخدوم محمد معین شاگرد مخدوم عنایت الله مذکوراست، خدا تعالیٰ آں ذات حمیده صفات رادر زماں خود جامع جمیع فنون کمال آفریده ورمنقول ومعقول نحریر عصر وعلامه دهر شدباوجود آں کمالات علمی آشنا شده بسابزرگ دیں راصحبت کرد میاں ابوالقاسم نقشبندی که مذکور شدارادت اتم یافت ودراو اخرایام بجناب کرامت نصاب سیّد عبداللطیف تارك لقب بوضع یارانه واراد تمندار جو شیده۔" [تحفة الکرام، فارسی، ج ۳، ص ۲۲۹]

مخدوم محمد معین شاہ صاحب سے عمر میں بیس سال بڑے تھے۔ مخدوم صاحب کی ولادت ۱۹۰۳ء میں ہوئی، (ایک قلمی بیاض سے جو کہ فضلائے سندھ کے مادّہائے تاریخ کا ایک مجموعہ ہے مخدوم صاحب کی یہ تاریخ ولادت ہمیں دستیاب ہوئی ہے اور یہ اس مصرعہ سے نکلتی ہے۔ مخدوم عالم محمد معین لطف یہ ہے کہ اس معروف شخصیت کی تاریخ ولادت کے متعلق ان کے کسی بھی سوانح نگار نے کچھ نہیں لکھا۔) اور وفات ۱۱۶۳ھ میں۔ شاہ صاحب کا سن ولادت ۱۱۱۴ھ اور سن وفات ۱۱۷۶ھ ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب کا شاہ صاحب سے تلمذ صرف اجازتِ حدیث کی حد تک ہے، باقی اُنھوں نے شاہ صاحب سے کوئی کتاب نہیں پڑھی۔

عربی کے مختلف علوم وفنون کے متعلق بالعموم یہ دستور رہا ہے کہ علما مستند اور مشہور کتب کے مصنّفین تک اپنا اسناد اور روایت کا سلسلہ محفوظ رکھتے آئے ہیں، علمِ حدیث میں تو اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے اس ضمن میں اثبات اور اسانید کی کئی کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اس اجازت میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ جن کتابوں کی روایت کی اگر کسی بزرگ عالم سے اجازت لی جائے تو وہ کتابیں ان سے پڑھی بھی جائیں چنانچہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک تبحر عالم ہے جس کا ان علمی اسانید کا سلسلہ ثقات اساتذہ کے ذریعہ اُوپر جاتا ہے تو وہ اپنے جیسے کسی دوسرے بزرگ عالم کو اپنی مرویات کی روایت کرنے کی اجازت دے دیتا ہے پھر یہ اجازت بالمشافہ بھی دی جاتی ہے اور غائبانہ بھی، مخدوم معین صاحب کو شاہ صاحب سے اسی قسم کی اجازت حاصل ہوئی اس



toobaa-elibrary.blogspot.com

ملاقات میں مخدوم صاحب نے جو کہ نہایت ہی منکسر المزاج اور صوفی بزرگ تھے، شاہ ولی اللہ صاحب سے کتب احادیث اور دوسرے علوم کی روایت کی اجازت حاصل کی، باقی یہ ملاقات کہاں ہوئی اور کب ہوئی۔ اس کے متعلق خیال آرائیوں کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ملتا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں مخدوم محمد معین صاحب کی اپنی تصریحات پیش کی جائیں:

"فقیر کتب سته احادیث ومعاجم وکتب علمِ کلام وکتب علم اُصول وکتب علم اَدب وکتب شریفه علم شریف تصوف بسند متصل الی المصنّفین حتی الکافیة فی النحو بسندها المتصل الی ابن حاجب ازدو شیخ روایت میکند یکے قدوة العلما الراسخین فی وقتهشیخ عبدالقادر مفتی المکته باجازته الخاصةلی بروایت هابجمیع مافی فهرست الجامع الصحیح مرویاته۔"

"دیگر شیخ رفیع القدر شیخ ابوطاهر بن شیخ ابراهیم الکردی المدنی باجازة لی بروایت ها لجمیع مانی فهرس ابیه الجامع الجمیع مابجوزله روایته۔"

"شیخ سوم که اجازت حدیث بایں فقیر واده قدوة المشائخ فی بلد نافیض بن العارف والقطب فی وقة الشیخ آدم تتوی که ایں شیخ کریم اجازت از شیخ حسن عجیمی دارد که از عمده مشائخ حضرت شیخ عبدالقادر مذکوراست، اسانیدایں هر دو شیخ از شیخ عجیمی بالاترمی رود باآنکه شیخ عبدالقادر ازمشائخ بسیار دیگر هم روایت دارد، شیخ چهارم که ایں فقیرا جازت از ایشاں دارد حضرت عارف بن عارف الکاشف المشاهدشیخ اجل زکی الله سرهندی استقدس سرهٗ۔"

ترجمہ: "یہ فقیر صحاح ستہ، معاجم، علم کلام، علم اُصول، علم اَدب اور علم شریف تصوف کی کتابوں کی ان کے مصنفوں تک (یہاں تک کہ نحو کی کتاب کافیہ کی اس کے مصنف ابن حاجب تک) دو شیوخ سے روایت کرتا ہے ایک اپنے دور کے علمائے راسخین کے پیشوا شیخ عبدالقادر مفتی مکہ سے جنھوں نے جامع صحیح کی فہرست کی جملہ مرویات کی مجھے مخصوص اجازت مرحمت فرمائی۔"

"دوسرے شیخ رفیع القدر شیخ ابوطاہر بن شیخ ابراہیم الکردی المدنی، اُنھوں نے بھی اپنے

toobaa-elibrary.blogspot.com

باپ کے ثبت کے جملہ طرق کی اجازت عطا فرمائی۔''

''تیسرے شیخ جنھوں نے اس فقیر کو حدیث کی اجازت عنایت فرمائی ہمارے ملک کے مشائخ کے پیشوا شیخ فیض بن عارف وقطب وقت شیخ آدم تتوی ہیں یہ شیخ شیخ حسن عجمی سے اجازت رکھتے ہیں، شیخ عجیمی شیخ عبدالقادر مکی کے بڑے مشائخ میں سے ہیں ان دونوں بزرگوں کی اسانید کا سلسلہ بواسطہ شیخ عجیمی اُوپر جاتا ہے شیخ عبدالقادر دوسرے کئی مشائخ سے بھی روایت کرتے ہیں چوتھا شیخ جس سے یہ فقیر اجازت رکھتا ہے حضرت عارف بن عارف صاحب کشف ومشاہدات شیخ اجل زکی اللہ سرہندی قدس سرہٗ ہیں۔''

اپنے سلسلہ روایت کے ان چار اکابر شیوخ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں: ''شیخ پنجم که فقیرا جازت ازایشاں دارد حضرت ولی الوقت حضرت میاں ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم است'' ترجمہ ''پانچواں شیخ جس سے یہ فقیر اجازت رکھتا ہے حضرت میاں ولی اللہ بن شیخ عبدالرحیم ہیں۔''

مذکورہ عبارت سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچوں اکابر علما سے مخدوم محمد معین کو اجازت عطا ہوئی ہے، لیکن ان شیوخ سے یہ اجازت بالمشافہ (روبرو ملاقات میں) ملی یا خط وکتابت کے ذریعہ اور خاص طور پر شاہ ولی اللہ صاحب کے معاملے میں تو یہ سوال بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مخدوم محمد معین تتوی کے ناقدوں نے مخدوم صاحب کی تالیف دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب کی اس عبارت کو (جس میں شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک ملاقات میں مخدوم محمد معین کو ان کی تحقیق میں منفرد قرار دیا ہے) غلط بتایا ہے اور لکھا ہے کہ وہ سندھ سے باہر ہی نہیں گئے۔ اس لیے پھر یہ تحسین کیسے ہو سکتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ

لیکن یہ ناقدوں کی بے انصافی اور ہٹ دھرمی ہے، مخدوم عبداللطیف ٹھٹوی ذب ذبابات الدراسات کے مصنف مخدوم محمد معین سے بہت چھوٹے ہیں خود مخدوم عبداللطیف کے والد بزرگوار مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی مخدوم محمد معین سے عمر میں چھوٹے ہیں اور آپ ان سے مستفید ہوئے ہیں، جس کا اعتراف اُنھوں نے اپنے ان رسائل میں کیا ہے، جو اُنھوں نے



toobaa-elibrary.blogspot.com

اپنے شیخ مخدوم محمد معین سے اختلاف کرتے ہوئے ردّ میں بطور استفسار لکھے ہیں ان حالات میں اس طرح کی تکذیب نامناسب معلوم ہوتی ہے کیونکہ معاصرین میں سے مخدوم محمد معین صاحب کی کتاب دراسات کی مذکوہ عبارت کی کسی نے تکذیب نہیں کی۔ اس سلسلہ میں ہم یہاں مخدوم محمد معین کے قلمی رسائل سے شاہ ولی اللہ کے ساتھ ان کی ملاقات کے متعلق تصریح پیش کرتے ہیں، موصوف فرماتے ہیں:

"سوا دو شیخ اوّل کہ از ایشاں اجازت بالمکاتبہ است ازیں سہ شیخ اجازت بالمشافہ ومن الاثنین منھم بالمکاتبۃ ایضا حاصل دار درحم الکل برحمۃ واسعۃ وزادنی عمر الخامس ونورنا بنورہ۔"

پہلے دو شیوخ کے علاوہ جن سے اجازت خط وکتابت کے ذریعہ لی ہے باقی تینوں شیوخ سے ملاقات میں اجازت ملی ہے اور اُن میں دو سے اجازت بالمکاتبۃ بھی حاصل ہے اللہ سب پر رحم فرمائے اور پانچویں (شاہ ولی اللہ) کی عمر بڑھائے اور اس کے نور سے ہمیں منور فرمائے۔"

آگے چل کر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سلسلے کے متعلق ایک لطیفہ بھی ذکر فرماتے ہیں:

"از عجائب اتفاقات آنکہ سلسلہ حضرت میاں شاہ ولی اللہ وسلسلہ حضرت میاں زکی اللہ بحضرت قطب الاقطاب مجدد الف ثانی می رسد ومن نعماء اللہ الھنیۃ۔"

یہ عجیب اتفاق ہے کہ میاں شاہ ولی اللہ اور حضرت میاں زکی اللہ دونوں کا سلسلہ حضرت قطب الاقطاب مجدد الف ثانی تک پہنچتا ہے یہ اللہ پاک کی مبارک نعمتوں میں ایک نعمت ہے۔"

اس وضاحت کے بعد تو میرے خیال میں ایک منصف اور محقق کے لیے مخدوم محمد معین صاحب کی شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ ملاقات میں شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

آخر میں وہ لکھتے ہیں: کہ ان روایات کے شیوخ اسانید کا ذکر کرنے کے لیے تو ایک پوری کتاب چاہیے۔ یہاں تبرک کے طور پر صرف دو متصل سندیں لکھی جاتی ہیں۔ ان دو میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

سے سندِ اوّل حضرت شاہ ولی اللہ کے طریقہ کی ہے اور دوسرے شیخ زکی اللہ کے طریقہ کی ہم یہاں پہلے طریقہ کی سند کو ان کے لفظوں میں پیش کرتے ہیں کیونکہ اس میں ''ابنانی'' (مجھے خبر دی) کا لفظ استعمال کیا ہے جو کہ ملاقات کی صورت میں استعمال ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ابنانی وانا الفقیر محمد الملقب بالمعین ابن محمد الملقب بالأمین ستراللہ عیو بهما وغفر ذنوبهما ولی اللہ عبدالرحیم عاملهما اللہ بلطفه الجسیم قال: سمعت الحدیث المسلسل بالاولیة من الثقة الثبت حاجی محمد افضل قال سمعة عن الشیخ عبدالاحد قال سمعة عن ابی الشیخ محمد سعید قال سمعة عن ابی الشیخ احمد السرهندی رضی اللہ عنه ح وسمعة من الشیخ عبداللہ المکی البصری لسنده المذکور۔"

''مجھ فقیر المسمی محمد الملقب معین بن محمد الملقب امین کو (اللہ دونوں کے عیب کو ڈھانکے) ولی اللہ بن عبدالرحیم نے (اللہ دونوں کو اپنے لطفِ عظیم سے نوازے) خبر دی اور فرمایا کہ میں نے حدیث مسلسل باوّلیت کو ثقہ وثت حاجی محمد افضل سے سنا اور اُنھوں نے نے بتایا کہ میں نے اسے شیخ عبدالواحد سے سنا اور اُنھوں نے بتایا کہ میں نے اسے اپنے باپ شیخ محمد سعید سے سنا اور اُنھوں نے بتایا کہ میں نے اسے اپنے والد شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ سے سنا اس روایت کا ایک دوسرا طریقہ سند یہ ہے کہ میں نے حاجی محمد افضل سے سنا اُنھوں نے بتایا کہ میں نے شیخ عبداللہ المکی البصری سے سنا، اس سند سے فی جوان کی مسند میں مذکور ہے۔'' [مجموعہ رسائل مخدوم معین (قلمی) کتب خانہ قاضی محمد مراد سیوہانی]

شاہ صاحب اور مخدوم محمد معین کا آپس میں سلسلہ خط و کتابت بھی تھا، معلوم ہوتا ہے مخدوم محمد معین نے اپنے ایک خط میں شاہ صاحب سے اوّل الاوائل بطریق ابداع اور دوسرے مسائل کے متعلق استفسار کیا ہوگا چنانچہ شاہ صاحب نے مخدوم محمد معین کے نام اپنے مکتوب میں ان مسائل پر روشنی ڈالی ہے، اس مکتوب کی ابتدائی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب مخدوم صاحب کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

"درجواب سوال مخدوم معین از بعض اشکالات تائید الٰهی شامل آں نقاد اقوال



toobaa-elibrary.blogspot.com

الرجال باد۔ عنایت نامه مشکین شمامه ازا موری که عواقب آں ان شاء الله تعالیٰ بخیراست رسیّد فقیر رامخلص صمیمی ودُعا گوئی خلاد ملا تصور فرمائیند جعل الله لکم من کل ضیق مخرجا ......الخ [تفہیماتِ الٰہیه، ج:۱، ص۱۰۹ طبع مجلس علمی]

''مخدوم محمد معین کے بعض علمی اشکالات کے سوال کے جواب میں اس اقوال رجال کے نقاد (مخدوم معین) کے ساتھ اللہ کی تائید شامل حال ہو، مشک جیسی مہکتی خوشبو والا عنایت نامہ (ان حالات کے متعلق جن کی ان شاءاللہ عاقبت اچھی ہے پہنچا اس فقیر کو مخلص صمیم اور خلوت وجلوت میں دُعا گو خیال فرمائیں دُعا ہے کہ اللہ آپکو ہر تنگی سے راہ خلاص عنایت فرمائے۔''

تیسرے سندھی بزرگ محمد شریف بن خیر اللہ بن عبدالغنی سندھی ہیں جو کہ ٹھٹہ کے مضافات اگھم کوٹ کے متوطن تھے۔ باطنی فیض کی پیاس اور طلب نے ٹھٹہ سے دہلی پہنچایا اور وہاں آپ نے شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں سفر سلوک کی تکمیل فرمائی۔

اس سندھی بزرگ کی سوانح حیات کے سلسلہ میں بھی یہاں کے تذکرے خاموش ہیں شاہ صاحب نے اُنھیں خرقہ خلافت کے ساتھ سند مرحمت فرمائی تھی اس سے اس سندھی بزرگ کے کمالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے، یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اُنھیں ارشاد وتلقین کی اجازت دیتے ہوئے جو سند عطا فرمائی تھی، اس کا ترجمہ کردیا جائے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس کی نعمت سے نیکیاں تمام ہوتی ہیں اور جملہ حالات میں اسی کے فضل پر بھروسہ اور مدار ہے۔ سیّدنا محمد اور آپ کی آل واصحاب پر اللہ کی رحمت ہو۔''

حمد اور صلوٰۃ کے بعد بندہ ضعیف اللہ کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدھلوی (اللہ نے اس پر اور اس کے مشائخ اور والدین پر احسان فرمایا) کہتا ہے کہ ۱۱۵۳ھ کے مہینوں میں ہمارے بھائی اللہ کی طرف پہنچنے کے راغب محمد شریف بن خیر اللہ بن عبدالغنی ملک سندھ کے بلدہ ٹھٹھہ کے مضافات اگھم کوٹ کے متوطن طریقہ صوفیہ کی تلاش میں مہاجر بن کر میرے پاس آئے۔ اس سے قبل ایک مدت تک وہ طریقہ صوفیہ کے اعمال، اشغال اور مراقبات



toobaa-elibrary.blogspot.com

کی مزاولت کر چکے تھے اس کے نشیب و فراز سے واقف تھے اور اس علم کے چھوٹے بڑے مسائل کی تفتیش کر چکے تھے۔ میں نے اُنھیں نفس کے لطائف ہر لطیفہ کے مخصوص مقامات اور نسبتیں سب سمجھائیں اور وہ نسبتیں بھی سمجھا دیں جن پر مشہور طرق کا مدار رہا ہے اور اُنھیں یہ بھی سمجھایا کہ راہ سلوک کا طالب ایک لطیفہ سے دوسرے لطیفہ اور ایک نسبت سے دوسری نسبت کی طرف کس طرح منتقل ہوتا ہے اور اسی طرح میں نے اُنھیں (اس علم کے) اہم وقائق سمجھائے۔

میں نے اُنھیں خوارقِ عادات (کرامات) کے ظہور کی کیفیت اور اُن کے دواعی و اسباب بتائے یہ سب چیزیں میں نے اُنھیں اس طرح سمجھا دیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے میرے اُوپر انکشاف کیا اور مجھے سمجھایا تھا اور میں نے اپنے مشائخ سے وراثت میں پایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت فرمائی تھی (میرے سمجھانے کے بعد) وہ اُنھیں مناسب طور پر سمجھ گئے۔ میں نے اپنے میزان (عقل) سے جو میرے پروردگار نے مجھے عطا فرمایا تھا اُنھیں معلوم کرنا چاہا تو میں نے ان کے (فہم کو) درست پایا۔ والحمد للہ۔ اب میں اُنھیں طالبوں کو مختلف طرق صوفیہ کے ارشاد کی اجازت دیتا ہوں، اسی طرح ان کو خرقہ پہنانے، ان کی طرف توجہ کرنے اور اُن کو صحبت سے مستفید کرنے اور خرقہ صوفیہ کی نسبت عطا کرنے کی اجازت دیتا ہوں جس طرح کہ ان کی میرے شیخ، میرے والد میرے آقا، میرے مرجع اور جن پر کہ تمام اُمور میں میرا اعتماد رہا ہے، اُنھوں نے مجھے تلقین کی، ان کی اجازت دی اور مجھے ان کا خرقہ پہنایا۔

اللہ تعالیٰ ان کی رُوح کو راحت عطا فرمائے اور اُنھیں حرمین محترمین کے جملہ مشائخ سے (بھی) جو میرے پاس اجازات ہیں۔ ان سب کی اُنھیں اجازت دیتا ہوں۔ میں نے اُنھیں بتایا کہ سہروردی طریقہ میں ان اذکار اور اوراد پر دوام کرنا اچھا گنا جاتا ہے جو کہ کتاب عوارف المعارف میں مذکور ہیں۔ میں نے اُنھیں یہ بھی بتایا کہ میں نے مدینہ کے ایک شیخ سے سنا ہے کہ ان کے ہاں (سلوک میں) احیا اور قوت القلوب پر عمل پیرا ہونا بہتر سمجھا جاتا ہے۔

میں نے اُنھیں بتایا کہ جتنے بھی (اصفیا) کے طریقے جنید تک پہنچتے ہیں، وہ سب اگرچہ اشغال واذکار اور مراقبات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن تہذیب لطائف اور نسبتوں میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

سب ہم نوا ہیں ہاں بعض نسبتیں ایسی بھی ہیں جن کے طریقے ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں اور تہذیب نفس کی تعبیرات میں بھی کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ جس کا اصلی سبب یہ ہے کہ بعض اصفیا کسی معین اور مخصوص لطیفہ کا نام ذکر نہیں کرتے لیکن اس لطیفہ کی جو مخصوص نسبت ہوتی ہے اس کا اور تہذیب نفس پر اس سے جو اثر مرتب ہوتا ہے (صرف) اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ جس کی ہم ایک مثال بیان کرتے ہیں۔

چشتیہ طریقے والے ملکوت، جبروت اور لاہورت کے مراتب کا ذکر کرتے ہیں۔ اگر کسی کو سرور، انس اور انبیا کی ارواح کے ساتھ اجتماع کی کیفیات (جو کہ تہذیب رُوح کا نتیجہ ہے) حاصل ہوتی ہیں تو ایسے شخص کے حق میں اصفیا یہ کہتے ہیں: فلافتح اللہ علیہ الملکوت یعنی ''فلاں شخص پر اللہ تعالیٰ نے ملکوت کو منکشف کیا'' اور اگر کسی کے لیے لطیفہ خفیہ کے تہذیب کا ثمرہ ''حق کو مخلوق میں دیکھنا اور مخلوق کو حق میں دیکھنا'' واضح ہوتا ہے تو اس وقت ایسے شخص کے لیے یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص پر اللہ تعالیٰ نے مرتبہ لاہوت کو منکشف کیا۔

عبارا تنا شتی و حسنك واحد ۔۔۔۔۔۔ و کل الی ذاك الجمال لیشیر

''یعنی ہماری عبارتیں مختلف ہیں اور تیرا ایک ہی حسن ہے ہر ایک عبارت اسی ایک ہی حسن و جمال کی غمازی کر رہی ہے۔''

اس تفہیم کے آخر میں شاہ صاحب اپنے مرید اور معتقد محمد شریف سندھی کو کچھ وصیتیں فرماتے ہیں:

> ''اب میں اُنھیں خاص ان کے نفس کے لیے ظاہر و باطن میں تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور اس کی بھی کہ وہ سنن اور شرائع کا خیال رکھیں۔ صوفیہ جنیدیہ کے طریقے کے پابند رہیں۔ میں اُنھیں طالبان قرب خدا کے متعلق یہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ شفقت سے پیش آئیں اور اُنھیں نیک کاموں کے کرنے کا کہیں اور برائی سے روکیں اور اُن کو علم حدیث کی روایت کرنے کی رغبت دلائیں۔ والحمدللہ اوّلا و آخرا''
>
> [تفہیمات الٰہیہ، ج ۱، ص ۱۰۲ تا ۱۰۴]

ـــــ[الرحیم: دسمبر ۱۹۶۳ء]

❀......❀......❀



toobaa-elibrary.blogspot.com

# شریعت کا جادہ قویمہ: شاہ ولی اللہ کی نظر میں

شریعت کے لغوی معنی اگرچہ شاہراہ، منہاج اور پانی کا گھاٹ وغیرہ آئے ہیں، لیکن اصطلاحی ...... شریعت سے مراد وہ الٰہی احکامات ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ...... کہ وہ لوگوں کو تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لائے اور اُن کو صراطِ مستقیم کی ...... کرے۔

شریعت...... کے یہ احکامات دو قسم کے ہیں۔

...... یہ کیفیت اعتقاد سے تعلق رکھتے ہیں علم کلام کی تدوین ان احکام کے لیے......۔

...... احکام جن کا تعلق کیفیت عمل سے ہے۔ احکام کی اس دوسری قسم کا نام فرعی...... علم فقہ میں ان ہی احکام سے بحث کی جاتی ہے۔ احکام کی ان دو اقسام کی تفصیل...... کے مختلف طبقوں کا اختلاف رہا ہے لیکن اجمالی طور پر یہ سب فرقے اس پر...... شریعت نام ہے اس قانون الٰہی کا، جس کو پیغمبر اسلام انسانیت کی دینوی و اخروی...... کے لیے اپنے پروردگار کی طرف سے لائے۔ اس لحاظ سے شریعت کے احکام ...... کی اہمیت مسلم ہے۔ اور اکراہ و اضطرار کے علاوہ اس کے ابدی حکم سے انحراف ناروا ہے۔...... ائمہ فقہا کی طرف سے شریعت کے ماخذ اگرچہ چار بیان کیے گئے ہیں۔ یعنی کتاب اللہ، سنت، اجماع اُمت اور قیاس۔ مگر سب نے اصل ماخذ کتاب اللہ کو ہی مانا ہے، گویا نص صریح کے ہوتے ہوئے کسی بھی دوسری دلیل کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ علمائے اسلام میں سے بعض محققین کی تو یہ رائے ہے کہ احادیثِ نبوی کا ایک حصہ خود قرآن مجید سے ہی مستنبط اور اس کے لیے بمنزلہ وشرح کے ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ایک جگہ حدیث کے علوم کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ومن علومه تفسير القرآن والاستنباط منه وهو اعظم العلوم وسنورد عليك منه كفافا۔“



toobaa-elibrary.blogspot.com

"امر اللّٰه سبحانه باشیاء مطلقة كالصلوة، والزكوٰة، و كقوله: سبح اسم ربك الاعلى، وسبح بحمدربك وغير ذلك فوقتها رسول اللّٰه ﷺ باوقات معينة، وامر اللّٰه بامور كقوموا و كبروا اتل ما وحى اليك، وار كعوا و اسجدوفبين رسول اللّٰه ﷺ افهاار كان الصلوٰة۔"

''اور حدیث کے علوم میں سے ایک علم قرآن کی تفسیر اور اس سے احکام کا استنباط ہے اور یہ بہت بڑا علم ہے ہم اس سے یہاں کچھ ذکر کرتے ہیں۔''

''(مثلاً) اللہ پاک نے چند اشیا کے متعلق اجمالی حکم فرمایا ہے جیسے نماز، زکوٰۃ اور جیسے یہ قول باری تعالیٰ کہ تو اپنے بلند پروردگار کے نام سے تسبیح پڑھ اور اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کہہ۔ اسی طرح دوسری کئی آیات ہیں۔ اس کے بعد پیغمبر علیہ السلام نے اس کے لیے اوقات معین فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے قیام، تکبیر، تلاوت قرآن رکوع اور سجدہ کا حکم فرمایا ہے، پیغمبر علیہ السلام نے ان کو اس طرح بیان فرمایا کہ ان سب احکام کو نماز کے ارکان بتائے۔''

اسی جگہ آیاتِ قرآنی کی چند دوسری مثالوں کے ذکر کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"ونحن قد تتبعتا جميع ما وصل الينا من الاحاديث الواردة فى كتاب الصلوة فوضح لنا اذها مستنبطة كلما من كتاب اللّٰه سبحانه وتعالىٰ استنباطا حكيماو عسىٰ ان نحيطه فى رسالة منفرذة۔[الخیر الکثیر (عربی) مطبوعہ مجلس علمی،ص۸٦]

''اور کتاب الصلوۃ میں جتنی احادیث وارده ہمیں ملی ہیں، ان میں غور وفکر کرنے کے بعد ہمیں یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ سب احادیث حکمی استنباط کے ساتھ کتاب اللہ سے ماخوذ اور مستنبط ہیں اور ہم اس موضوع پر ایک جامع اور مستقل رسالہ لکھنے کا خیال رکھتے ہیں۔''

پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی کے اوائل میں جب اسلامی حکومت کا دائرہ وسیع ہوا۔ اور اس کے ساتھ نئے واقعات ومسائل بھی درپیش آئے تو اُمتِ محمدیہ کا ایک طبقہ جن کو ''مجتہدین'' کہا جاتا ہے، اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنھوں نے اپنی علمی کوششیں شروع کیں، ان کو

toobaa-elibrary.blogspot.com

احکام کی علل تلاش کرنا پڑیں، جنھیں شارع علیہ السلام نے بصراحت یا بدلالت بیان فرمایا تھا۔ اس سلسلہ میں شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"ان من جملة احکام الشرع انه صلی الله علیه وسلم عهد الی امته صریحا اودلالة انه متی اختلف علیهم نصوصه او اختلف علیهم معانی نص من نصوصه فهم ماموورون بالاجتهاد استفراغ الطاقة فی معرفة ماهو الحق من ذلك۔" [عقد الجید، مطبوعہ مجتبائی، ص ۳۰]

"من جملہ احکام شریعت کے ایک یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی اُمت کو بصراحت یا بدلالت یہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ان میں آپ کے منصوص احکام کے بارے میں اختلاف ہو۔ یا آپ کی نصوص میں سے کسی نص کے معنی میں وہ باہم مختلف ہوں تو ان کو حکم ہے کہ اجتہاد کریں اور اُن اختلافی احکام اور معانی میں سے اَمرِ حق معلوم کرنے میں خوب طبیعت کا زور لگائیں۔"

یہی وجہ ہے کہ جمہور علما کی یہ متفقہ رائے ہے کہ جس حکم شرعی کو مجتہد اپنی کوشش اور اجتہاد سے استنباط کرتا ہے، وہ شارع علیہ السلام کی طرف منسوب ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ آنحضرت ﷺ کے الفاظ مبارکہ سے لیا گیا ہو، یا وہ اس علت کی طرف منسوب ہو جو آنحضرت ﷺ کے اقوال سے ماخوذ ہے۔

شاہ صاحب کے الفاظ میں اسے یوں زیادہ صراحت سے بیان کیا گیا ہے۔

"کل حکم یتکلم فیه المجتهد باجتهاده منسوب الی صاحب الشرع علیه الصلوات التسلیمات اما الی لفظه او الی علة ماخوذة من لفظه۔" [عقد الجید، ص ۲۹]

"جس حکم میں مجتہد اپنے اجتہاد سے گفتگو کرتا ہے، وہ شارع علیہ الصلوات والتسلیمات کی طرف منسوب ہوتا ہے خواہ آپ کے الفاظ مبارکہ کی طرف منسوب ہو یا اس علت کی طرف جو آپ کے الفاظ سے لی گئی ہے۔

جب ان مجتہدین کی مساعی جمیلہ سے شریعت کے مسائل اور احکام مدوّن ہو چکے، تو ان سے بلاضرورت باہر جا کر کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنا فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔ شاہ صاحب



toobaa-elibrary.blogspot.com

نے ان مجتہدین کے مذاہب اختیار کرنے کی تاکید اور اُن کو چھوڑنے اور اُن سے باہر جانے کی ممانعت کے بارے میں ایک جگہ ایک باب باندھا ہے۔ جس کے شروع میں وہ فرماتے ہیں:

"اعلم ان فی الاخذبهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظيمة وفی الاعراض عنها كلها مفسدة كبيرة ونحن نبين ذلك بو جوه۔ [عقد الجيد، ص ۳۱]

"جاننا چاہیے کہ ان چاروں مذہبوں کے اختیار کرنے میں ایک بڑی مصلحت ہے اور اُن سب کے سب سے روگردانی کرنے میں بڑا فساد ہے اور ہم اس بات کو کئی وجہوں سے بیان کرتے ہیں۔"

شاہ صاحب نے ان وجوہ کی تفصیل کے بعد علامہ ابن حزم اندلسی پر تقلید کو حرام قرار دینا مبسوط ردّ فرمایا ہے۔ اسلام کے اوائل دور سے لے کر تیسری اور چوتھی صدی تک شریعت کے بارے میں بڑا اہتمام رہا اور اس سلسلے میں اجتہادی رنگ کی تعلیم بھی جاری رہی۔ آنحضرت ﷺ بنفس نفیس صحابہ کرام کو دینی مسائل کی علمی اور عملی تعلیم فرماتے تھے۔ آپ کے چھ صحابہ تو ایسے عظیم مجتہد اور قانون شریعت کے بڑے عالم نکلے کہ آپ کے عہد مبارک میں بھی وہ فتوے دیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ جب اللہ کو پیارے ہوگئے تو دوسرے صحابہ ان فقہا صحابہ ہی کی طرف شرعی مسائل میں رجوع کرتے تھے۔ پھر تابعین نے صحابہ سے شریعت کی تعلیم حاصل کی۔ اور اس طرح یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا۔

مدینہ منورہ چونکہ مہبط وحی تھا۔ پھر تیسرے خلیفہ حضرت عثمانؓ کے آخری دور تک جمہور صحابہ کا مسکن اور مقر مدینہ طیبہ ہی رہا اس لیے مدینہ منورہ کے کئی تابعی بزرگوں نے فقہ وحدیث کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے جو متعدد روایتیں اور اقوال منقول تھے ان کو جمع کرنے کی کوشش کی مدینہ منورہ میں سات فقہا ایسے ہوئے جنھوں نے فقہ میں عظیم مرتبہ حاصل کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اگرچہ صحابی تھے لیکن اپنے والد فاروق اعظم کے فیصلوں کے متعلق فقہائے سبعہ میں سے ایک فقیہہ سعیدؒ بن میسّب سے دریافت کرتے تھے، کیونکہ سعید بن میسّب کو صحابہ کے فیصلوں پر بڑی دسترس تھی۔ [مقالات الکوثری، مطبوعہ مصر، ص ۱۳۰] ان سات فقہا کے علوم اور مسائل امام مالک کے اساتذہ اور مشائخ تک پہنچے، جن کو امام دارالہجرہ مالک نے جمع



toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا اور ترتیب دے کر لوگوں کے سامنے پیش کیا، اس طرح یہ مذہب ان کی طرف منسوب ہوا جس کو بڑے بڑے علما دلائل کی بنا پر قرناً بعد قرن مانتے آئے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"لانها (ای المدینة) ماویٰ الفقهاء و مجمع العلماء فی کل مصر ولذلك تری مالکایلا زم محجتهم۔" [حجة الله البالغة، طبع مصر ص ۱۴۵]

''اور یہ اس لیے کہ مدینہ طیبہ ہر عہد اور ہر زمانہ میں فقہائے اسلام اور علما کا ملجا و ماویٰ اور مرکز رہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ امام مالک ان کے طریق کو نہیں چھوڑتے۔''

باقی مذاہب کو بھی اسی پر قیاس کر لیجیے۔ مثلاً کوفہ جس کی بنیاد حضرت فاروق اعظمؓ نے رکھی اور اُن کے ارشاد کے مطابق عرب کے مختلف قبائل وہاں بسائے گئے اور جن کی تعلیم کے لیے فاروق اعظمؓ نے عبداللہؓ بن مسعود کو کوفہ کی طرف یہ کہہ کر روانہ فرمایا: ''اے اہلِ کوفہ! عبداللہ بن مسعودؓ جیسے فقیہہ کی تو مجھے بھی ضرورت تھی لیکن میں اپنے اُوپر تمھیں ترجیح دے کر اسے تمھاری طرف بھیج رہا ہوں۔''

جملہ کتبِ حدیث اور کتبِ طبقات عبداللہؓ بن مسعود کی عظمت شان سے مملو ہیں آپ کے مخصوص تلامذہ میں سے علقمہ بن قیس، اسود بن یزید، عمرو بن میمون، ربیع بن خثیم اور مسروق شمار کیے جاتے ہیں بہت زیادہ مستفید ہوئے اور یہ سب بالعموم اور علقمہ بالخصوص حضرت ابن مسعود کے فیضِ صحبت سے بہت زیادہ مستفید ہوئے۔ بقول علامہ ذہبی یہ کسی دوسرے صحابی کو علم میں ان پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔ [تذکرہ الحفاظ، طبع دائرہ المعارف حیدر آباد، دکن، ج ۱، ص ۱۴]

عبداللہ بن مسعودؓ خلافت فاروق اعظمؓ سے لے کر حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری دور تک کوفہ میں فقہ اور شریعت کی تعلیم دیتے رہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شہر کوفہ فقہا سے بھر گیا اور جب حضرت علیؓ نے اپنے دارالسلطنت کو کوفہ کی طرف منتقل کیا تو کوفہ میں فقہا کی کثرت کو دیکھ کر بڑے خوش ہوئے اور فرمانے لگے: ''رحم الله ابن ام عبد (ابن مسعود) قدملاء هذا القریة علماً۔'' ترجمہ: ''اللہ ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود) پر رحمت فرمائے۔ تحقیق اس نے اس شہر کو علم سے مالا مال کر دیا ہے۔''



toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے بعد سیّدنا علیؓ کے علوم سے بھی اہلِ کوفہ مستفید ہوتے رہے۔ پھر تو یہ شہر کثرتِ فقہا محدثین ومفسرین اور علوم لغتِ عربیہ کے لحاظ سے جملہ بلادِ اسلامیہ میں بے مثال شہرت کا مالک بن گیا۔ اوراس کے حضرت علیؓ کے دارالخلافت بننے سے بڑے بڑے فقہانے اس میں سکونت اختیار کی اوراس شہر کی علمی وقعت بہت بڑھ گئی۔ صرف کوفہ میں بروایت عجلی پندرہ سو صحابہ کرام نے سکونت اختیار فرمائی تھی۔ اوروہ صحابہ ان کے علاوہ ہیں جو کوفہ کے گردونواح یا عراق میں سکونت پذیر ہوئے۔

اب اگر سیّدنا علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کے تلامذہ کی فہرست تیار کی جائے تو اس کے لیے ایک ضخیم دفتر چاہیے یہ سب ائمہ حدیث کے ہاں مسلم ہے کہ صحابہ کرام عبداللہ بن مسعودؓ کو آنحضرت ﷺ کی سیرت سے مشابہ رکھنے والے سمجھتے تھے۔ بالکل اسی طرح ابن مسعودؓ کے مخصوص شاگرد علقمہ کے متعلق تابعین کی یہ رائے تھی کہ وہ عبداللہ بن مسعودؓ کی سیرت کے حامل ہیں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ان تلامذہ کی تعلیم اور تربیت سے ابراہیم نخعی، ابواسحاق سبیعی اعمش اور منصور جیسے ائمہ پیدا ہوئے۔

حافظ ذہبی، ابوداؤد سجستانی کے تذکرے میں بعض ائمہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سیرت میں علقمہ سے مشابہت رکھتے تھے۔ علقمہ عبداللہ بن مسعودؓ سے اور عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے۔ نقادان حدیث نے تو ابراہیم نخعی کے مراسیل کو بھی صحیح مانا ہے۔ امام شعبی کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ رائے بھی سن لیجیے۔ ''ھو احفظ اھا منی وان کنت قد شھد تھا مع رسول اللہ ﷺ۔'' ترجمہ: ''یعنی شعبی مغازی کو مجھ سے زیادہ یادرکھنے والا ہے اگرچہ میں ان مغازی میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا۔''

اس جماعت فقہا کی صحبت اور تربیت سے امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے ان فقہا کے آثار کو امام ابوحنیفہ کے دو بڑے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد نے جمع کیا اور کچھ آثار مصنف ابن شیبہ میں مدوّن ہوئے۔ امام ابوحنیفہ نے اس طریقہ میں ایک اور تحقیقی اضافہ کیا اور وہ یہ کہ ان ائمہ فقہا کے آرا اور علوم کو چالیس تلامذہ (جو کہ بذات خود بہت بڑے فقہا تھے) کی مجلس شوریٰ

toobaa-elibrary.blogspot.com

کے سامنے بحث و تمحیص کے لیے رکھا اور بحث و تحقیق کے بعد جو رائے متفقہ یا کثرت رائے سے منظور کی جاتی تھی اس کو مدوّن کیا جاتا تھا۔ اور پھر یہ سب آرا امام محمد کی کتب ظاہر الروایۃ میں مدوّن ہو گئیں۔

خطیب بغدادی ابن کرامہ کی سند سے لکھتے ہیں کہ ہم ایک دن وکیع کے ہاں بیٹھے تھے کہ ایک شخص نے کسی مسئلے کے متعلق یہ کہا کہ ابو حنیفہ نے اس میں خطا کی۔ یہ سن کر وکیع فرمانے لگے کہ ابو حنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ابو یوسف اور زفر جیسے قیاس کے ماہر تھے یحییٰ بن ابی زائدہ اور حفص بن غیاث جیسے حفاظ حدیث تھے قاسم بن معن جیسے لغت عربیہ کے ماہر تھے اور داود ضائی اور فضیل بن عیاض جیسے زاہد اور متورع تھے جس شخص کے اس قسم کے، ہم نشین ہوں وہ خطا نہیں کریں گے اور اگر خطا کرتے تو یہ سب اس کی تردید فرماتے۔

[تاریخ بغداد، ج ۱۴، ص ۲۴۷] امام ابو حنیفہ کے بعد امام شافعی آتے ہیں۔ انھوں نے مدینہ طیبہ اور کوفہ کے علوم کے ساتھ مکہ مکرمہ کے علوم کو ملا دیا۔ امام شافعی نے مکہ کے علوم کو مسلم بن خالد سے حاصل کیا۔ انھوں نے ابن جریج سے اور ابن جریج نے عطا سے اور عطا نے ابن عباسؓ سے یہ علوم حاصل کیے۔ یہاں تک تو ائمہ اہلِ سنت کے مذاہب فقہ کے متعلق مختصر عرض کیا گیا ظاہر ہے کہ جملہ مذاہب فقہ قرآن و سنت سے استدلال کرتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں ہر ایک امام کا طرز استنباط دوسرے سے الگ ہے اس میں طبائع اور خطوں کے اختلاف کو بھی بڑا دخل ہے، جس کی علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں تصریح فرما دی ہے، لیکن آج کا دوران اختلافات اور اُمت کے تشتت وافتراق کا متحمل نہیں ہو سکتا چاہے ہم نئے دور کے تقاضوں سے کتنی ہی چشم پوشی کریں اور اُن سے آنکھیں بند کر لیں اور کوشش کریں کہ انھیں نہ دیکھیں لیکن حقیقت اپنی جگہ حقیقت ہوگی اور ہماری اس چشم پوشی سے قوم کا نوجوان طبقہ کبھی مطمئن نہیں ہوگا، یہی وجہ ہے کہ طبقہ علما سے بصیرت اور غائر نظر رکھنے والے علما نے اس ضرورت کو محسوس کیا ہے، ہمارے بزرگ دوست اور وقت کے محدث مولانا محمد یوسف صاحب بنوری نے اس سلسلے میں پہل فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ خیر الجزاء۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ ولی اللہ صاحب کی مولفات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ موصوف اپنے دور میں ان اختلافات سے خوش نظر نہیں آتے اور جیسے موصوف نے تصوف کے مختلف مشارب میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش فرمائی۔ اسی طرح فقہی اختلافات کو کم کرنے کے لیے بھی وہ بڑے کوشاں تھے۔ آپ کی تصنیفات میں تطبیق کا یہ پہلو اکثر نظر آئے گا، اس لیے آپ کو شریعت کے جادہ قویمہ کے تعین کے لیے بھی سوچنا پڑا اور آپ نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور تالیف تفیہمات الھیہ میں جو تحقیق فرمائی ہے اس کو ہم قارئین کے لیے پیش کرتے ہیں۔ یہاں طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے اصل عبارت کو چھوڑ کر صرف ترجمہ پر اقتصار کیا جاتا ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

دُنیا کا مختلف طرق اور مذاہب میں بٹ جانا اور اُمت کا گروہ در گروہ ہونا ایک ایسا بڑا سانحہ ہے جس نے اُمت کے عوام اور خواص کو ڈرا دیا ہے۔ بعض اہل اللہ پر فقہائے اسلام کے ہر قول کا ارتباط شریعتِ محمدیہ سے منکشف تو ہوا لیکن اس کے لیے اس جادہ قویمہ کا انکشاف نہ ہوا جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے منکشف کیا۔ اور اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوئے۔ (اصل میں) جس کو یہ طریقہ ہاتھ آیا، اس نے حظ وافر پایا اور جس نے اس کو نہ پایا وہ اس حظ وافر کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوا۔ اگرچہ تکلیف اُٹھانے کی وجہ سے وہ بھی ماجور ہوگا۔ اس قسم کے اہل اللہ فقہا کے بعض اقوال کو بعض پر ترجیح دینے کے بارے میں خاموش رہے اور مختلف اقوال کے درمیان تطبیق دینے کی یہ صورت نکالی کہ اختلاف کو عزیمت اور رخصت پر متحمل کیا (اور یہ کہا کہ) جو شخص عزیمت کی ادائیگی پر قوت رکھتا ہے تو عزیمت پر عمل کرے اور جس کی قوت جسمانی یا قوت رُوحانی اس کا تحمل نہیں کر سکتی تو وہ رخصت کو اختیار کرے۔ شعرانی نے (اپنی کتاب) میـــــزان میں اس کو مفصل بیان کیا ہے اور شعرانی سے پہلے اس اصل اور قاعدے کی طرف شیخ محی الدین محمد بن علی بن عربی نے سبقت فرمائی ہے۔

کچھ اہل اللہ ایسے بھی گزرے ہیں کہ ان کو شریعت کا وہ جادہ قویمہ نظر آیا جو کہ ظاہر شریعت کی طرف رہنمائی کرتا ہو اور وہ طریقہ جس کو جمہور مسلمانوں نے کبار تابعین سے اور تابعین نے کبار صحابہ سے اور صحابہ نے آنحضرت ﷺ سے اس طرح حاصل کیا ہے جیسے کوئی چیز

toobaa-elibrary.blogspot.com

ہاتھ کے ذریعہ لی جائے۔ یا اگرچہ وہ بعینہ متوارث نہ ہو، لیکن متوارث سے قوی مشابہت رکھتی ہو اور ایسے شخص کو اہل الرائے کے مذاہب کناروں کی طرح نظر آئے پھر اس بحث کنندہ متکلم دین کی نصرت اور اس سے مدافعت کا خیال کرتے ہوئے (اپنے زعم میں) راجح کو ترجیح دیتے رہے۔ یہ طریقہ اکثر محدثین کا ہے، اُنھوں نے اس میں بڑی سعی فرمائی۔

کچھ اہل اللہ ایسے بھی ہیں جن کو (مذکورہ) دونوں باتوں پر اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے سب مذاہب کو اس طرح مانا کہ سب شریعت کے دائرہ میں داخل ہیں اور اُن پر عمل کرنے کی دین میں گنجائش ہے مگر ان میں سے فضیلت جادہ قویمہ کو ہے اور یہی طریقہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامل طور پر مرضی اور پسندیدہ ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''میرے اُوپر اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ مجھے اس نے تیسری جماعت میں سے بنایا۔ اور میرے لیے شریعت کی اصل اور بتیان کو منکشف فرمایا۔ یہ بتیان وہی ہے جو آنحضرت ﷺ کو حاصل تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''لتبین للناس مانزل الیھم '' یعنی تم لوگوں سے اس کو بیان کرتے رہو جو کہ لوگوں کی طرف اُترا ہے۔''

اس کی مثال (اس طرح سمجھئے کہ) اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ ''اقیمو الصلوٰۃ واتوالز کوٰۃ '' یعنی نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ دیا کرو۔ اقامت کا لفظ ''قامت السوق '' کے عربی محاورے سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں بازار لگ گیا۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب بازار میں خرید و فروخت شروع ہو جائے۔ اس سے یہاں مقصد ہے رواج اور اشاعت۔ آنحضرت ﷺ نے اس مقصد ترویج کو اس طرح بیان فرمایا کہ اوقاتِ نماز کی تعین فرمائی رکعات نماز کے عدد بتلائے، صف (یا ہئیت) نماز کی تعلیم فرمائی۔ اذان کو شروع فرمایا۔ جماعت سے نماز پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ مساجد کی تعمیر اور اُن میں حاضر ہونے کو مستحب قرار دیا۔ یہ تمام چیزیں ''اقامت صلوۃ '' کی بتیان اور تفسیر ہیں۔ اگر اس طرح واضح اور مفصل بیان نہ ہوتا تو ہم اس کو بھی سمجھ نہ سکتے اسی طرح زکوٰۃ دینے کو اس طرح بیان فرمایا کہ نصاب کی تعین کی اور مقدار واجب، جنس واجب اور دوسری چیزوں کو واضح فرمایا۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے بعد پھر اس بتیان اور تفسیر کی وضاحت اور تفسیر صحابہ اور تابعین کی طرف سے ہوئی۔اسی کی طرف آنحضرت ﷺ نے اس طرح اشارہ بھی فرمایا۔اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔یعنی میرے بعد ابو بکرؓ اور عمرؓ کی پیروی کریں اور یہ فرمایا: ''اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم''۔''میرے صحابہ ستاروں کی طرح (روشن) ہیں جس کسی کی پیروی کروگے تو راستہ پاؤ گے۔'' اس کی مثال یوں سمجھئے کہ آنحضرت ﷺ نے سفر میں نماز کو قصر فرمایا۔سفر ہمارے ہاں مبہم چیز تھی۔حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے عمل سے اس کی وضاحت ہوگئی کہ وہ چار بردیا منازل سے عبارت ہے۔

اس کے بعد پھر قدمائے مجتہدین کے ہاتھوں اس کی وضاحت اور اس کے اُصول اور فروع کی تدوین ہوئی۔جس کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ الایة﴾ اس آیت میں صرف تین اعضا کے دھونے اور چوتھے کے مسح کا ارشاد ہے۔یعنی چہرہ ہاتھ کہنیوں تک اور پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جائے اور سر کا مسح کیا جائے۔اب مجتہدین نے اس میں اس طرح بحث کی کہ غسل کے معنی ہیں صرف پانی کا بہانا یا اس میں دلک بھی شرط ہے اور وجہ یا چہرے کی حدّ فلاں جگہ سے فلاں تک ہے اور ''الی المرافق'' کے معنی ہیں ''مع المرافق'' یعنی کہنیوں کے ساتھ اور مسح میں صرف مسح کا نام کافی ہے اگر چہ یا دو بال پر ہو یا ربع راس (چوتھائی سر) یا پورے سر کا مسح ضروری ہے (اس طرح یہ مذاہب وجود میں آئے)۔اس کے بعد ہر مذہب کے پیروکار متاخرین فقہائے ائمہ مذاہب کے قواعد کو سامنے رکھ کر ان سے دوسرے مسائل کی تخریج کی اور اُن مذاہب کی شرح بیان فرمائی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔میرے لیے یہ تمام چیزیں جس طرح نفس الامر میں اپنی ترتیب سے واقع ہیں، اس طرح واضح کی گئی ہیں جیسے کہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اور دین میں جو بھی کچھ کہا گیا ہے اس کو میں نے بالواسطہ یا بلا واسطہ اصل شریعت میں پایا۔(مذاہب کے) اس اختلاف کے متعلق یہ گفتگو کتنی صادق آتی ہے کہ اس کی مثال ایک درخت کی ہے جس سے بڑی بڑی ٹہنیاں پھوٹیں۔پھر ان ٹہنیوں سے دوسری چھوٹی ٹہنیاں نکلیں اور


toobaa-elibrary.blogspot.com

ٹہنیوں پر پتے اور پھول نکل آئے۔ یا اس کی مثال ایک ایسے پانی کے چشمے کی ہے جس سے بڑی نہریں نکلیں اور بڑی نہروں سے دوسری چھوٹی چھوٹی نہریں نکلیں اور اُن چھوٹی نہروں سے برتنوں کو بھرا گیا۔ اور اس سے زمین بھی سیراب ہوگئی۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں: (کہ جادہ قویمہ کے سلسلہ میں) میرے لیے شاہراہ اور وسط طریق کا بھی انکشاف ہوا، جس کی رات (بھی) اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ اس کا اوّل آخر کی طرح ہے اور اُن مخفی اور مٹے ہوئے آثار کے راستے بھی معلوم ہوئے جن پر چل کر آنحضرت ﷺ اور اُن کے صحابہ کے راستے تک کبھی رسائی نہیں ہوتی۔ جب تک رائے سے کام نہ لیا جائے اور اوہام اور ایسے شخص کی تقلید کے بارے آزاد نہ ہو، جو خطا اور ثواب کا حامل ہے اور اس کے صحیح اور مخطی قول سے تخریج ہوتی ہو۔ ہوسکتا ہے کہ جب رائے سے کام لیا جائے اور اوہام اور ایسے شخص کی تقلید کا بوجھ اُٹھایا جائے جو خطا اور ثواب کا صاحب ہو اور پھر مصیب اور مخطی کے قول پر تخریج کا بوجھ اُٹھانا پڑے۔ میرے لیے اس رائے کی حقیقت بھی منکشف کی گئی جس کی سلف نے مذمت کی ہے۔ اور چند فقہا کو اس کی طرف منسوب کیا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ اُنھیں شارع علیہ السلام کی جانب سے اُمت مرحومہ کے اختلافات دور کرنے کا رُوحانی القا ہوا تھا، مگر اس کے ساتھ ساتھ جہاں تک فقہی فروعات کا تعلق ہے، آپ، آپ کی اولاد اور آپ کے تربیت یافتہ تلامذہ سب کے سب ان اُمور میں امام ابوحنیفہ کے پیرو تھے، لیکن اس ضمن میں ان کے طریقے میں وہ جمود نہیں تھا، جو آج کل پایا جاتا ہے اور یہ کہ شاہ صاحب کے بتائے ہوئے جادہ قویمہ پر ان کا عمل تھا میرے اس مدعا کے پہلے جزو کے اثبات کے لیے فیوض الحرمین کی مندرجہ ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

"ان النبی ﷺ نفخ الی نفحة اخری فبین ان مراد الحق فیك ان یجمع شملا من شمل الامة المرحومة بك وایاك أن تخالف القوم فی الفروع۔" [فیوض الحرمین، ص۶۲، طبع احمدیہ متعلق مدرسہ عزیزیہ دہلی]

''نبی ﷺ کی طرف سے (ایک رُوحانی سوال کے جواب میں) ایک اور خوشبو آئی اور



toobaa-elibrary.blogspot.com

ظاہر ہوا کہ یہ حق تعالیٰ کی مراد ہے کہ تیرے ذریعہ اُمت مرحومہ کے تشتت کو دور کرے اور خبردار فروع میں کبھی قوم کا مخالف نہ ہونا۔‘‘

شاہ صاحب حنفی مذہب فقہ کی تقلید میں جمود کے امکان کو اپنے تجویز کردہ جادہ قویمہ کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش فرماتے ہیں۔ اوراس کے ساتھ ہی ایک مکاشفے میں فقہ حنفی کے ساتھ سنت کی تطبیق کا ایک نمونہ پیش کر کے فقہی تقلید کے حامیوں کے لیے غور وفکر کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

’’ثم كشف لى أنموزجا ظهرلى منه تطبيق السنة بفقه الحنيفة من الا خذ يقول احدالثلاثة وتخصيص عموما تهم والوقوف على مقاصد هم والا قتصار على مايفهم من لفظ السنة وليس فيه تاويل بعيد ولا مترب بعض الاحاديث بعضا ولا رقضالحديث صحيح بقول احد من الائمة وهذه الطريقه إن أتمها الله واكلهما فهى الكبريت الاحمر والا كسير الاعظم۔‘‘ [فیوض الحرمین،ص۶۲،۶۳]

’’پھر میرے لیے ایک اور نمونے کا انکشاف کیا جس سے فقہ حنفی سے سنت کی تطبیق کا راستہ کھل گیا (جو یہ ہے) کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ ابو یوسف اور محمد) میں سے کسی ایک کے قول کو اختیار کیا جائے۔ اوراُن کے عمومات کی تخصیص اوراُن کے مقاصد پر وقوف کے بعد سنت کے ظاہر الفاظ سے جو مفہوم ہوتا ہے، اس پر اقتصار کیا جائے۔ اس میں نہ تو بعید تاویل کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ بعض احادیث کا بعض سے ٹکراؤ ہوتا ہے اور نہ کسی ایک امام کے قول کے لیے صحیح حدیث کو چھوڑنا پڑتا ہے اس طریقے کو اگر اللہ تعالیٰ پورا اور کامل کرے تو کبریت احمر اور اکسیر اعظم ہے۔‘‘

اس تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ احناف میں سے جس کا قول صحیح حدیث کے موافق ہو، اس کو اختیار کیا جائے۔ اوراسے اپنا فقہی مذہب قرار دیا جائے۔ اس طرح کسی امام کے قول کے لیے صحیح حدیث نہیں چھوڑنی پڑے گی۔ فقہی تقلید کے سلسلے میں شاہ صاحب اپنے زمانے کے عوام کی حالت بیان کرتے ہوئے تفہیمات الٰہیہ میں فرماتے ہیں:

آج کل تمھیں عوام کی یہ حالت دیکھنے میں آئے گی کہ اُنھوں نے متقدمین کے مذاہب



toobaa-elibrary.blogspot.com

فقہ میں سے کسی ایک امام کے مذہب سے اپنے آپ کو ایسا وابستہ کر رکھا ہے، کہ اگر کوئی اس (مخصوص) مذہب کو اس کی تقلید کے بعد چھوڑ دے چاہے وہ چھوڑنا ایک مسئلے ہی میں کیوں نہ ہو، اس کو وہ دین و اسلام سے نکلنے کے مترادف خیال کرتے ہیں۔ اس سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ جس کی تقلید کی جارہی ہے وہ (ان کے خیال میں) ان کی طرف ایک نبی مرسل ہے، جس کی کہ اطاعت ان پر فرض کی گئی ہے۔

چوتھی صدی ہجری سے قبل اُمت کے اوّلین لوگ (فقہا میں سے) کسی ایک مذہب کے پابند نہ تھے۔ ابوطالب قوت القلوب میں لکھتے ہیں: کہ کتابوں کے مجموعے سب نئی چیزیں ہیں، لوگوں کے اقوال کو (سند میں) پیش کرنا، ان میں سے کسی شخص واحد کے قول پر فتوے دینا ہر شے میں اس کے قول کو حجت جان کر اس کو نقل کرنا اور اس کے مذہب پر تفقہ حاصل کرنا، یہ پہلے لوگوں کا طریقہ نہ تھا۔ پچھلے دور کے عوام کا یہ دستور تھا کہ وضو، غسل، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، نکاح، بیع اور دوسرے روزمرہ کے پیش آنے والے اُمور کے احکام کو اپنے آبا ؤ اجداد اور اپنے شہر کے اساتذہ سے سیکھتے تھے۔ اور جب کوئی نیا واقعہ ان کو پیش آتا تھا تو مفتیوں کی طرف رجوع کرتے تھے، چاہے وہ مدینہ کے مفتی ہوں یا کوفہ کے، وہ ان کے فتووں پر عمل کرتے تھے۔ (باقی) ان میں سے خواص لوگ جو کہ حدیث کے اصحاب و حامل تھے اور جاننے والے تھے، وہ ان مسائل میں جو احادیث اور آثار سے واضح طور پر معلوم ہوتے تھے۔ صرف شارع علیہ السلام کی تقلید کرتے تھے اور جہاں ان کے بارے میں اُنھیں واضح حدیث نہ ملتی تھی وہ ان میں دوسرے ائمہ کے اقوال اور آرا کی اس وقت تک پیروی کرتے جب تک ان کو حدیث سے ان کے متعلق کوئی واضح دلیل نہ مل جاتی۔ خواص میں سے جو لوگ تخریج مسائل کے اہل ہوتے تھے، وہ فقہا میں سے کسی فقیہہ کے قول منصوص یا بصورت عدم قول منصوص، اس کے بتائے ہوئے قواعد پر مسائل کی تخریج کرتے تھے۔

بعض اہلِ کشف ایسے بھی گزرے ہیں کہ جب لوگوں نے (فقہا کے) مذاہب کی تقلید کو اختیار کیا تو وہ کسی ایک مذہب کی پابندی کے خلاف تھے، جیسے کہ شیخ ابن عربی، اُنھوں نے



toobaa-elibrary.blogspot.com

فتوحات مکیہ اور اپنی دوسری تالیفات میں لکھا ہے کہ بندہ اپنے (فکری) ارتقا کے دوران ان لوگوں کے مقامات سے گزرتا ہے جو فقہا میں سے کسی ایک مذہب کی پابندی کرتے ہیں۔ وہ اپنے اس ارتقا میں اس منبع اور سرچشمہ کو پالیتا ہے جہاں سے مقلد کے امام نے اپنے اقوال حاصل کیے تھے۔ وہاں وہ دیکھتا ہے کہ جمیع ائمہ کے اقوال اس ایک ہی سمندر سے چلو بھرتے ہیں۔ (ایسی حالت میں) اس سے کسی ایک مخصوص مذہب کی پابندی اور تقلید چھوٹ جاتی ہے اور وہ اپنی سابقہ رائے کے خلاف سب مذاہب کو یکساں اور مساوی خیال کرتا ہے، (اہلِ مکاشفہ میں سے) بعض اس لیے (کسی خاص فقہی مذہب کی) پابندی کرتے ہیں تاکہ عوام میں اختلافات پیدا نہ ہو یا اُنھیں خواب میں بعض مذاہب کے متعلق کچھ جہات مرجح نظر آتے ہیں اس لیے وہ اس کی تقلید کو اختیار کر لیتے ہیں۔

بعض نقاد علما ایسے بھی گزرے ہیں ڈ کہ اپنے عمل میں یا دوسروں کے لیے فتاویٰ دینے میں کسی خاص مذہب کے پابند نہ تھے جیسے کہ ابو محمد جوینی۔ اُنھوں نے محیط نامی ایک کتاب لکھی ہے جس میں اُنھوں نے کسی ایک مذہب کے اقوال کا التزام نہیں کیا۔ اس روایت کو شیخ جلال الدین سیوطی اور شیخ عبدالوہاب شعرانی نے ایک ایسی جماعت سے نقل کیا ہے جس کا احصا مشکل ہے۔ لیکن ظاہر اور مشہور یہی ہے کہ اکثر فقہا کسی ایک مذہب کے پابند ہوتے تھے۔

بہر حال علما کے اس قسم کے (فقہی) اختلاف نے قوم کو خوف زدہ کر دیا اور بعض کو بعض کے اقوال کے انکار پر اکسایا اور پھر اس کے متعلق نبی ﷺ سے کوئی صریح حکم بھی مروی نہیں جس کی طرف کہ رجوع کیا جائے۔ یہ لکھنے کے بعد شاہ صاحب تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے ہیں:

> ''میرے اُوپر اللہ کی بڑی نعمتوں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ شارع علیہ السلام نے ہمیں ایسے دو علم عطا فرمائے ہیں جو احکام کے لحاظ سے ایک دوسرے سے متمایز اور مراتب میں متغایر ہیں۔ ایک علم مصالح و مفاسد اور دوسرا علم شرائع وحدود اور میں ان دونوں کو گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ وہ صاحب شرف علم ہے جس کی طرف مجھ سے پہلے کسی نے سبقت نہیں کی اور نہ کسی نے اس کے اُصول اور فروع


toobaa-elibrary.blogspot.com

کو بیان کیا اور نہ اس پر مسائل کو حل کیا۔"

"میرے اُوپر اللہ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ جادہ قویمہ کے ضبط و ترتیب کے بعد مجھ پر فقہا کے اختلاف کے اسباب کا بھی انکشاف ہوا۔ جادہ قویمہ کی طرف بعض ایسی تفاصیل اور تفریعات میں اشارہ کر چکا ہوں جو کہ مقدمات کلیّہ میں محصور اور مضبوط ہیں۔ جس نے ان کو سمجھا اور اُن پر یقین کیا، وہ مواضع اختلاف کے سمجھنے میں لیت و لعل نہیں کرے گا اور جادہ قویمہ کو اپنی آنکھوں کے سامنے مستقل طور پر متمثل پائے گا۔ وہ تفاصیل کو ایک ضروری اَمر خیال کرے گا کہ طریقہ نبوت (ملت) کو اس کے ماخذ اور منبع سے لینے والوں کے فہم کے اختلاف سے (تفاصیل کا) یہ اختلاف پیدا ہوا ہے۔"

بعد ازاں شاہ صاحب اسی کتاب میں اختلاف کے چار منازل کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

"میرے لیے یہ علم منکشف ہوا کہ اختلاف کے چار منازل ہیں۔

(۱) اختلاف مردود جس کے قائل اور پیروکار کو معاف نہیں کیا جائے گا فقہ کے مدوّنہ مذاہب اربعہ میں یہ اختلاف قلیل الوجود ہے۔

(۲) اختلاف...... اس کے قائل کو تب تک معذور سمجھا جائے گا جب تک کہ اس اختلاف کے خلاف اس کو کوئی صحیح حدیث نہ پہنچی ہو صحیح حدیث پہنچنے کے بعد (بھی اگر وہ اس پر اَڑا رہا) وہ معذور نہیں ہے۔

(۳) اختلاف مقبول، جس میں شارع علیہ السلام نے دونوں باتوں کا اختیار دے رکھا ہو، جیسے قرآن مجید کو سات حروف سے پڑھنا۔

(۴) ایسا اختلاف جس کے بارے میں ہم نے شارع علیہ السلام کے بعض اقوال سے اجتہاد اور استنباط کے طور پر سمجھ رکھا ہے کہ اس کے دونوں اطراف مقبول ہیں۔ اور انسان کو ان میں سے کسی ایک پر عمل کرنے کے لیے مکلّف بنایا گیا ہے، لیکن یہ بھی اپنے حکم میں مطلق نہیں ہے بلکہ اجتہاد اور ظن تاکیدی اس کی تقلید کے لیے ضروری ہے۔

اس قسم کے کئی علوم پر سے میرے لیے پردہ اُٹھایا گیا۔ اور مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ہر ایک (فقہی) مذہب میں ظاہر اور شاذ دونوں ہیں۔ امام ابوحنیفہ کے مذہب میں ظاہر الروایۃ



toobaa-elibrary.blogspot.com

وہ ہے جس کو اُصول خمسہ نے جمع کیا ہو اور امام محمد نے بصراحت یہ کہا ہو کہ یہ امام ابوحنیفہ کا مذہب ہے یا اس پر ان کا اعتماد رہا ہے۔ امام مالک کے مذہب کا ظاہر الروایۃ وہ ہے جس کی ابن قاسم نے صراحت کی ہو یا مدوّنہ میں (اس کے متعلق) یہ رائے پائی جائے کہ یہ امام مالک کا وہ قول ہے جس پر ان کا اعتماد رہا ہے۔ امام شافعی کے مذہب کا ظاہر الروایۃ وہ ہے جس پر شیخین یعنی رافعی اور نووی دونوں نے اعتماد ظاہر کیا ہو۔ اور یہ صراحت کی ہو کہ یہ شافعی کا مذہب ہے اور اُن کا مشہور اور معمول بہ قول ہے۔ ان کے سوا اگر کوئی روایت غیر مشہور لوگوں سے یا ایسے لوگوں سے ملے جو ان ائمہ کے مذاہب پر عبور نہیں رکھتے تو وہ شاذ روایت کہلائے گی۔

اسی طرح شریعت مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہر اور شاذ، ظاہر شریعت کے لیے چند مراتب ترتیب دیے گئے ہیں۔ (۱) اقویٰ یعنی سب سے قوی تر تو وہ ہے جو قرآن مجید کی نص میں اس طرح پائی جائے کہ اس کے سمجھنے میں کوئی خفا نہ ہو۔ (۲) دوسرے مرتبے پر ظاہر شریعت وہ ہے جو احادیث مستفیضہ صحیحہ سے ماخوذ ہو اور یہ احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم نیشاپوری اور مؤطا امام مالک میں اس طرح مروی ہوں کہ ان میں تعارض نہ ہو اور روایات کے الفاظ اختلاف فاحش سے مبرا ہوں، اس سے میری مراد یہ ہے کہ ان میں چار شرائط پائے جائیں۔ وہ اپنے معنی اور مراد میں واضح ہوں۔ اہلِ لسان پر ان کا مطلب پوشیدہ نہ ہو۔ اور وہ مشہور روایت ہوں جنھیں صحابہؓ میں سے تین یا تین سے زیادہ نے روایت کیا ہو۔ پھر ہر طبقے میں ان کے راوی بڑھتے گئے یہاں تک کہ حفاظ حدیث اور نقاد فقہا کا طبقہ آ گیا۔ اور وہ ان سے راضی ہوئے اور اُن کے قائل ہوئے اور وہ احادیث ان تین کتابوں میں مروی ہوں، کیونکہ ان تینوں کتابوں کی اسلام میں وہ شان ہے جو دوسری کتابوں کی نہیں ہے۔ اور علمائے حدیث وفقہ کے ہاں ان کتابوں کی وہ مقبولیت ہے جو دوسری کتب کی نہیں اور اُن کتابوں کی وہ صحت ہے کہ اس جیسی صحت دوسری کتابوں میں نہیں دیکھی گئی۔

کتبِ حدیث کی ان تینوں کتابوں کے ساتھ قوم کو جو اہتمام رہا وہ دوسری کتابوں کے ساتھ نہیں رہا۔ ان کتابوں کی شرح غریب، ضبط مشکل تخریج فقہ اور راویوں کے بیان پر خاص


toobaa-elibrary.blogspot.com

زور دیا گیا یہ ایسی بات ہے جس سے صرف وہ ناآشنا ہوسکتا ہے، جو قوم کے مدارک سے اجنبی ہو مزید یہ کہ احادیثِ نبویہ میں تعارض نہ ہو، ان کتابوں میں خاص طور پر آپس میں کوئی ٹکراؤ نہ ہو۔ امام مالک سے (کسی مسئلہ میں) اس طرح منقول ہونا کہ یہ بڑے بڑے صحابہ اور تابعین کا مذہب ہے، جس پر زمانہ نبوت سے لے کر ان (امام مالک) کے زمانہ تک اہلِ مدینہ عمل کرتے آئے ہیں۔ (یہ بھی مذکورہ کتب کی روایت کے حکم میں ہے) پھر اس پر شافعی، احمد، بخاری اور اُن جیسے حدیث اور فقہ کے (ائمہ) جامعین نے کوئی تعقب نہیں کیا بلکہ اس کو پسند کیا اور اس کے قائل ہوئے اور اس کی آنحضرت ﷺ سے مروی صحیح یا حسن حدیث سے بصراحت تائید ہو، اگر چہ آحاد اخبار سے ہی کیوں نہ ہو، یا اخبار کی دلالت یا اشارت سے تائید ہو۔ یا (اس سلسلے میں) صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت کے آثار کو پیش کیا گیا ہو، یا کسی واضح قیاس اور صحیح استنباط سے اس کو قوی بنایا گیا ہو۔

سفیان ثوری کی روایت بھی امام مالک سے منقول روایت کے حکم میں ہے، لیکن امام مالک سے (کسی روایت کا) منقول اور مروی ہونا بیشتر اوفق ہوتا ہے، دوسروں سے منقول روایات کا یہ پایہ نہیں۔ مشہور کتبِ حدیث میں اگر کوئی صحیح یا حسن حدیث مروی ہو اور اسے جس طرح روایت کیا گیا ہے، اس سے حجت قائم ہوئی اور فقہا کی ایک جماعت کا اس پر عمل رہا۔ یا وہ حدیث صحیح اور قوی استنباط ہے۔ اور اس کی صحت کی ایک جماعت نے شہادت دی تو یہ بھی اس امام مالک کی روایت کے حکم میں ہے۔

یہ سب آنحضرت ﷺ کی ظاہر شریعت اور آپ ﷺ کے سنن کا جادہ قویمہ ہے، جس کا صاحب رُشد وہدایت ہونا اس قدر ظاہر و باہر ہے کہ جو بھی اس کا مخالف ہوگا اس کا قول مردود سمجھا جائے گا پس اگر وہ اس حالت میں نص قرآنی یا مشہور حدیث کی مخالفت کر رہا ہے، یا اجماع اور جلی قیاس کے خلاف جا رہا ہے، تو وہ معذور نہ ہوگا اور اگر کسی دوسری دلیل کی مخالفت کر رہا ہے تو وہ اس وقت تک معذور سمجھا جائے گا جب تک کہ اس کو کوئی صحیح حدیث نہ پہنچے اور حجاب نہ اُٹھ جائے، خفا اور حجاب کے اُٹھ جانے کے بعد اس قول کے مقلد اور پیروکار کو



toobaa-elibrary.blogspot.com

معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس مقلد کو یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا کہ میں حدیث پر عمل نہیں کروں گا اور اپنے امام کے قول پر عمل کروں گا چاہے اس کے خلاف کوئی صحیح ہی دلیل ہی کیوں نہ ہو۔

اب تجھ پر لازم ہے کہ جب شریعت کے احکام اس طرح تیرے پاس ثابت ہو کر آجائیں وتم ان میں اچھی طرح غور کرو۔ تاکہ تم ان کو ان کے غیر سے جدا کر سکو اور وہ تیری آنکھوں کے سامنے متمثل اور تیرے دل میں منقش ہوں، پھر تجھے ان کو مضبوطی سے پکڑنا اور اپنے ہاتھوں سے مضبوط تھامنا چاہیے۔ اس میں اگر کوئی مخالف بھی ہو تو اس سے ہوشیار رہیں اور اس کی بات کی طرف کان نہ لگائیں۔

اس جادہ قویمہ کے اثبات کے بعد بعض اسباب کی بنا پر اگر کبھی اختلاف ہو، تو ایسی حالت میں وہ قول جو کہ ماخذ کے قریب ہو اور اس میں ظاہراً کوئی کوتاہی نہ پائی جائے اس کا ہرگز انکار نہ کیا جائے، بلکہ ایسا قول قبول کرنا چاہیے۔ اس طرح جادہ قویمہ کو ایک مذہب بنائیں۔ اس سلسلے میں مختلف اقوال سے چشم پوشی کریں اور شریعتِ محمدیہ کے جادہ قویمہ سے ایک رتی بھی باہر نہ جائیں۔ اس جادہ قویمہ سے نکلنے کی مثال ہے وضو میں پاؤں پر مسح کرنا، نکاح متعہ کو جائز تصور کرنا، مسکر شراب کے قلیل مقدار کو حلال سمجھنا، گدھوں کو حلال جاننا اور یہ کہنا کہ وقت ظہر سایہ اصلی کے نکالنے کے بعد دو مثل ہے۔

جادہ قویمہ کو تسلیم کرنے کے بعد اختلاف کرنے کی مثال علما کا روزوں میں زوال کے بعد مسواک کرنے کا اختلاف ہے، یا یہ کہ نماز کو سبحانك اللّٰھم سے شروع کیا جائے۔ یا وجہت وجھی سے یا ان دونوں میں سے کسی سے بھی نہیں۔ اور تشہد میں ابن مسعودؓ کی تشہد پڑھنی چاہیے یا ابن عباسؓ کی یا ابن عمرؓ کی۔ پھر اگر تمھاری ہمت بلند ہے اور تم تقوی میں قوی ارادہ رکھتے ہو، تو ان تفاصیل کو واضح کتاب ظاہر سنت اور اہلِ علم کے عمل اور قیاس قوی پر پیش کرو۔ مختلف احادیث میں تطبیق کرو، محدثین کی کتابوں میں جو اخبار صحیحہ، حسنہ یا ضعیفہ مروی ہیں، ان کا تمھیں تتبع کرنا چاہیے۔ اور اُن میں سے اقویٰ اور احوط کو اختیار کرنا چاہیے۔ ورنہ تمھارا درجہ ایک عام مسلمان سے اُوپر نہیں ہوگا۔


toobaa-elibrary.blogspot.com

اگر یہاں یہ سوال اُٹھایا جائے کہ جو کچھ ذکر کیا گیا وہ بالتحقیق شریعت مصطفویہ کا جادہ قویمہ ہے لیکن اس کی اس کے غیر سے کیونکر تمیز ہوسکتی ہے؟ اس کے لیے تو بہت ساری احادیث کو جمع کرنے کی ضرورت ہوگی اور یہ اس دور میں بڑا مشکل ہے۔ اس کے جواب میں، میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ اس میں زیادہ دردسری کی ضرورت نہیں ہے، (کتبِ حدیث میں سے) صرف مؤطا، صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) سنن ابوداؤد اور جامع ترمذی کی طرف لوٹنا چاہیے۔ یہ کتابیں مشہور و معروف ہیں اور قلیل مدت میں ان پر دسترس ہوسکتی ہے۔ لیکن ان کتابوں میں جادہ قویمہ کی معرفت نورِ باطن کی محتاج ہے اور یہ نور اللہ تعالیٰ ہی عطا کرتا ہے، پس اگر تیرے قلب میں یہ نورِ باطن نہ ہو اور تیرے بھائیوں میں سے کسی نے اس کی طرف سبقت کی ہو اور اس نے تجھے ایسی زبان میں سمجھا دیا جس کو تم سمجھتے ہو تو اس کے بعد جادہ قویمہ کے خلاف جانے میں تجھے معاف نہ کیا جائے گا۔ [تفہیماتِ الٰہیہ، ج۱، ص۱۵۳-۱۵۶]

اس طویل بحث سے یہ واضح ہوا کہ علمائے اُمت میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کو یہ فضیلت اور عظیم نعمت میسر ہوئی کہ اُنھوں نے شریعت کے جادہ قویمہ کو مخصوص نہج پر سمجھا، اپنی تالیفات میں اس کی شرح فرمائی اور اس کو مضبوطی سے تھامنے کی وصیت فرمائی۔ نیز اس پر زور دیا کہ کتبِ حدیث کی سب کتابوں میں امام مالک کی مؤطا سب پر فائق ہے۔ اور مقدم ہے اور باقی کتب صحاح اس کے لیے شرح کا درجہ رکھتی ہیں اور دوسرے درجہ پر صحت میں اس کے تابع ہیں۔ میرے اُستاد مولانا عبیداللہ صاحب سندھی مؤطا کی اس فوقیت کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ موصوف فرماتے تھے کہ میرے نزدیک جو اُصولی مسئلہ (مؤطا امام مالک کی فوقیت) کی اہمیت کو صحیح طور پر نہیں سمجھتا وہ اس قابل نہیں کہ اسے امام ولی اللہ کے اتباع میں شمار کیا جائے۔

____[الرحیم: دسمبر ۱۹۶۴ + جنوری ۱۹۶۵ء/ یہ مضمون ۲/اقساط میں طبع ہوا۔]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# فکرِ ولی اللہی کی اہمیت' آج کے تناظر میں

حال میں پاکستان اور ہندوستان دونوں ملکوں میں حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے خانوادہ علمی سے غیر معمولی شغف پیدا ہورہا ہے۔ ان کی کتابوں کے اصل متون شائع کیے جارہے ہیں۔ بعض کے اُردو ترجمے بھی ہوچکے ہیں۔ اس سلسلے کے بزرگوں پر علمی و دینی رسائل میں تحقیقی مضامین چھپ رہے ہیں۔ اور کئی جگہوں میں شاہ ولی اللہ کی کتابوں کو باقاعدہ پڑھایا جانے لگا ہے۔ مزید برآں برصغیر سے باہر دوسرے مسلمان ملکوں کے علما اور یورپ اور امریکی اہلِ قلم کی بھی شاہ صاحب کی طرف خصوصی توجہ ہورہی ہے اور وہ بھی مسلمانانِ پاک و ہند کے اس سب سے بڑے عالم دین اور مفکر سے متاثر ہیں اور اُن کا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی عظیم شخصیت علوم نقل و عقل دونوں کی جامع تھی۔ علومِ حدیث کے فروغ میں ان کی اور اُن کے جانشینوں کی مساعی جس طرح بارآور ہوئیں۔ اس کا عملی ثبوت برصغیر کے وہ لا تعداد دینی مدارس ہیں جہاں بڑے ذوق و شوق سے علمِ حدیث کے درس ہوتے ہیں۔ اور اس سرزمین مین حدیث کا عام چرچا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی تجدید کا یہ ایک پہلو ہے اور اگرچہ بڑا اہم سہی، لیکن یہ ان کی تجدید عمومی کا کلی نمائندہ نہیں۔ شاہ صاحب ایک محدث ہونے کے ساتھ ایک مجتہد فقیہہ بھی تھے۔ اور معرفت و حکمت میں بھی ان کی بڑی عمیق اور وسیع نظر تھی، نیز وہ اجتماعیات کے عالم تھے۔ آج ضرورت شاہ صاحب کی تجدید کے ان پہلوؤں کو اُجاگر کرنے اور اُن سے رُشد و ہدایت حاصل کرنے کی ہے۔

بات یہ ہے کہ آزادی سے پہلے پاک و ہند کے مسلمانوں کے مسائل کی نوعیت اور تھی۔ اُس وقت ان کی دینی سرگرمیاں بیشتر عبادات اور تعلیم و تعلّم تک محدود تھیں اور ملکی سیاسیات اور اس سے متعلقہ معاملات میں اگر وہ بحیثیتِ مسلمان کے حصہ لیتے تھے، تو اس کی نوعیت زیادہ تر جدوجہد کی ہوتی۔ اور اُن دوائر میں اُنھیں بہت کم کوئی مثبت چیز پیش کرنے کی ضرورت پڑتی


toobaa-elibrary.blogspot.com

تھی۔ ان کے دلوں میں اُن دنوں اسلامی حکومت، اسلامی معاشرت، اسلامی معیشت اور اسلامی ضابطہ حیات کو بروئے کار لانے کے خیالات اور جذبات تھے اور اکثر ان کی زبانوں سے قومی وملّی مطالبات کی شکل میں انھی کا اظہار ہوتا تھا۔ لیکن اب آزادی کے بعد صورتِ حال بالکل بدل گئی ہے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے، مسلمانوں اور اُن کی حکومت دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اسلامی حکومت، اسلامی معاشرت، اسلامی معیشت اور اسلامی ضابطہ حیات کے تصورات کو عملی شکل دیں اور پھر یہ عملی شکل اس نوعیت کی ہو کہ وہ دین اسلام کے بنیادی تقاضوں کو بھی پورا کرے، تیرہ سو سال کے ملّی تسلسل کو بھی قائم رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ عہد حاضر کی جو ضرورتیں ہیں اور پاکستان کے بحیثیتِ ایک معین مملکت کے جو خصوصی مسائل ہیں، یہ عملی شکل ان سے بھی عہد برآ ہونے کے قابل ہو۔ یہ مسئلہ ظاہر ہے بڑا مشکل اور پیچیدہ ہے اور اس قسم کے مسائل کو حل کرنے میں بہت سے اسلامی ملک جو ہم سے پہلے آزاد ہوئے، کافی ٹھوکریں کھا چکے ہیں۔ اور اب تک اُنھیں ''راہِ وسط'' نہیں مل سکی۔

یہ مسئلہ یعنی اپنے ان اسلامی تصورات کو موجودہ حالات میں عملی شکل دینے کا مسئلہ، جس سے اس وقت ہم دوچار ہیں، ٹھوس اور مثبت حل چاہتا ہے۔ سیاسی غلامی کے زمانے میں تو اس بارے میں نعروں سے کام چل جایا کرتا تھا۔ لیکن اب جب کہ ملک کے نظام کو توڑنے اور بنانے کا اختیار خود ہمیں مل گیا ہے، نعروں کے بجائے ہمیں ان نعروں کا بدل عملی لحاظ سے تلاش کرنا ہے۔ اس میں جتنی تاخیر ہوگی ہماری قومی زندگی کی ذہنی اُلجھنیں اور بڑھیں گی اور اجتماعی خلفشار اور زیادہ ہوگا۔

اس مسئلے کے حل کے لیے ہمیں یقیناً جدید اور قدیم دونوں مکاتب علم وفکر کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ اب جہاں تک قدیم مکتبِ علم وفکر سے استفادہ کا حق ہے ہمارے خیال میں اگر ہم شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کو اس کے لیے واسطہ بنائیں اور اس میں ان کی روشن کی ہوئی شمع علم سے کام لیں، تو ہمارے لیے اس مسئلے کا متوازن اور صحیح حل تلاش کرنا قدرے آسان ہوسکتا



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔ کیونکہ شاہ صاحب قدیم مکتب علم وفکر سے تعلق رکھنے کے باوجود نسبتاً جدید ہیں، پھر وہ صرف محدث ہی نہیں بلکہ مجتہد فقہ بھی ہیں۔ اس کے علاوہ وہ عالم اجتماعی ہیں، حکیم ہیں اور حکیم کی ان میں فکری ہمہ گیریت ہے۔

آج پاکستان میں وہ اسلامی عزائم، جو اس مملکت کو وجود میں لانے کے محرک ذہنی بنے تھے صرف اسی صورت میں عملی جامہ پہن سکتے ہیں اگر ہم شاہ ولی اللہ کی فکری ہمہ گیریت، ان کے فقہی اجتہاد اجتماعی شعور اور سب سے زیادہ ان کا زندگی اور زندگی سے تعلق رکھنے والے شعائر وقوانین کے بارے میں جو تاریخی ارتقا کا بنیادی تصور ہے، اسے اپنائیں اور اس کو مشعل ہدایت بنا کر اپنے مسائل کا حل تلاش کریں۔ اسی کا نام حکمتِ ولی اللہی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ حکمتِ ولی اللہی آج سے دوسو سال قبل ایک خاص قسم کے ذہنی وعلمی واجتماعی ماحول میں مدوّن کی گئی تھی، چنانچہ اس میں اُس ماحول کے بعض اثرات کا ہونا فطری ہے۔ ظاہر ہے اب وہ ماحول نہیں رہا۔ اور اس کے بجائے ہمیں ایک مشینی ماحول سے سابقہ پڑ رہا ہے جس کے نہ صرف مظاہر شاہ صاحب کے ماحول سے مختلف ہیں۔ بلکہ اس کے تقاضے بھی اس سے مختلف ہیں ہمیں شاہ صاحب کی اس حکمت کا موجودہ ماحول کے نقطہ نظر سے تنقیدی جائزہ لینا ہے۔ اسی صورت میں یہ حکمت ہمارے لیے کار آمد ہو سکتی ہے۔ اور ہم اس سے ہدایت حاصل کر سکتے ہیں۔

کسی مثبت فکر کو جس کی کہ جڑیں دور تک زمین میں ہوں اور اس کی اپنی ایک مسلسل ومر بوط تاریخ بھی ہو، اپنائے بغیر اگر ایک قوم کا قافلہ نئی راہوں پر چلتا ہے تو اس کا اِدھر اُدھر بہک جانا اور افراط وتفریط کا شکار ہو جانا بہت آسان ہوتا ہے۔ اگر ہمیں ان لغزشوں سے بچنا ہے تو حکمتِ ولی اللہی کو اپنا فکری محور بنانا ہوگا۔

ایک عظیم فکر اور وسعت پذیر دعوت کی یہ امتیازی خصوصیت ہوتی ہے کہ اس کی کئی جہتیں اور متعدد حیثیتیں ہوتی ہیں، جن میں ہر ایک کی اہمیت اور افادیت جیسے جیسے زمانہ گزرتا ہے، اس کے حالات کے مطابق نمایاں ہوتی ہے۔ بے شک ان جہتوں اور حیثیتوں کی نوعیت ایک دوسرے

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے مختلف ہوتی ہے، لیکن یہ ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہوتیں اور ایک عظیم فکر اور وسعت پذیر دعوت ان سب کی حامل ہوتی ہے بالکل ایسے ہی جیسے ایک پہلودار ہیرا ہوتا ہے، جس کا ہر پہلو اپنی ایک الگ شعاع دیتا ہے۔

فکرِ ولی اللٰہی کا شمار بھی دُنیا کے ان عظیم فکروں میں سے کرنا چاہیے۔ برصغیر کی گزشتہ دو سو سال کی اسلامی تاریخ میں اس فکر کی مختلف حیثیتیں مختلف شکلوں میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے خود حضرت شاہ ولی اللہ کو بھی اپنی فکری دعوت کی اس خصوصیت کا احساس تھا۔ چنانچہ اُنھوں نے فرمایا ہے کہ ہماری اولاد کے پہلے طبقے میں تو علمِ حدیث پھیلے گا اور دوسرے طبقے میں علم حکمت کی اشاعت ہوگی۔

الرحیم کے پچھلے شمارے میں مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کا ایک مضمون چھپا ہے، جس میں شاہ ولی اللہ کی فکری تحریک کے ارتقا پر بحث کی گئی ہے۔ مولانا مرحوم کا اپنا ایک مخصوص نقطہ نظر تھا اور ظاہر ہے اس مضمون میں تحریک ولی اللٰہی کو اس نقطہ نظر سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے چنانچہ ضروری نہیں کہ اس ضمن میں جن نتائج پر مولانا مرحوم پہنچے تھے ان سے سب کا اتفاق ہو۔

لیکن یہاں ہم ایک بات کا ضرور اثبات کریں گے اور ہماری یہ دلی آرزو ہے کہ تحریک ولی اللٰہی کے بارے میں اسے ایک بنیادی نقطہ قرار دیا جائے۔ اور وہ یہ جیسا کہ مولانا سندھی نے اس مضمون میں لکھا ہے۔ ہم امام ولی اللہ کے علوم میں نقل عقل کشف کے تطابق کو مابہ الامتیاز مانتے ہیں۔ اور یہ کہ امام ولی اللہ کے بعد اس درجے کا کامل ہم فقط امام عبدالعزیز کو مانتے ہیں۔ جن میں یہ تینوں کمالات جمع تھے۔ اس سلسلے میں مولانا سندھی نے اس رُجحان پر بھی تنقید کی ہے، جس میں غلو کی حد تک امام عبدالعزیز سے انکار پایا جاتا تھا۔

ہمارے نزدیک آج جو حالات ہمیں درپیش ہیں اور جن مسائل سے ہمیں اس وقت عہدہ برآ ہونا پڑ رہا ہے ان کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس نقطے پر خاص طور سے زور دیں۔ اور ولی اللٰہی تحریک کے ضمن میں امام عبدالعزیز کی جامعیت ہمارے پیشِ نظر رہے۔ ملت میں وسیع تر اتحاد کا یہی ایک ذریعہ ہو سکتا ہے۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

مملکتِ پاکستان کا ایک دور وہ تھا، جب کہ اس کا قیام عمل میں آیا۔ اس وقت سب کوششیں اس اَمر پر مرکوز تھیں کہ یہ اسلامی مملکت جو ہزاروں مخالفتوں کے بعد وجود میں آئی تھی اور اس کے بعد بھی اس کے مخالف اسے ناکام بنا کر اس کو ختم کرنے کے درپے تھے۔ اسے کس طرح ان کی دست برد سے محفوظ رکھا جائے۔ خدا نے کیا یہ مملکت جو برصغیر کے مسلمانوں کی ملّی اُمنگوں اور اسلام کے ساتھ ان کی گہری جذباتی و رُوحانی شیفتگی کا ایک عملی مظہر تھی، ان تمام مخالفتوں پر غالب آئی اور جس طرح اس کا قیام میں آنا ایک تاریخی اعجاز تھا، اسی طرح بے شمار اندرونی مشکلات اور شدید بیرونی مخالفتوں کے باوجود اس کا ایک مختصر سی مدت میں قیام کے دور سے گزر کر استحکام کے دور میں داخل ہو جانا اعجاز سے کم نہ تھا۔

اس دورِ استحکام میں بیشتر توجہ یا تو بین الاقوامی سیاسیات میں مملکت پاکستان کے مقام کو معین کرنے اور اس کے سیاسی موقف کی تحدید کی طرف رہی اور آج کی دُنیا میں کسی ملک کے استحکام میں یہ مرحلہ بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔ یا ملک کی معاشی ترقی اور اس کی صنعتی وزرعی تعمیر پر زور دیا جاتا رہا۔ خدا کے فضل سے اس وقت پاکستان اپنے مادی وسائل کے لحاظ سے اور اپنی بساط کے مطابق استحکام کے اس درجے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا ہے، جس کا وہ مستحق ہے وہ جہاں اب معاشی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا ہے، جس کے بارے میں پہلے غیر تو غیر اپنے بھی شک وشبہ کا اظہار کیا کرتے تھے، وہاں اس نے سیاسیاتِ عالم میں بھی ایک ایسا مقام حاصل کر لیا ہے، جہاں سے وہ مشرق ومغرب کے ملکوں سے ایک برابر کی حیثیت سے بات کر سکتا ہے۔

قیام اور استحکام کے بعد ایک مملکت جن مقاصد کی حامل اور نظریات کی داعی ہوتی ہے اور یہی دلیل اس کا معنوی وجود ہوتا ہے، اس کی توسیع کا جسے انگریزی میں Projection کہتے ہیں دور آتا ہے۔ ایک مملکت کے مادی وجود کے ساتھ ساتھ اس کا معنوی وجود ایسے ہی ضروری ہوتا ہے جیسے آدمی کے بدن میں سوچنے والے دماغ کا ہونا ضروری ہے۔ پاکستان قیام اور استحکام کے دور کے بعد اب اپنے معنوی وجود کی توسیع کے دور میں داخل ہو رہا ہے اور اسے



toobaa-elibrary.blogspot.com

لامحالہ اس دور کے لوازم کو پورا کرنا ہوگا۔ یہ اس کے لیے اتنا ہی لازمی ہے جتنا اس کا استحکام لازمی تھا۔

ظاہر ہے پاکستان کے اس معنوی وجود کی اساس اسلام ہے۔ اور پاکستان کو نہ صرف اس کے اُصول ومبادی اور اس کی تعلیمات کو اپنی قومی زندگی میں سمونا ہے، بلکہ اس سمونے کا اس کا اپنا جو مخصوص طریقہ کار ہوگا، اسے اس کو دوسرے کو سامنے بھی پیش کرنا ہوگا۔ یہی اس کے معنوی وجود کی توسیع ہوگی۔

اسلامی حکومت، اسلامی معیشت، اسلامی معاشرت اور اسلامی ضابطہ قانون کے بارے میں ہمارے ہاں جو بحثیں ہوتی رہتی ہیں اور بعض حلقوں کی طرف سے اُنھیں عملاً نافذ کرنے کے جو مطالبے ہورہے ہیں وہ حقیقت میں پاکستان کے اسی معنوی وجود کا اثبات اور اس کی توسیع کی کوشش ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پاکستان کی قومی زندگی کے ہر پہلو کو اسلامی اُصول ومبادی سے ہم آہنگ کرنے کی ضرورت ہے اور یہ خوشی کی بات ہے کہ حکومت کو اس ضرورت کا پورا احساس ہے اور وہ اس بارے میں مناسب اقدام بھی کررہی ہے لیکن اس سلسلے میں ہم یہ عرض کریں گے کہ گو قومی زندگی کا ہر پہلو اپنی جگہ بڑا اہم ہے اور اسے ہمیں یقینی طور پر اسلامی اُصولوں سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ لیکن جزواً جزواً ہر پہلو کو لینے سے پہلے بڑا اچھا ہو اگر ہم پاکستان کی آئندہ قومی زندگی کے متعلق جسے ہم بروئے کار لانا چاہتے ہیں، پہلے ایک بنیادی جامع تصور متعین کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ تصور فکری اساس کا کام دے جملہ تفصیلات کو خیال سے عمل میں لانے کے لیے ایک عمارت کا اگر پورا نقشہ ذہن میں ہو، تو عمارت کی تعمیر میں بڑی آسانی رہتی ہے۔

ہمارے خیال میں اس بنیادی جامع تصور کے تعین میں ہمیں حضرت شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔ شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ سب کچھ ان کی اپنی تخلیق ہے لیکن اس سے کسی کو انکار نہیں ہوگا کہ پہلے بزرگ جو کچھ لکھ گئے تھے، شاہ صاحب نے اس سے استفادہ کرکے بعد والوں کے لیے اسلام کے اُصول ومبادی اور اس کی



toobaa-elibrary.blogspot.com

تعلیمات اور احکام کی ایک واضح شکل چھوڑی ہے جو نسبتاً جدید ہے اور ہم اس کی طرف قدرے آسانی سے رجوع کر سکتے ہیں۔

شاہ صاحب کے بعد اس دور کے ہمارے دوسرے بڑے مفکر علامہ اقبال ہیں، جنھوں نے قدیم اسلامی افکار میں عہد حاضر کے علوم سے حاصل شدہ تجدید و تازگی پیدا کی۔ اور اس طرح ہمارے دینی سلسلہ فکر کو آگے بڑھایا آج ضرورت زمانے کے نئے تقاضوں اور پاکستان کی موجودہ ضرورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس دینی سلسلہ فکر کی بنیاد پر اپنی مجموعی زندگی کے لیے ایک جامع اسلامی تصور معین کرنے کی ہے، جس کے تحت ہماری قومی زندگی کے تمام پہلوؤں کی اسلامی اُصولوں پر تشکیل ہو سکے۔ ایک فکر ہی فی الواقع وہ نقشہ ہوتا ہے جس پر ملّی عمارت کی تعمیر کی جاسکتی ہے۔

ایک زندہ اور زندگی بخش فکر جامد نہیں ہوتا، وہ زمانے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا اور نئی چیزوں اور نئے رُجحانات کو اپناتا جاتا ہے۔ یقیناً فکرِ ولی اللہی پہلوؤں سے متفاد تھا۔ اب اس کو اور آگے لے جانا ہوگا، تب ہی وہ نئی زندگی کو وجود میں لانے کا باعث ہو سکے گا۔ تعلیمات ولی اللہی کے سلسلے میں اس اکیڈمی کی یہی دعوت ہے۔ ——[الرحیم: جنوری+فروری+مارچ ۱۹۶۵ء/یہ مضمون ۶/اقساط میں طبع ہوا۔]

❀……❀……❀

toobaa-elibrary.blogspot.com

# شاہ ولی اللہ کی تالیفات پر ایک نظر

حکمتِ ولی اللٰہی کے نقطہ نظر سے اسلام کو سمجھنے اور علومِ اسلامیہ کے مطالعہ کرنے کا جو علمی رُجحان ولی اللٰہی فلسفہ کے سب سے بڑے علمبردار اور داعی حضرت العلامۃ الاُستاذ عبید اللہ سندھی کی مساعی جمیلہ سے شروع ہوا تھا، وہ آہستہ آہستہ بڑھتے بڑھتے اب مستقل مکتبِ فکر کی حیثیت اختیار کر رہا ہے۔ ملک کے عربی و دینی مدارس میں، جدید کالجوں اور یونیورسٹیوں میں شاہ صاحب کی تعلیمات اور تالیفات کے مطالعہ کرنے اور اُن پر تحقیقی مقالے لکھنے کا شوق اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے اور یہ ایک بڑا خوش کن اَمر ہے، کیوں کہ اس سائنسی دور میں اگر دین اور اسلامی روایات کو محفوظ رکھنا ہے تو ہمارے خیال میں اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ولی اللٰہی فکر کی اشاعت عام ہو۔ پھر یہ ایک ذریعہ بھی ہوگا مسلمانوں کے مختلف فرقوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے اور اُن کے فروعی اختلافات کم کرنے کا۔ آج سارے عالمِ اسلام اور بالخصوص برصغیر کے مسلمانوں کی سب سے اہم ضرورت یہی ہے، لیکن ولی اللٰہی فلسفہ اور علوم کی تشریح اور مطالعہ کے بعد نتائج اخذ کرنے میں دور رَس نگاہ وسعتِ قلب اور اشد احتیاط کی ضرورت ہے، ورنہ اس فلسفہ کے ذریعہ قوم کے ذہنی انتشار اور تشتت سے نکلنے کی جو آخری اُمید اور سہارا ہے، وہ بھی ہاتھ سے جاتا رہے گا۔

ظاہر ہے کہ ایک عظیم مصنف، مصلح اور حکیم کو اپنی زندگی میں جن حالات اور اَدوار سے گزرنا پڑتا ہے، ان کا اس کی تالیفات پر اثر انداز ہونا لازمی اَمر ہے، حضرت شاہ صاحب کو بھی اس مسلمہ قاعدے سے مستثنیٰ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ضرورت اس اَمر کی ہے کہ آپ کی تالیفات پر اس اعتبار سے نظر ڈالی جائے۔ ہمارے خیال میں آج تک اس موضوع پر تفصیل سے کچھ نہیں لکھا گیا۔ اور غالباً اس کا بڑا سبب تو یہی ہوگا کہ بدقسمتی سے شاہ صاحب نے اپنی کتابوں کے مقدموں میں سوائے معدودے چند کتابوں کے سنِ تالیف نہیں لکھا، حالانکہ اُس



toobaa-elibrary.blogspot.com

دور میں یعنی بارھویں صدی ہجری میں مولفین کی یہ عام عادت تھی کہ وہ اپنی تصنیفات میں سنِ تالیف ضرور لکھا کرتے تھے، شاہ صاحب کے ایک عظیم معاصر اور محقق عالم مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی (۱۱۰۴ـ۱۱۷۴ھ) کی کوئی شاذ و نادر تصنیف ایسے ملے گی جس میں سنِ تصنیف نہ دیا گیا ہو۔ اپنی سب کتابوں کے شروع یا آخر میں مخدوم صاحب نے سنِ تصنیف لکھا ہے۔ شاہ صاحب کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ ان کتابوں کو چھوڑ کر جن میں شاہ صاحب نے سنِ تالیف کی تصریح فرمائی ہے، باقی کتابوں کے سنین تالیف اور ادوار کی تعین میں ہمیں پختہ قرائن اور اشارات ہی سے کام لینا پڑتا ہے اور اس کے بغیر اس بارے میں رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ لیکن قرائن آخر قرائن ہی ہوتے ہیں اور عین ممکن ہے کہ شاہ صاحب نے کوئی رسالہ کتاب پہلے لکھی ہو لیکن بعد میں اس پر اُنھیں نظر ثانی کا موقعہ ملا۔ اور اُنھوں نے بعد کے دور کی کسی بات یا تحقیق کا اس میں اضافہ کیا ہو۔ بہر حال ہم نے اس ضمن میں اپنی بساط کے مطابق تفحص اور تلاش میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی اور ہمارے پاس شاہ صاحب کی جملہ کتابیں جو موجود ہیں ان سب کو پڑھ کر پھر ان کی سنین تالیف کے متعلق کوئی رائے قائم کی ہے۔ حضرت شاہ صاحب کی علمی زندگی کو تین اَدوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

## تحصیل ملکات کا دور

علامہ اُستاد عبیداللہ سندھی اس سے مراد لیتے ہیں عربی زبان کا سیکھنا، منطقی اصطلاحات کا استعمال کرنا، سوسائٹی کے رائج الوقت قانون یعنی فقہ حنفی کے متون و شرُوح کا پڑھنا، اس قانون کے عقلی نظام یعنی اُصول فقہ کا سمجھنا اور متکلمین کے مختلف مکاتیب فکر اور اُن کے تقابلی مباحث سے شناسا ہونا۔ یہ علوم و فنون اُن کے تحصیلی ملکات کا ذریعہ تھے۔ [''امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف''، شاہ ولی اللہ نمبر، الفرقان، ص ۲۳۵]

یہ دور تو صرف کسب علوم اور تحصیل ملکات کا دور ہے جو کہ آپ کی پندرہ سال کی عمر میں تمام ہوتا ہے۔ آپ کی اس کے بعد کی زندگی کو دو اَدوار (قبل از سفر حرمین و بعد از سفر حرمین

toobaa-elibrary.blogspot.com

مطابق ۱۱۴۳ھ) میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب ہم آپ کی تالیفات پر نظر ڈالتے ہیں:

## قرآن و علوم قرآن

### ا: فتح الرحمٰن (قرآن مجید کا فارسی ترجمہ)

آغاز تو سفر حرمین سے پہلے ہوا۔ البتہ اس کا اختتام سفر حرمین سے واپسی کے بعد آپ نے فرمایا۔ اس لحاظ سے ہم اس تالیف کو دونوں دوروں کا حاصل کہہ سکتے ہیں۔ علامہ اُستاذ عبید اللہ سندھی اپنی مشہور تالیف التمهيد لائمة التجديد میں فرماتے ہیں:

> "وقد جعل الامام ولى الله قراة القرآن مع التدبر سنة لازمة، وكتب فتح الرحمٰن قبل مجيئه الى الحرمين۔ [التمهيد لائمة التجديد، یہ نادر روزگار کتاب سندھی اُدبی بورڈ حیدر آباد کے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔]
>
> "امام ولی اللہ نے تدبر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کو سنت لازمہ قرار دیا ہے۔ اور حرمین کی طرف آنے والے سے پہلے آپ نے فتح الرحمٰن لکھی۔"

علامہ اُستاذ کی اس عبارت سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا ترجمہ سفر حرمین یعنی ۱۱۴۳ھ سے پہلے کا ہے۔ مگر فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ فتح الرحمٰن کے فارسی مقدمہ سے (جو کہ اس حقیر راقم کی کوشش سے پہلی بار اصح المطابع کراچی والوں نے شائع کیا) معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اس کی تالیف کا آغاز سفر حرمین سے پہلے کا ہے لیکن اس کا اختتام سفر حرمین سے واپسی کے بعد ہوا، مقدمہ کی عبارت ملاحظہ ہو:

> ایں فقیر راداعیہ ایں اَمر خطیر بخاطر ریختند، وخواہ مخواہ برسر آں آورند، یك چند در تفحص ترجمها افتادتا هر كرا كه از تراجم غير آں كه بخاطر مقرر شُده است مناسب باید درترویج آں کو شد، وکیف ماامکن پیش اہلِ عصر مرغوب نماید، در بعض تطویل محل یافت ودربعض تقصیر مخل هیچ یك موافق آں میزان نیفتادلا جرم عزم تالیف ترجمه دیگر مصمم شد، وتسوید ترجمه زهرا وین برروئے



toobaa-elibrary.blogspot.com

کار آمد بعد آزاں سفر حرمین اتفاق افتاد، وآں سلسلہ ازہم گسست بعد سالہائے چند عزیزے پیش ایں فقیر خواندن قرآن باترجمہ آں شروع کرد ایں صورت سلسلہ جنبان آں عزم شد، وبر سرآں آورد کہ بقدر خواندن سبقاً سبقاً نوشتہ شود چوں قریب ثلث قرآن رسیّدہ شدآں عزیز را سفرے پیش آمدو ایں تحریر درحیز توقف افتاد، بعد مدتے باز تقریبی پیداشد ور گیر بار آں خطرہ پارنیہ رایاد آورد وتاور ثلث قرآں کشیدہ بود، چوں للاکثر حکم الکل مقرر ات ببعض یاران گفتہ شد کہ آں مسودہ راتبییض کنیلو آں ترجمہ رامقرون بآیات قرآن نویسیّد تانسخہ مستقل گردد، وآں یار سعادت مند روز عید الاضحی سنۃ خمسین بعد الالف والمائتہ در بیتیض شروع نمود، چوں بیتیض بآخر تسوید رسیّد باز عزم را ابنعاثے پدید آمدو تاآخر قرآن مسود شدو کان ختم التسوید فی اوائل شعبان وختم البیتیض فی اوائل رمضان سنۃ احدی وخمسین۔" [مقدمہ فتح الرحمٰن ،فارسی مشمولہ قرآن مجید مترجم فارسی ناشراصح المطابق کارخانہ تجارت کتب کراچی]

''اس فقیر کے دل میں اس اَمر عظیم کا یہ داعیہ پیدا ہوا اور مجھے اس کے لیے مجبور ہونا پڑا کہ چند تراجم قرآن کا تفحص کیا جائے تا کہ ان دوسرے تراجم سے وہ ترجمہ جو میرے مذاق کے موافق ہو اس کی ترویج میں کوشش کی جائے اور جس طرح ہو سکے اس کو اہلِ زمانہ کے ہاں مرغوب بنایا جائے (لیکن کوئی ترجمہ ایسا نظر نہ آیا) کیونکہ کچھ تراجم ایسے تھے جن میں ملال پیدا کرنے والی طوالت تھی۔ اور بعض میں مخل کوتاہی تھی۔ لیکن کوئی ترجمہ بھی میرے معیار پر نہ اُترا۔ لہٰذا ایک دوسرے ترجمے کی تالیف کا عزم مصمم پیدا ہوا، زہراوین (بقرۃ، آل عمران) کا ترجمہ لکھا گیا، اس کے بعد سفر حرمین کا اتفاق ہوا اور یہ سلسلہ ٹوٹ گیا چند سالوں کے بعد ایک عزیز نے اس فقیر کے پاس ترجمہ کے ساتھ قرآن کا پڑھنا شروع کیا اور اس سے عزم سابق میں ایک جنبش سی پیدا ہوئی یہ خیال ہوا کہ ایک اور ایک سبق کے مقدار ترجمہ لکھا جائے، جب تقریباً ثلث قرآن کا ترجمہ پورا ہوا تو اس عزیز کو سفر کا سامنا کرنا پڑا اور یہ تحریر موقوف ہوگئی ایک مدت کے بعد پھر یہ تقریب پیدا ہوئی اس کے حاصل کرنے میں قدیم خیال کو یاد کیا یہاں تک کہ دوسرا ثلث بھی ختم ہوا۔ (یعنی ترجمے کے دوتہائی مکمل ہوگئے) جب کہ اکثر کو کل کا حکم



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتا ہے، اس لیے بعض دوستوں سے یہ کہا کہ اس مسودہ کو صاف کریں اور اس ترجمے کو آیات سے ملا کر لکھیں تا کہ یہ نسخہ مستقل ہو جائے۔ اس سعادت مند دوست نے ۱۱۵۰ھ میں عیدالاضحیٰ کے روز اسے صاف کرنا شروع کیا۔ اور جب تبییض مسودہ کے آخر تک پہنچی تو پھر سابق عزم میں ہیجان پیدا ہوا اور مسودہ قرآن کے آخر تک ہو گیا، مسودہ کا اختتام اوائل شعبان میں ہوا اور تبییض کا اختتام اوائل رمضان ۱۱۵۱ھ میں ہوا۔''

چنانچہ حضرت اُستاذ [اپنے مضمون] ''امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف'' میں فرماتے ہیں:

''شاہ ولی اللہ صاحب نے متنِ قرآن کی حقیقت اپنے اشراق سے اس طرح معین کر لی یہ کتاب بذاتِ خود ایک کامل مکمل نصاب ہے اس پر اضافہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی زبان فارسی تھی۔ ۱۱۵۰ھ میں آپ نے کتاب مجید کا فارسی میں فتح الرحمٰن کے نام سے ترجمہ کیا جو ۱۱۵۱ھ میں ختم ہوا اور ۱۱۵۶ھ میں فتح الرحمٰن کی تدریس ہوا۔ آپ نے ترجمے کے ساتھ مختصر طور پر تشریحی فوائد بھی لکھے۔

[''امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف''، شاہ ولی اللہ نمبر، الفرقان، ص ۲۴۹]

علامہ اُستاذ سندھی نے ۱۱۵۶ھ میں جس تدریس کا ذکر کیا ہے، اس کو امام ولی اللہ نے اپنے الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:

"بعد ازاں در سن ست وخمسین باهتمام برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ بشهوده آں کتاب را رواجی پیدا شد، و در حیز مداولت آمدو نسخ متعدوه گشت واهل عصربآن اقبال نموونند۔"

''اس کے بعد ۱۱۵۶ھ میں دینی بھائی عزیز القدر خواجہ محمد امین (اللہ تعالیٰ اس کو اپنے شہود سے نوازے) کی کوشش سے اس کتاب (ترجمہ) کا رواج ہوا اور یہ مداولت میں آگئی اور اس کے متعدد نسخے کیے گئے اور اہلِ زمانہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔''

[مقدمہ فتح الرحمٰن]

اس ترجمے کی اگر خصوصیات دیکھنی ہیں تو مقدمہ فتح الرحمٰن اور شاہ ولی اللہ اور اُن



toobaa-elibrary.blogspot.com

کا فلسفہ کی طرف رجوع کریں۔

## ۲: الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر (فارسی)

سنِ تالیف بعد از ۱۱۵۱ھ و بعد از تالیف فتح الرحمٰن و تاویل الاحادیث۔ اگرچہ مؤلف امام نے اس رسالے کے سنِ تالیف کے متعلق بصراحت کچھ نہیں لکھا، لیکن اس کی بعض عبارتوں میں فتح الرحمٰن اور تاویل الاحادیث کے حوالہ جات پائے جاتے ہیں اور فتح الرحمٰن کے سنِ تالیف کے متعلق تو مؤلف امام کی صراحت موجود ہے کہ وہ ۱۱۵۱ھ میں تکمیل پذیر ہوا۔ اس سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ الفوز الکبیر اس کے بعد کی تالیف ہے۔ مؤلف امام فرماتے ہیں:

"از علوم وهبیه در علم تفسیر که بآن اشارت کردیم تاویل قصص انبیاست علیهم السلام وفقیر برائے ایں فن رساله تالیف کرده ست مسماة بتاویل احادیث دیگر بترجمه بزبان فارسی بوجهی که مشابه عربی باشد درقدر کلام ودر تخصیص وتعمیم وغیر آں وآنرا در فتح الرحمان فی ترجمه القرآن بثبت نمودیم۔"

"علم تفسیر کے ان وہبی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا انبیا علیہم السلام کے قصوں کی تاویل بھی ہے۔ فقیر نے اس فن میں ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے۔ اس کے علاوہ کلام اللہ کا فارسی زبان میں ترجمہ اس طریقہ سے کہ وہ مقدار اور تخصیص و تعمیم وغیرہ میں عربی کے مشابہ ہے اس کو ہم نے فتح الرحمٰن فی ترجمہ القرآن میں ثبت کیا ہے۔" [دیکھو الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر، فارسی، مطبع مجتبائی نومبر ۱۸۹۸ء، ص ۴۶]

یہ رسالہ قرآن فہمی کے سلسلے میں کتنا اہم ہے، اس کا اندازہ مؤلف امام کی اس عبارت سے کیجیے جو آپ نے شروع رسالے میں لکھی ہے:

چوں بریں فقیر درے از فهم کتاب الله کشادند، خواست که بعضی نکات نافعه که در تدبر کلام الله یا رانرا بکار آید و رساله مختصری مضبوط نماید اُمیدواری از عنایت حضرت باری آنست که طالب علماں را به مجرد فهم ایں قواعد راهی و سیع درفهم معانی کتاب الله کشاده گردد که اگر عمرے در



toobaa-elibrary.blogspot.com

مطالعہ تفاسیر ھا گذار نیدن آنھا بر مفسران علی انہم اقل قلیل فی ھذا الزمان بسر آن ضبط و ربط بدست نیا رند سمیتھا با لفوز الکبیر فی اُصول التفسیر۔" [دیکھو الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر، فارسی، مطبع مجتبائی نومبر ۱۸۹۸ء، ص۲]

''جب اس فقیر پر کتاب اللہ کے سمجھنے کا دروازہ کھولا گیا تو میں نے چاہا کہ بعض مفید نکات جو کتاب اللہ کے سمجھنے میں دوستوں کے کام آسکتے ہوں، ان کو ایک مختصر رسالہ میں منضبط کرے خدا تعالیٰ کی عنایت سے اُمید ہے کہ طالب علموں کے سامنے صرف ان قواعد کے سمجھنے سے کتاب اللہ کے سمجھنے کے لیے ایک وسیع شاہراہ کھل جائے گی کہ اگر وہ ایک عمر کتب تفاسیر کا مطالعہ کرنے یا ان کو مفسروں سے جن کی تعداد اس زمانہ میں بہت ہی کم ہوگئی ہے پڑھنے میں صرف کریں تو اس قدر ضبط کے ساتھ حاصل نہیں ہو سکتی میں نے رسالہ کا نام الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر رکھا۔''

اب ہم اس رسالہ کے متعلق فلسفہ ولی الٰہی کے عظیم شارح علاّمہ اُستاد عبیداللہ سندی کی رائے پیش کرتے ہیں۔ حضرت استاد علاّمہ سندھی فرماتے ہیں:

''شاہ صاحب نے قرآن کے مضامین کو مذکورہ بالا پانچ ابواب میں تقسیم کر کے دُنیائے اِسلام پر رحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔'' [یہ تقسیم الفوز الکبیر میں کی گئی ہے]

''یہاں اگر ان کی کسبی عقلی اور وہبی اشراقی قوتیں کام نہ کرتیں تو ہمارے خیال میں قرآن کو اس طرح واضح کرنا ناممکن تھا۔'' [''امام ولی اللہ کی حکمت کا اجمالی تعارف''، شاہ ولی اللہ نمبر، الفرقان، ص ۲۴۷] دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''ہم نے مولانا شیخ الہند قدس سرہ سے اُصولِ تفسیر پر کتابیں مانگیں تو آپ نے کتاب الاتقان فی علوم القرآن از حافظ جلال دین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی ۹۱۱ھ میں مرحمت فرمائی۔ میں نے پوری کوشش سے ساری کتاب بار ہا پڑھی سوائے چند اوراق کے مجھے اس میں کوئی چیز دلچسپ نظر نہ آئی جسے اُصول کا درجہ دیا جا سکے، اسی زمانہ میں حضرت مولانا (شیخ الہند) نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ایک مختصر سا رسالہ اُصولِ تفسیر میں شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی لکھا ہے جس کا نام الفوز الکبیر ہے۔ یہاں میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

خیال کرتا ہوں کہ حضرت مولانا (شیخ الہند) قدس سرہٗ کی عادتِ مبارکہ کا ضمناً ذکر کروں۔ آپ جانتے تھے کہ امام فخر الدین رازی اور علامہ (مسعود بن عمر التونی ۷۹۱ھ) تفتازانی کو عموماً طلبہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ان نام بردہ حضرات کے مقابلہ میں طلبہ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی بات سننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ نجم الائمہ شیخ الہند لہٰذا اگر کسی مسئلے میں امام رازی یا علامہ تفتازانی کی تغلیط کرتے تو مبہم طور پر یہ فرماتے کہ محققین کی رائے اس مسئلہ میں یوں ہے طلبہ سمجھتے کہ یہ محققین ان حضرات سے بھی کوئی متقدم ہستیاں ہوں گی میں ایک لمبے عرصے کے بعد متفطن ہوا کہ محققین سے حضرت شیخ الاسلام مولانا محمد قاسم اور اُن کے اساتذہ کرام اور مشائخ عظام ہیں جو شاہ ولی اللہ صاحب پر ختم ہوجاتے ہیں۔

''یہ باعث تھا کہ آپ نے الفوز الکبیر مجھے شروع میں عطا نہ کی بلکہ فقط اس کا تذکرہ کردیا۔ جب میں سندھ پہنچا تو مجھے ''فوز کبیر'' کا نسخہ ملا، اس سے پیشتر میں امام رازی کی تفسیر کا مطالعہ کر کے کافی پریشان ہو چکا تھا۔ (الفوز الکبیر کے) فصل اوّل کا مطالعہ ختم کرنے کے بعد میں مطمئن ہوگیا کہ ان شا اللہ علم تفسیر مجھے آسکتا ہے، پھر اس دن سے آج تک میں ان کے مسلک سے باہر جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرسکا۔'' [دیکھو الفوز الکبیر فی أصول التفسیر، فارسی، مطبع مجتبائی نومبر ۱۸۹۸ء، ص ۳۴۸]

## ۳: فتح الخبیر بما لابد من حفظہ فی علم التفسیر (عربی)

یہ رسالہ اصل میں الفوز الکبیر فی أصول التفسیر کا پانچواں باب ہے، لیکن بقول مولف امام اس باب کو الگ خطبہ سے اس لیے شروع کیا گیا تا کہ مستقل رسالہ بن جائے اور کوئی چاہے تو اس کو (الفوز الکبیر سے) جدا کر کے لکھے [دیکھو الفوز الکبیر فی أصول التفسیر، فارسی، مطبع مجتبائی، نومبر ۱۸۹۸ء، ص: ۳۴۸] اس رسالہ میں مولّف علام نے قرآن مجید کے غرائب کی شرح فرمائی ہے۔ اور اسبابِ نزول میں سے وہ حصہ جس کا مفسر کے لیے جاننا ضروری ہے اور اس کے بغیر قرآن مجید میں خوض کرنا ممنوع ہے، اسے ذکر فرمایا ہے۔

toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ صاحب نے شرح غرائب میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے ان آثار کو جو کہ ابن ابی طلحہ کی طریق سے مروی ہیں، جمع کیا ہے اور اس کی کمی ضحاک کے طرق سے پوری کی گئی ہے، علامہ سیوطی نے بھی اتقان میں ایسا ہی کیا ہے۔ لیکن کچھ غرائب ایسے بھی تھے جو کہ ان دونوں فریقوں کے طرق میں نہیں ملتے تھے، ان کی تکمیل نافع میں رزق کے مسائل اور صحیح بخاری کی تحقیق سے کی گئی ہے، کیوں کہ اس باب کی مرویات میں صحیح بخاری کو اصح ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اہلِ نقل میں سے کچھ دوسرے ثقات کے اقوال بھی فتح الخبیر میں موجود ہیں، لیکن وہ تعداد میں کم ہیں۔ محدثین کی تفاسیر سے اسبابِ نزول کے متعلق ضروری باتیں لائی گئی ہیں اور وہ تفاسیر یہ ہیں، تفسیر صحیح بخاری، ترمذی اور حاکم۔

مولف امام کی فتح الخبیر کے متعلق جو اپنی رائے ہے، اس کو بھی پڑھ لیجیے:

"فجاء ت بحمد اللہ رسالۃ مفیدۃ فی بابھا عدۃ نافعۃ لمن اراد ان یقتحم فی عبابھا، وسمیتھا فتح الخبیر بمالا بدمن حفظہ فی علم التفسیر۔" [الفوز الکبیر، فارسی، مطبوعہ مجتبائی، ۱۸۹۸ء، ص ۱]

"اللہ کی تعریف سے یہ رسالہ اپنے باب میں سود مند ہوا اور جو اس کی موج میں داخل ہونا چاہے، اس کے لیے نافع ہتھیار ہے۔"

یہ رسالہ ڈیمی سائز کے ۳۲ مطبوعہ صفحات پر مشتمل ہے اور ہر صفحہ ۲۷ سطور کا ہے، علوم قرآن کے سلسلہ میں امام ولی اللہ کی ایک کتاب اور بھی ہے، جو تاویل الاحادیث کے نام سے موسوم ہے، لیکن اس پر کچھ لکھنے سے پہلے قرآن اور علوم قرآن پر شاہ صاحب کی ان علمی مساعی کو ولی اللہی دعوت کے پس منظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ولی اللہی دعوت کا مدار چار چیزوں پر ہے۔

۱۔ سب سے پہلے قرآن مجید میں تدبر اور غور کرنا اور مفسرین کی آرا سے مستغنی ہو کر قرآن مجید سے براہِ راست ہدایت حاصل کرنا۔ شاہ صاحب نے اس کے اُصول اپنی تالیف الفوز الکبیر میں بیان فرمائے ہیں۔ اس ضمن میں جس تحقیق اور تجدید کے شاہ صاحب داعی ہیں، اس کی ابتدا بقول علامہ اُستاذ عبیداللہ سندھی، شاہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم سے ہوتی ہے۔ [التمہید



toobaa-elibrary.blogspot.com

لائمة التجديد] شاہ عبدالرحیم نے عام اور معارف کو عالمگیری دور کی اسلامی سوسائٹی سے حاصل کیا اور خصوصی معارف اپنے نانا شیخ رفیع الدین دہلوی سے ورثہ میں پائے۔ شاہ صاحب بوارق المعرفة میں لکھتے ہیں:

"وظیفہ حضرت ایشان از نوافل تہجد واشراق وضحی و دو رکعت بعد مغرب بود وبتلاوت وائما مشغول می بودند مگر بعذر بغایت خوشی وبارعایت تجوید می خواندند، وغالباً در حلقہ یاراں بیرون از تلاوت ہرروز دوسہ رکوع بتدبروبیان معانی آن می خواندز۔" [بحوالہ بوارق المعرفة، مشمولہ انفاس العارفین]

"وظائف میں سے حضرت (شاہ عبدالرحیم) کا یہ معمول تھا کہ نوافل میں سے تہجد، اشراق، صلوۃ، چاشت اور مغرب کے بعد دو رکعت نفل پڑھتے تھے۔ کسی عذر کے بغیر ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول رہتے تھے، نہایت سرور اور تجوید کی رعایت سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور اس تلاوت کے علاوہ دوستوں کے حلقہ میں روزانہ دو تین رکوع تدبر سے پڑھتے اور ترجمہ بیان فرماتے۔"

شاہ صاحب نے بھی تدبر کے ساتھ تلاوت قرآن مجید کو سنت لازمہ قرار دیا! فتح الرحمٰن، الفوز الکبیر اور فتح الخبیر کی تصنیف اسی رُجحان کا نتیجہ ہے۔

۲۔ دوسری چیز جس پر ولی اللٰہی دعوت کا مدار ہے، وہ ہے احادیثِ صحیحہ پر غور وفکر کرکے تحقیق کے اُفق پر پہنچنا اور فقہائے عظام کے اقوال میں سے اس قول کو اختیار کرنا جو کہ صریح اور معروف حدیث کے موافق ہو۔ اس اَمر میں بھی شاہ صاحب کو اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم سے تربیت حاصل ہوئی کیوں کہ شاہ عبدالرحیم صاحب اجمالی طور پر اس ملکہ کے مالک تھے۔ اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

"مخفی نماند کہ حضرت ایشاں در اکثر اُمور موافق مذہب حنفی عمل کردند الابعض چیز ہا کہ بحسب حدیث یاوجدان بمذہب دیگر ترجیح می یافتند ازاں جملہ آنست کہ دراقتدا سورۃ فاتحہ می خواندند ودر جنازہ نیز۔" [بوارق المعرفة مشمولہ انفاس العارفین، ص ۷۰]



toobaa-elibrary.blogspot.com

"مخفی نہ رہے کہ حضرت (والد بزرگوار) اکثر اُمور میں حنفی مذہب کے موافق عمل فرماتے تھے، مگر کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ حدیث یا وجدان کی بنا پر دوسرے مذہب کے مسئلہ کو ترجیح دیتے تھے ان میں سے ایک یہ ہے کہ اقتدا میں بھی اور جنازہ دونوں میں سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔"

گو حضرت شاہ عبدالرحیم سلوک اور طریقت میں حضرت امام ربانی کے پیروکار اور نقش بندی طریقت کے شیوخ میں سے ہیں، لیکن کہیں اختلاف رائے بھی رکھتے ہیں اور جہاں تک حدیث اور فقہی تحقیق کا تعلق ہے اس میں آپ کا مسلک امام ربانی سے منفرد معلوم ہوتا ہے یہ شاہ عبدالرحیم کی تربیت کا ہی اثر ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ہاں نہ صرف ان فروعی مسائل میں بلکہ سلوک اور تصوف کی تحقیقات میں بھی جمود نہیں پایا جاتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بطور لطیفہ، امام ربانی مجدد الف ثانی کے پوتے شیخ عبدالاحد ابن شیخ محمد سعید سرہندی (وفات ۱۱۲۷ھ) اور شاہ عبدالرحیم کے درمیان بعض فقہی مسائل میں جو تبادلہ خیال ہوا اس کو یہاں ذکر کیا جائے۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں: کہ ایک دن اس مسئلہ (قراءت فاتحہ خلف الامام) میں شیخ عبدالاحد نے میرے والد بزرگوار سے بحث کی اور اپنے بعض اسلاف سے (تائید میں) یہ نقل کیا کہ اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے کہ ایک جماعت بادشاہ کے حضور میں اپنی سرگزشت سنانے کے لیے کھڑی ہے، یہاں اَدب کا تقاضا یہ ہے کہ ہر ایک الگ الگ اپنی طرف سے کچھ نہ کہے بلکہ سب مل کر کسی ایک کو اس خدمت کے لیے مقرر کریں۔ یہ سن کر حضرت والد بزرگوار نے فرمایا کہ اس مسئلہ کو مذکورہ صورت میں قیاس کرنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ نماز کا مقصد ہے دُعا اور خضوع کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مناجات اور سرگوشی کرنا اور نفس کو سنوارنا، جس پر حدیث "لا صلوة لم يقراء بفاتحة الكتاب" دلالت کرتی ہے، یعنی جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ کو نہیں پڑھا اس کی نماز نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سمیع ہے، اگر دُنیا کے سب لوگ مل کر ایک میدان میں کھڑے ہو جائیں اور ہر ایک اپنی اپنی بولی میں کچھ کہے تو ایک کی مناجات کو سننا دوسرے کی مناجات میں خلل نہیں ڈالتا۔ [انفاس

toobaa-elibrary.blogspot.com

العارفین،ص ۷۰] دوسری جگہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"بعد از وفات حضرت ایشان دوازده سال کم وبیش بدرس کتب دینیه وعقلیه مواظبت نمود در هر علمی خوض واقع شد، وتوجه برقبر مبارك پیش گرفت ودرآں ایام فتح توحید وکشاد راه جذب وجانبی عظیم از سلوك میسر آمد، وعلوم وجدانیه فوج نازل شدند، وبعد ملاحظه کتب مذاهب اربعه، واُصول فقه ایشاں واحادیثی که متمسك ایشاں است قرار داد خاطر بمدد نور غیبی روش فقها محدثین افتاد۔" [الجزء اللطیف مشموله انفاس العارفین،ص ۲۰۳]

"حضرت (والد بزرگوار) کی وفات کے بعد بارہ سال کم وبیش کتب دینی وعقلی کے درس پر مواظبت کرتا رہا۔ اور ہر ایک علم میں غور وخوض واقع ہوا، آنجناب کی طرف رُوحانی توجہ بھی حاصل ہوئی اور اُن ایّام میں توحید کا دروازہ کھل گیا اور جذب کی راہ بھی وا ہوئی اور سلوک کا ایک بڑا حصہ بھی ہاتھ آیا، علوم وجدانیہ فوج درفوج نازل ہوئے، مذاہب اربعہ کی کتب اور اُن کے اُصول فقہ کے مطالعہ اور اُن احادیث کے دیکھنے کے بعد جو ان کی دلیل ہیں نور غیبی کی مدد سے فقہا محدثین کی روش (پر چلنے) کا خیال پیدا ہوا۔"

یہاں نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے فقہی رجحانات کے بارے میں مذکورہ عبارت سے یا آپ کی دوسری تالیفات پر سطحی نظر رکھنے کی وجہ سے جو غلط فہمی ہوئی ہے اس کا مختصر طور پر ازالہ کیا جائے۔

میرے ایک بزرگ دوست کا ایک مقالہ بعنوان "شاہ ولی اللہ کے فقہی رُجحانات المسویٰ اور المصفیٰ کی روشنی میں" الرحیم ماہ ذالحجہ ۱۳۸۴ھ اور ماہ محرم ۱۳۸۵ھ میں قسط وار شائع ہوا ہے، فاضل موصوف نے بلاشبہ اپنی بساط فہم کے موافق مقالہ لکھنے میں محنت سے کام لیا ہے، لیکن جوش خطابت میں آپ کے قلم سے کچھ ایسی باتیں بھی سرزد ہوئی ہیں جن سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا، ہم ان میں سے چند باتوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔

فاضل مقالہ نگار شروع میں ایک تمہید کے بعد رقم طراز ہیں:

شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے بارے میں علما کی رائیں مختلف ہیں:


toobaa-elibrary.blogspot.com

(۱) بعض لوگ اُنھیں مجتہد مانتے ہیں اور مجتہد خود صاحب مسلک ہوتا ہے کسی دوسرے امام کے مسلک کا پابند نہیں ہوتا۔

(۲) بعض اُنھیں مقلد مانتے ہیں۔

(۳) بعض لوگ غیر مقلد مانتے یا بالفاظ دیگر اہلِ حدیث وغیرہ۔

فاضل موصوف بعض لوگوں کی طرف سے یہ رائے تو لکھ گئے کہ وہ شاہ صاحب کو مجتہد مانتے ہیں اور مجتہد کسی دوسرے امام کے مسلک کا پابند نہیں ہوتا لیکن اس کی تصریح نہ فرمائی کہ یہ کون لوگ ہیں جو شاہ صاحب کو مجتہد مانتے ہیں اور پھر مجتہد سے ان کی کیا مراد ہے؟ کیوں کہ مجتہد کی کئی اقسام ہیں: مجتہد مستقل، مجتہد منتسب، مجتہد فی المذہب اور مجتہد فی الفتیا۔ حضرۃ اُستاذ علامہ عبید اللہ سندھی، شاہ صاحب کو مجدد اور مجتہد فی المذہب قرار دیتے ہیں اور آپ نے بکثرت اپنے مقالوں اور تالیفات میں اس کی تصریح فرمائی ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ شاہ صاحب کسی دوسرے امام کے مسلک کے پابند نہیں ہیں۔ حضرت الاُستاذ علامہ سندھی ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”ولعرف الامام ولی اللہ جدّد الفقة الحنفی باشارة الھامیة من النبی صرح بذلك فی کتابه فیوض الحرمین۔“ [تفسیر الہام الرحمن، جلد ا، ص ۱۷۳]

”امام ولی اللہ کے متعلق ہم جانتے ہیں کہ اُنھوں نے نبی ﷺ کی طرف سے ایک الہامی اشارہ کی بنا پر فقہ حنفی میں تجدید فرمائی، موصوف نے اس کی فیوض الحرمین میں تصریح فرمائی ہے۔“

آگے چل کر فاضل مقالہ نگار لکھتے ہیں:

”شاہ صاحب کے فقہی مسلک کے بارے میں جو اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اس کے متعدد اسباب ہیں:

تناقض (الف) شاہ صاحب نے خود اپنے بارے میں ایسی تصریحات کی ہیں جو بظاہر باہم متناقض ہیں۔ مثلاً ایک جگہ تصریح فرماتے ہیں: ”(ترجمہ) مذاہب اربعہ اور اُن کی اُصول فقہ کی کتابوں اور اُن احادیث کو دیکھ کر جن سے ان مذاہب پر استدلال کیا گیا



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے، غیبی نور کی مدد سے میرا دل فقہائے محدثین کی روش پر مطمئن ہوا۔"

محترم مقالہ نگار اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس سے غیر مقلد حضرات یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ شاہ صاحب انھی کی طرح غیر مقلد اور اہلِ حدیث تھے۔ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی مذکورہ عبارت میں غیر مقلد ہونے کی صراحت تو درکنار، اس کے بارے میں کوئی اشارہ بھی موجود نہیں ہے لیکن پھر بھی فاضل مقالہ نگار نے اس سے مذکورہ بالا نتیجہ نکال کر اس کو فیوض الحرمین کی عبارت کے مناقض قرار دیا ہے۔ اس عبارت میں تو صراحت سے روش فقہائے محدثین موجود ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اہلِ مذہب میں سے ایک گروہ تو وہ ہے جن کا تحقیق حدیث سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور وہ صرف فقہی روایات کو دیکھتے ہیں، چاہے وہ احادیثِ صحیحہ کے مخالف کیوں نہ ہوں اور دوسرے فقہائے محدثین جیسے ہمارے احناف میں امام طحاوی، امام ابوبکر الجصاص رازی، ابن الہمام صاحب فتح القدیر، ابن امیر الحاج، قاسم بن قطلو بغا وغیرہ ہیں، یہ حضرات کئی مسائل میں فقہی روایات سے اختلاف بھی رکھتے ہیں اور صحیح حدیث کی طرف جھک جاتے ہیں، لیکن کسی نے بھی ان کو غیر مقلد نہیں کہا۔

متاخرین میں سے مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی کی تحقیقات کو دیکھا جائے کہ موصوف ائمہ مذاہب میں سے کئی مختلفہ مسائل میں دلائل کی قوت اور احادیثِ صحیحہ کو دیکھ کر حنفی علما کی فقہی تصریحات کی مخالفت کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ اپنے آپ کو حنفی بھی کہتے ہیں، اسی طرح وصیت نامہ کی جس عبارت کو فاضل مقالہ نگار نے فیوض الحرمین کی حنفی ہونے کی تصریح کے مناقض قرار دیا ہے وہ بھی فاضل موصوف کی بناء الفاسد علی الفاسد کا نتیجہ ہے، ورنہ درحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے۔ اس میں بھی بصراحت "فقہائے محدثین" کی پیروی کی تلقین موجود ہے اور یہی شاہ صاحب کے ہاں شریعت کا جادہ قویمہ ہے۔

محترم مقالہ نگار اگر وصیت نامہ اور الجزء اللطیف کی عبارتوں کو فیوض الحرمین کی مفصل عبارت کی روشنی میں مطالعہ فرماتے تو ہرگز تناقض کی اُلجھن میں نہ پھنسے۔ طوالت کے خوف سے فیوض الحرمین کی اصل عبارت کو چھوڑ کر، مقالہ نگار نے جو ترجمہ پیش کیا ہے میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کو یہاں دہرانا مناسب سمجھتا ہوں۔

ترجمہ: ''رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ حنفی مذہب میں ایک پسندیدہ طریقہ ہے اور یہ طریقہ اس معروف سنت کے بہت موافق ہے جس کی جمع و تنقیح بخاری اور اصحابِ بخاری کے زمانہ میں ہوئی ہے وہ طریقہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد) کے اقوال میں سے اس قول کو لیا جائے جو اس مسئلہ میں سنت کے سب سے زیادہ قریب ہو، اس کے بعد ان حنفی فقہا کے اختیارات کا تتبع کیا جائے جو علمائے حدیث بھی ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ بہت سی باتیں ایسی ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے اُصول میں ان سے سکوت برتا اور اُن کی نفی بھی نہیں کی اور احادیث نے اُنھیں ثابت کر دیا ایسی صورت میں ان کے اثبات کے سوا کوئی چارہ نہیں اور یہ سب مذہب حنفی ہے۔''

فلسفہ ولی اللہی کے عظیم شارح علامہ عبید اللہ سندھی فیوض الحرمین کی مذکورہ عبارت کے متعلق فرماتے ہیں کہ میں نے مکہ مکرمہ کے بعض اہلِ علم کے پاس شاہ صاحب کی ایک تالیف ''المشاہد'' کا خطی نسخہ دیکھا اور یہ فیوض الحرمین کتاب کی اصل ہے، اس میں کانوا من علماء الحدیث کے بعد کالحافظ الطحاوی' زائد کلمہ موجود ہے۔ [تفسیر الہام الرحمن، بیت الحکمہ، کراچی، جلد ا، ص ۲۳۰] اس اضافہ سے عبارت کی اور وضاحت ہو جاتی ہے۔ فاضل مقالہ نگار کی عبارتوں کی اگر اسی طرح ہم نشان دہی کرتے جائیں گے تو اصل موضوع سے ہمیں دور جانا پڑے گا، اس لیے آخر میں وقت کے ایک فاضل اور جید عالم مولانا محمد یوسف صاحب کی ایک رائے نقل کر کے اصل موضوع کی طرف رجوع کریں گے:

''اگر قدما میں سے قاضی بکار اور امام طحاوی اور ابوبکر خصاف ابوبکر جصاص، قاضی ابوزید دبوسی، شمس الائمہ سرخسی وغیرہ وغیرہ اور متاخرین میں سے امیر کاتب اتقانی، علاء الدین ماردینی، ابن الہمام، ابن امیر الحاج قاسم بن قطلو بغا وغیرہ مقلد ابوحنیفہ ہو سکتے ہیں حالانکہ یہ حضرات بھی اپنے خصوصی مختارات رکھتے ہیں، تو پھر حضرت شاہ صاحب کا انھی کی طرح حنفی ہونا کیوں مستبعد ہے۔ نیز جبکہ قاضی اسماعیل، حافظ ابن عبد البر، قاضی ابوبکر بن عربی حافظ اصیلی ابن رُشد کبیر مالکی ہو سکتے ہیں اور علی ہذا جبکہ ابن



toobaa-elibrary.blogspot.com

جوزی، ابن قدامۃ، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ حنبلی ہو سکتے ہیں، تو پھر اسی درجہ میں حضرت شاہ صاحب کو مقلد مذہب حنفی ماننے میں کیا اشکال ہے۔ اُصولاً کسی امام صاحب مذہب کا متبع چند جزئی مسائل میں اگر اپنے امام کے خلاف رائے قائم کرے تو علماءِ اُمت میں اس کو اتباع وتقلید کے منافی نہیں سمجھا جاتا، قریباً سب مذاہب کے علما میں کثرت سے خاص خاص مسائل میں بہت سے اختیارات اپنے ائمہ کے خلاف ملتے ہیں۔'' [مقالہ ''شاہ ولی اللہ اور حنفیت''، الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۳۶۰]

۳۔ ولی اللہی دعوت کے مدار میں سے تیسری چیز ہے تصوف اور شریعت کو باہم جمع کرنا اور یہ ملکہ بھی اُنھیں اپنے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم کی برکت اور صحبت سے حاصل ہوا۔

شاہ ولی اللہ صاحب القول الجمیل میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

''فالعبد الضعیف ولی اللہ عضا اللّٰہ عنه والحقه لسلف الصالحین صحب اباه الشیخ الاجل عبدالرحیم رضی اللّٰہ عنه وارضاه وهرا طویلا، وتعلم منه العلوم الظاهرة وتأدب علیه بآداب الطریقة، ورأی عنه الکرامات وسأله عن المشکلات، وسمع منه کثیرامن فوائد الطریقة، والحقیقة، وماجری علیه وعلی شیوخه من الواقعات والا حوال والکرامات۔''

''بندہ ضعیف ولی اللہ (اللہ اس کو معاف فرمائے اور اس کو اس کے سلف صالحین سے ملحق فرمائے) ایک طویل مدت تک اپنے والد اور بزرگ شیخ عبدالرحیم کی صحبت میں رہا اور اُن سے علوم ظاہریہ کی تعلیم حاصل کی اور طریقت کے آداب سیکھے اور اُن سے خوارق عادات چیزیں دیکھیں اور (تصوف کے) مشکل مسائل کے متعلق سوال کیا اور اُن سے طریقت اور حقیقت کے بہت سے فوائد کو سنا اور وہ واقعات، حالات اور کرامات بھی سنیں جو آپ پر اور آپ کے شیوخ پر جاری ہوئیں۔''

شاہ عبدالرحیم صاحب کے طریقت کے اُصول کیا تھے، اس کے متعلق موصوف اس طرح وضاحت فرماتے ہیں:

''اُصول پنجگانه که ایں حقیر را عنایت فرموده اندر ادائے آن صرف همت باید نمود دوام الذکر والتقوی علی کل حال، وایصال النفع للخلق من غیر تفرقه وعدم



toobaa-elibrary.blogspot.com

تفصیل نفسه علی احدمن خلق الله، والتواضع لامر الله و بخلق الله۔" [انفاس العارفین، مطبوعہ مجتبائی ۱۹۱۵ء/۱۳۳۳ھ، ص ۲۷]

''اس حقیر (شاہ عبدالرحیم) کو (طریقت کے) پانچ اُصول عطا ہوئے ہیں، ان کی ادائی میں ہمت صرف کرنا چاہیے۔ ہر حال میں ذکر اور تقوی پر دوام کرنا، بلاکسی فرق کے خلق خدا کو نفع پہنچانا، اپنے آپ کو اللہ کی مخلوق میں سے کسی پر بھی فضیلت نہ دینا اللہ کے حکم اور اللہ کی مخلوق سے تواضع کرنا۔"

۴۔ چوتھی چیز ہے علوم شرعی اور حکمت عملی کے جملہ انواع: تہذیب اخلاق، تدبیر، منزل، سیاست مدینہ اور سیاست مدن کے درمیان موافقت پیدا کرنا۔

شاہ صاحب بوارق الولایۃ میں رقم طراز ہیں:"حضرت ایشاں ایں فقیر را در مجلس صحبت حکمت عملی و آداب معاملہ بسیار می آموختند۔" ترجمہ:''حضرت والد بزرگوار اس فقیر (ولی اللہ) کو اپنی صحبت کی مجلس میں حکمت عملی اور معاملہ کے آداب سکھاتے تھے۔"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:"حکمت عملی کہ صلاح ایں دورہ در آنست بوسعتی تمام افادہ نمودند، وتوفیق تشیید آں بکتاب وسنت و آثار صحابہ داوند۔" [بوارق المعرفۃ مشمولہ انفاس العارفین] ترجمہ:''حکمت عملی جس پر دور حاضر کی اصلاح موقوف ہے اس کا وسیع طور پر افادہ فرمایا اور کتاب، سنت اور آثار صحابہ سے اس کی تقویت کی توفیق عطا فرمائی۔"

## ۴: المقدمۃ فی قوانین الترجمہ فارسی

ایک مقدمہ تو وہ ہے جس کا ذکر ترجمہ فتح الرحمٰن کے سلسلہ میں گزر چکا۔ وہ پاکستان میں پہلی بار کارخانہ تجارت کتب کراچی والوں نے ایک خطی نسخہ سے جو کہ ۱۲۰۱ھ کا لکھا ہوا ہے، نقل کرا کر طبع کیا، اس سے قبل یہ مقدمہ ۱۲۸۵ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ میں ترجمہ فتح الرحمٰن کے ساتھ چار صفحات میں شائع ہوا تھا۔ یہ قرآن مجید مترجم بڑی تقطیع کا تھا اور دو ترجموں ترجمہ فارسی فتح الرحمٰن اور ترجمہ اُردو شاہ عبدالقادر پر مشتمل تھا۔ حاشیہ پر فتح الرحمٰن اور موضح



toobaa-elibrary.blogspot.com

القرآن کے تفسیری حواشی بھی چڑھائے گئے تھے، اس کے ساتھ تفسیر ابن عباس عربی بھی مکمل حاشیہ پر دی گئی تھی۔ اس قرآن مجید کے آخر میں مولوی عبدالسمیع رام پوری کا بنایا ہوا یہ قطعہ تاریخ دیا گیا ہے:

سال اتمام طبع او گفتم          گشتہ مطبوع مصحف اطہر

۱۲          ۸۵

یہ مطبوعہ نسخہ بھی اس وقت نادر ہے کہیں کہیں علمی لائبریریوں میں اس کے پارینہ نسخے مل جاتے ہیں مجھے مجلس علمی ڈابھیل کراچی کی لائبریری میں ایک کہنہ نسخہ نظر آیا اور دوسرا ایسا ہی کہنہ بلکہ اس سے بھی پارینہ پروفیسر جلبانی صاحب سندھ یونیورسٹی کی ذاتی لائبریری میں موجود ہے۔ یہاں جس مقدمہ کا ذکر کیا جارہا ہے، وہ الگ چیز ہے مؤلف امام اس کے شروع میں حمد وصلوۃ کے بعد فرماتے ہیں:

> ترجمہ: ''حمد وصلوۃ کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم کہتا ہے کہ ترجمہ قرآن کے اُصول اور قواعد کے متعلق یہ ایک رسالہ ہے جس کا نام المقدمة فی قوانین الترجمة ہے یہ اس وقت تحریر میں آیا جب میں قرآن مجید کا ترجمہ لکھ رہا تھا۔''

اس عبارت سے اگر چہ کسی خاص سنِ تالیف کا تعین نہیں ہوتا لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۴۲ھ سے ۱۱۵۱ھ کے درمیان کی تصنیف ہے۔ یہ مقدمہ فارسی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے اُردو ترجمہ کے ساتھ ماہنامہ برہان دہلی میں دو قسطوں میں شائع ہوا تھا، اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سیوہاروی مرحوم کو کوئی صحیح نسخہ ہاتھ نہیں آیا تھا اس لیے اصل میں اغلاط کی وجہ سے اُردو ترجمہ میں بھی کافی غلطیاں ہوگئی ہیں، اس فارسی مقدمہ کا سندھی ترجمہ صحت کے ساتھ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے سہ ماہی مجلہ الرحیم سندھی میں چھپ چکا ہے۔

یہاں عین مناسب ہوگا کہ تحقیق کرنے والوں کے لیے ترجمہ فتح الرحمٰن فارسی کے خطی اور مطبوعہ نسخوں کا اجمالی ذکر کیا جائے۔ فتح الرحمٰن فارسی کے خطی نسخے تو برصغیر کے علمی



toobaa-elibrary.blogspot.com

لائبریریوں میں کئی ہوں گے، یہاں ان نسخوں کا ذکر ہوگا جو یا تو میری نظر سے گزرے ہیں یا علمی فہارس سے معلوم ہوئے ہیں۔ مدرسۃ الاسلام لاڑکانہ سندھ کی لائبریری میں ۱۲۱۰ھ کا ایک خطی نسخہ موجود ہے، جس میں قرآن مجید اور ترجمہ دونوں ساتھ لکھے ہوئے ہیں یعنی ایک ہی سطر میں قرآن مجید کی عبارت بھی آجاتی ہے اور ترجمہ بھی۔ اسی قسم کا ایک نسخہ میں نے مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی کی علمی لائبریری میں بھی دیکھا تھا، جس کا سنِ کتابت یاد نہیں رہا۔ اسی طرح ایک نسخہ مکتبہ شرقیہ دارالعلوم پشاور میں بھی موجود ہے۔ فہرست کتب تفسیر موجودہ مکتبہ شرقیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ مقدمہ بھی ہے نام وکیفیت عمومیہ کے خانے کے تحت فاضل مرتب لکھتے ہیں:

''فتح الرحمٰن (فارسی) نہایت عمدہ ترجمہ قرآن مجید ہے، جن خصوصیات کے التزام سے حضرت شاہ صاحب نے اس کو لکھا ہے، اس کا ذکر اُنھوں نے دیباچے میں بالتفصیل کیا ہے، جابجا تشریحی تعلیقات بھی لکھے ہیں۔ کیفیت خصوصیہ کے ماتحت رقم طراز ہیں: ''قلمی خوشخط بدرجہ اوسط معہ دیباچہ وضمیمہ مشتمل برخصوصیات ترجمہ (یہ دیباچہ اور ضمیمہ نسخہ ہائے مطبوعہ میں نہیں پائے جاتے)۔''

معہ رسالہ الفوز الکبیر وفتح الخبیر (رسالہ اوّل الذکر) میں نہایت محققانہ انداز سے اُصولِ تفسیر کا بیان ہے اور کوئی شخص جو تفسیروں کا مطالعہ کرنا چاہے اس کے پڑھنے سے بے نیاز نہیں ہوسکتا نہایت ہی مفید چیز ہے، دوسرا رسالہ غرائب القرآن کی تفسیر ہے۔ [لباب المغارف العلمیہ، مکتبہ دارالعلوم الاسلامیہ مطبع آگرہ اخبار آگرہ، ص۱۴]

نوٹ: اگر اس میں الفوز الکبیر فارسی کا کوئی صحیح خطی نسخہ ہے تو یہ غنیمت بارہ ہوگی کیوں کہ الفوز الکبیر فارسی کے آج تک جتنے مطبوعہ نسخے ہیں وہ سب اغلاط سے پر ہیں۔ فتح الرحمٰن کے مطبوعہ نسخوں میں سب سے قدیم نسخہ تو مطبع ہاشمی والا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا اور وہ ۱۲۸۵ء کا مطبوعہ ہے۔

میرے ایک مخلص دوست مولوی سلطان محمود صاحب مدرس مدرسہ [illegible] پیر جھنڈہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

نے ایک خط کے ذریعے مجھے واقف فرمایا ہے کہ پیر جھنڈہ کی علمی لائبریری میں فتح الرحمٰن فارسی کے دو مطبوعہ نسخے موجود ہیں جن میں سے ایک کا کاتب محمد جواد بن ملا محمد موسی کشمیری ہے اور اس کا سن طباعت ۱۳۰۱ھ ہے اور دوسرا نسخہ ۱۳۴۸ھ کا شائع شدہ ہے۔ بفرمائش میاں محمد شریف وعبداللطیف تاجران کتب پشاور بازار قصہ خوانی باہتمام ملک دین محمد مالک دین محمدی پریس لاہور۔

مطبع محمدی بمبئی والوں نے ۱۳۲۶ھ میں حمائل شریف کی صورت میں بھی فتح الرحمٰن کے ترجمہ وحواشی کے ساتھ قرآن مجید چھاپا تھا۔ علامہ اُستاد عبیداللہ سندھی درسِ قرآن کے وقت اسی حمائل کو سامنے رکھتے تھے۔

اس کے بعد مطبع کریمی بمبئی والوں نے مطبع محمدی والوں کی حمائل شریف کی طرح ۱۳۵۲ھ میں فتح الرحمٰن فارسی کی اشاعت فرمائی دونوں حمائلوں کے صفحات ۸۶۱ یکساں ہیں، البتہ ان دونوں کے حواشی میں کہیں کہیں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اسی طرح حال ہی میں اسی حمائل کی بعینہٖ نقل اور چربہ مقبول عام پریس لاہور سے حاجی محمد عبدالخالق، فضل مالک تاجران کتب قصہ خوانی بازار پشاور والوں نے چھپوا کر شائع کیا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ میں نے بیس بائیس سال قبل قرآن مجید معہ ترجمہ فارسی فتح الرحمٰن کا ایک نسخہ دیکھا تھا جو کہ حکومت افغانستان کی طرف سے ایک تاجپوشی کے موقعہ پر شائع ہوا تھا جو نہایت خوشخط اور عمدہ کاغذ پر طبع ہوا تھا، اس وقت نہ تو میرے پاس وہ نسخہ موجود ہے اور نہ کوئی ایسی فہرست ہے جس سے اس کی تفصیل عرض کرسکوں۔

## ۵ : تاویل الاحادیث

سنِ تالیف قبل از ۱۱۵۱ھ اس رسالے کے سنِ تالیف کے متعلق اگرچہ مولف امام نے بصراحت کچھ نہیں لکھا، لیکن الفوز الکبیر فی أصول التفسیر میں اس کا اور قرآن مجید کے فارسی ترجمے فتح الرحمٰن کا ذکر ہے۔ ترجمہ فتح الرحمٰن ۱۱۵۱ھ میں تکمیل پذیر ہوا۔ اس سے



toobaa-elibrary.blogspot.com

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف امام نے فتح الرحمٰن کی تالیف کے اثنا ہی میں تاویل الاحادیث کو تالیف فرمایا ہے۔ گویا قرآن مجید کے ترجمے کے وقت قرآن مطالب پر غور و خوض کرتے ہوئے قصص الانبیاء کے سلسلے میں آپ پر جن علوم اور اسرار کا انکشاف ہوتا گیا ان کو آپ قلم بند فرماتے گئے۔ الفوز الکبیر کی عبارت ملاحظہ ہو۔

''ترجمہ: علم تفسیر کے ان وہبی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا، انبیا علیہم السلام کے قصوں کی تاویل بھی ہے، فقیر نے اس فن میں ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے...... الخ۔''

تاویل الاحادیث کس علمی پایہ کا رسالہ ہے، اس کا اندازہ آپ کو ولی اللہی فلسفے کے عظیم شارح علامہ اُستاذ عبید اللہ سندھی کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوگا۔ اُستاذ مرحوم فرماتے ہیں۔'' مذکورہ سابق مقصد قرآنی کو ہم شاہ ولی اللہ کی حکمت کی اساس مانتے ہیں۔ جب کبھی ہم فلسفہ ولی اللہی کہیں گے تو اس سے یہی مراد ہوگا۔ اس فلسفہ کی تاریخ ارتقائی دُنیا کی تکوینی ترقی کے ساتھ ساتھ تاویل الاحادیث میں ملے گی آدم علیہ السلام کے زمانے میں جو شرائع مقرر تھے، وہ اسی فلسفے کے ماتحت تھے۔ اور اس زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرتے تھے۔ جس قدر انسانیت ترقی کرتی گئی، اسی قدر اس فلسفہ کی تفریعات میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ابراہیم علیہ السلام سے پہلا دور (یعنی حقیقت سے پیشتر کا دور) صائبین کا ہے۔

تاویل الاحادیث میں اس دور کی (جس میں آدم، ادریس و نوح تا قبل ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں۔) پوری تشریح ملے گی۔ ادریس علیہ السلام طبعیات، ریاضیات، الٰہیات، کی بانی سمجھے جاتے تھے، حکمت کے ان اقسام کا مرکز بدلتا رہا۔ کبھی ایران، کبھی یونان، اس کے بعد ابراہیمی دور آئے گا۔ حنفا اسی فلسفے کی شکل کو دوسرے رنگ میں بدل دیں گے۔ اس تبدیلی کے اسباب کیا تھے؟ اور تبدیلی کس شکل میں ہوئی؟ اس کی تفصیل تاویل الاحادیث میں ملے گی۔ تاویل الاحادیث میں ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سرورِ عالم ﷺ تک تمام انبیا کی زندگی کو تدریجی ترقی کے اُصول سے موجہ بنایا گیا ہے۔ [الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص: ۲۵]



toobaa-elibrary.blogspot.com

شیخ اکبر محی الدین بن عربی (متوفی ۶۳۸ھ) نے اس موضوع پر اگرچہ فصوص الحکم جیسی مشہور زمانہ تالیف چھوڑی ہے، لیکن اس کو قرآن مجید کے قصص انبیا سے کم تعلق ہے کیوں کہ شیخ اکبر کا اصل مقصد اپنی اس تالیف سے قصص قرآنی کی تاویل اور وضاحت نہ تھی وہ تو خصوص کے ذریعہ اپنے مذہب وحدت وجودی کی اشاعت اور تائید چاہتے تھے اور اس میں اتنا انہماک رکھتے تھے کہ بقول ڈاکٹر عفیفی ابن عربی کا آیات کی تاویل کا طریقہ کبھی کبھی کج روی سے خالی نہیں ہوتا، خاص طور پر جب وہ لفظی حیلوں سے ان معانی کی طرف جانا چاہتے ہیں، جن کا وہ خود ارادہ کرتے ہیں۔

لیکن رسالہ تاویل الاحادیث آپ کو اس تکلف سے مبرا نظر آئے گا۔ شیخ اکبر محی الدین بن عربی نے فصوص الحکم میں قصص قرآن کے ضمن میں اپنے مذہب وحدت وجودی کو انتہائی شکل میں پیش کیا ہے اور اس کے لیے جن مصادر سے بھی ان کو مدد لینا پڑی ان سے مدد لے کر انھوں نے اپنی مصطلحات صوفیہ وضع کی ہیں۔ اور وہ مصادر یہ ہیں۔ قرآن، حدیث، علم کلام، فلسفہ مشائیہ، فلسفہ نوفلاطونیہ عتوصیہ مسیحیہ، رواقیہ اور فلسفہ فیلون یہودی۔ اسی طرح انھوں نے اسماعیلیہ باطنیہ، قرامطہ، اخوان الصفا اور قدیم صوفیائے اسلام کی مصطلحات سے بھی فائدہ حاصل کیا ہے۔

لیکن شیخ اکبر لیکر کے فقیر نہ تھے کہ وہ ان مصطلحات کو جن معنوں میں کہ وہ استعمال ہوئی تھیں، انھی معنوں میں ویسے ہی مان لیتے انھوں نے ان مصطلحات کو ایک خاص رنگ میں ڈھالا اور ہر ایک اصطلاح کو ایسے معنی پہنائے جو ان کے مذہب وحدۃ وجود سے اتفاق رکھتے ہوں۔ اس طرح انھوں نے تصوف کے ادب کو مصطلحات اور الفاظ کا ایک نیا ذخیرہ دیا۔ فصوص الحکم نہ صرف ان مصطلحات پر حادی ہے بلکہ وحدت وجود اور اس سے جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں نیز ان کے استنباط میں انھوں نے جو مخصوص کلامی مسلک اختیار کیا ان سب پر بھی مشتمل ہے۔ یہ بات ان کی کسی دوسری تالیف میں نہیں پائی جاتی۔ [حیات ولی، مطبوعہ سلفیہ، ص ۵۵۶]

toobaa-elibrary.blogspot.com

یقیناً شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی اس رسالہ میں قدیم مصطلحات سے استفادہ کیا ہے اور اُن کو نئے معنی پہنائے ہیں۔ اور کہیں اپنی طرف سے بھی مقصد کی توضیح کے لیے مصطلحات کا اختراع کیا ہے لیکن اس رسالے میں وہ تعقید نہیں پائی جاتی جو فصوص الحکم میں ہے۔

حیاتِ ولی اور نزہتہ الخواطر کے مؤلفین کی اس رسالہ کے متعلق جو رائے ہے وہ یہاں پیش کی جاتی ہے۔

حیاتِ ولی کے مؤلف فرماتے ہیں:

''اس کتاب (تاویل الاحادیث) میں جناب شاہ صاحب نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جناب نبی اکرم ﷺ کے زمانہ مبارک تک کے ان تمام انبیا علیہم السلام کے قصص بیان کیے ہیں، جن کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے اور اس کے ساتھ ہی ان حوادثات کے وجوہ بطریق رموز بیان کیے ہیں جو انھیں پیش آئے۔ بالغ نظریں اس کتاب کو دیکھ کر شاہ صاحب کے تبحر کا پورا پورا اندازہ کر سکتی ہیں۔ [نزہتہ الخواطر، طبع دائرۃ المعارف العثمانیہ، ج ۵، ص ۴۰۷]

نزھۃ الخواطر کے مؤلف فرماتے ہیں:

"تاویل الاحادیث" رسالۃ نفیسۃ له بالعربیۃ فی توجیه قصص الانبیا علیهم السلام وبیان مبادیها التی نشأت من استعداد البنی تابلیۃ ومن التدبیر الذی وبرته الحکمۃ الالهیۃ فی زمانه۔"

''تاویل الاحادیث تالیف شاہ ولی اللہ عربی میں ایک پاکیزہ رسالہ ہے، جس کا موضوع ہے انبیا علیہم السلام کے قصے اور اُن کے مبادی واُصول جن کا مصدر ومنشا نبی کی استعداد اس کی قوم کی قابلیت اور وہ تدبیر ہے جس کا حکمتِ الٰہیہ نے ان کے دور میں اہتمام فرمایا۔''

یہ کتاب پہلی بار سیّد احمد ولی اللٰہی نبیرہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی کی کوشش سے مطبع احمدی دہلی میں اُردو ترجمے کے ساتھ چھپی تھی۔ ایک کالم میں عربی متن اور دوسرے کالم میں اُردو ترجمہ تھا۔ یہ ترجمہ لفظی ہے جس سے اس علمی کتاب کی پوری پوری ترجمانی نہیں ہو سکتی



toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ مطبوعہ نسخہ بھی اب ناپید ہے۔اور کہیں کہیں علمی کتب خانوں میں پایا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد کی طرف سے حال ہی میں یہ علمی کتاب خوبصورت عربی مصری ٹائپ میں تحقیقی حواشی اور مبسوط مقدمہ کے ساتھ چھپی ہے۔ حسن اتفاق سے اس کا ایک قدیم مخطوطہ بھی ہاتھ آ گیا تھا۔ اس کے کاتب شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے ایک شاگرد حافظ محمد نوشہ صاحب ہیں۔ شروع صفحہ کے حاشیہ پر کاتب کی طرف سے یہ عبارت نوشتہ ہے۔

"نسخه هذا مسمی ب تاویل الاحادیث تمام شد بتاریخ ۳ ماه ذی الحجه یوم الجمعة بیداضعف العباد حافظ محمد نوشه عفی عنه ۱۲۵۲ھ قدسی۔"

مخطوطے پر حافظ محمد نوشہ صاحب کی مہر بھی ثبت ہے، جس پر محمد نوشہ ۱۲/۲۷ کندہ ہے یہ نایاب قلمی نسخہ حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب عمر پوری ملتانی حال خطیب جامع مسجد بیکانیری دروازہ بہاولپور کے ذاتی کتب خانہ کا مملوکہ ہے اور مولانا محمد عبداللہ صاحب نے عارتیہ' ہمیں عنایت فرمایا تھا۔ مخطوطہ نستعلیق میں ہے اور خط عمدہ ہے۔

تاویل الاحادیث کا یہ قلمی نسخہ مولانا محمد عبداللہ صاحب عمر پوری کو مولوی عبدالعزیز صاحب فرزند ارجمند مولوی فیض احمد صاحب غوری تحصیلدار ساکن بہاولپور سے ملا۔ مولوی فیض احمد صاحب، صاحبِ نسخہ کے خلف رشید ہیں۔ صاحب نسخہ حضرت مولانا الحاج حافظ عبدالمجید محمد نوشہ (خلف الصدق مولانا نور نبی غوری ٹونکی) حضرت مولانا بہادر علی ٹونکی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ مولانا بہادر علی صاحب کا نقش خاتم ''ہست زیارانِ بنی بہادر علی'' ہے۔ اور وہ حضرت سراج الہند شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد رشید ہیں۔

مولانا عبدالمجید بن نور نبی غوری ٹونکی بہاولپوری اپنے فضل وکمال کی بدولت نواب ٹونک کے داماد بنے اسی بنا پر محمد نوشہ کا لقب ملا۔ مولانا عبدالمجید کافی عرصہ حرمین شریفین کی اقامت سے فیض یاب ہوئے اس مدت میں وہ حرمین شریفین کے علماءِ کرام کے حلقہ درس میں شامل ہو کر ان کے فیوضات علمی سے بہرہ ور ہوتے رہے۔


toobaa-elibrary.blogspot.com

تاویل الاحادیث کا یہ قلمی نسخہ مولانا محمد نوشہ کا تحریر شدہ ہے۔ اگر چہ مولانا محمد نوشہ کی دوسری تحریر شدہ کتابیں اور مسودات اس طرح صاف خط میں نہیں۔ تاہم اس کا طرز تحریر ان سے مختلف نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کے لیے اعلیٰ کاغذ کی بہم رسانی اور صفائی خط کا خاص اہتمام کیا گیا ہے، اسی وجہ سے ان کی دوسری تمام تحریرات کے برعکس اس کتاب کے اوّل صفحہ کی پیشانی پر مہر ثبت ہے صاحب نسخہ کے متعلق جملہ معلومات ہمیں حضرت مولانا عبداللہ صاحب عمر پوری خطیب جامع مسجد بیکانیری دروازہ بہاولپور سے حاصل ہوئیں۔ تاویل الاحادیث کے مطبوعہ اور مخطوطہ نسخوں میں کہیں کہیں تو کافی فرق پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر آخری تاویل میں رسول اللہ ﷺ کے دور کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے مؤلف امام جب انشقاق قمر کا ذکر فرماتے ہیں تو کتاب کے مطبوعہ نسخے میں پوری ایک سطر غائب ہے، جو یہ ہے۔ ''قال بعض من له معرفة بعلم الاثر والحكمة الطبيعة كان'' اس کے بعد کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ چاند کے شق ہونے کا واقعہ قليلة الوقوع ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت کے لیے علامت بنایا ہے وغیرہ اس پر علمائے فرنگی محلی کی طرف سے اعتراضات کیے گئے ہیں اور جوابی رسالے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ علامہ کوثری نے بھی اس پر اعتراض کیا ہے۔ اس قسم کی عبارت تفہیمات الٰہیہ ج ۲ میں بھی موجود ہے۔ لیکن تاویل الاحادیث کے مخطوطہ نسخے میں مذکور سطر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحقیق شاہ صاحب کی اپنی نہیں ہے بلکہ کسی دوسرے اہلِ علم کی تحقیق ہے جو کہ منقول اور معقول دونوں میں معرفت اور مہارت رکھتے ہیں۔

مخطوطہ اور مطبوعہ نسخوں میں اس قسم کے کئی اختلافات ہیں، جن سب کو اکیڈمی کے مطبوعہ نسخہ تاویل الاحادیث کے حواشی میں تحریر کر دیا گیا ہے، گویا اکیڈمی کا شائع کردہ یہ نسخہ کتاب کے مطبوعہ اور مخطوطہ نسخوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ یہ نہایت کارآمد ثابت ہوگا۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

## ۶: المصفٰی فی احادیث المؤطا، فارسی

شاہ صاحب نے مؤطاامام مالک کی یہ نادرروزگار فارسی شرح کب تالیف فرمائی۔اس کا واضح جواب بھی ہمیں مصنف علام کی کسی تحریر سے بصراحت نہیں ملتا۔البتہ اس شرح کے مقدمہ کی ایک عبارت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حرمین سے واپسی کے بعد آپ نے یہ شرح لکھنا شروع فرمائی۔

المصفی 'کے مقدمہ میں شاہ صاحب ایک جگہ امام مالک اوراُن کی کتاب مؤطا کے فضائل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:"بالجمله ملاحظه ایں اُمور شوق روایته مؤطا اولاً وشرح آں ثانیاً پیدا کرد۔" ترجمہ:''خلاصہ یہ کہ ان فضائل کودیکھ کر یہ شوق پیدا ہوا کہ پہلے مؤطا کی روایت حاصل کی جائے اور پھراس کی شرح لکھی جائے۔''

مقدمہ کے آخرمیں آپ نے حرمین کے ان مختلف اساتذہ حدیث کے نام دیے ہیں جن سے آپ نے مؤطا کی روایت کوحاصل کیا۔اورآخرمیں مؤطا کی روایت کی ایک اسناد پر اکتفا کرکے اس کاتفصیل سے ذکرفرمایا ہے۔کیونکہ یہ اسنادسب کے سماع سے مسلسل ہے یعنی اسناد کے جملہ راویوں نے اپنے شیخ سے اس کتاب کوسنااوراُن کے روبرواسے پڑھاہے۔شاہ صاحب کی عبارت ملاحظہ ہو:

"باید وانست که ایں فقیر کتاب مؤطا روایت کرده است از شیخ ابوطاهر مدنی وشیخ تاج الدین قلعی وسیّد عمر بن احمد عقیل بن بنت شیخ عبدالله بن سالم البصری ثم المکی بسماع بعض و اجازة باقی بعد ازاں برشیخ وفد الله المغربی المکی المولد والمنشأ همه آں خواند واینجابر همیں اسناد اکتف می کند که مسلسل است بسماع جمیع۔"

''جاننا چاہیے کہ اس فقیرشاہ ولی اللہ نے مؤطا کتاب کی روایت کی ہے۔شیخ ابوطاہر مدنی شیخ تاج الدین قلعی،سیّدعمربن احمدعقیل سے جو کہ شیخ عبداللہ بن سالم بصری مکی کے نواسے ہیں۔کتاب کے بعض حصے کوسنا اور باقی کی اجازت حاصل ہوئی اس کے بعد پوری کتاب کوشیخ وفد اللہ مغربی الاصل اور مولد ومنشا کے لحاظ سے مکی کے روبرو



toobaa-elibrary.blogspot.com

پڑھا۔ یہاں اسی ایک اسناد پر اکتفا کی جاتی ہے جو کہ جمیع راویوں کے سماع سے مسلسل ہے۔"

مقدمہ کی مذکورہ عبارات سے اتنا تو واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ شاہ صاحب نے حرمین سے واپسی کے بعد اس شرح کو تالیف فرمایا ہے اور ویسے بھی شاہ صاحب حرمین شریفین جانے سے پہلے زیادہ تر درس و تدریس اور کتب بینی میں مشغول رہے، تصنیف و تالیف کا باقاعدہ سلسلہ حرمین سے واپسی کے بعد ہی آپ نے شروع فرمایا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہی شاہ صاحب حرمین سے واپس تشریف لائے اور کتبِ حدیث میں سے مؤطا کی طرف آپ نے زیادہ توجہ فرمائی تو آپ نے اس کی شرح لکھنا بھی شروع کردی۔ آپ کے ایک خاص تلمیذ اور سفر وحضر کے رفیق شاہ محمد عاشق صاحب کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے المصفیٰ شرح مؤطا کے مسودہ کو اختتام تک تو پہنچایا، لیکن وہ دوسرے مشاغل کی وجہ سے ان مسوادت کی ترتیب اور تہذیب کی طرف توجہ نہ کرسکے اور ایک مدت تک یہ کتاب غیر مرتب ہی رہی۔ اگرچہ اس کام کی طرف آپ کا دل برابر مائل تھا لیکن (فرصت کی) کوئی صورت نہ نکل سکی۔ یہاں تک کہ آپ کی رُوح پرفتوح نے ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز فرمایا۔ جب یہ واقعہ پیش آیا تو آپ کے عقیدت مندوں میں سے کسی کو یہ ہوش نہ رہی کہ ان اوراق کی تلاش کرے، آخر الامر پانچ چھ ماہ کی مدت گزرنے کے بعد ایک صالح نے حضرت کو خواب میں دیکھا کہ آپ گویا یہ فرما رہے تھے کہ میں مؤطا کے ترجمہ کی طرف بہت اشتیاق رکھتا ہوں اور آپ اس میں شغف ظاہر فرما رہے تھے۔ اس صالح دوست نے شاہ محمد عاشق کو یہ خوشخبری سنائی شاہ محمد عاشق فرماتے ہیں کہ اس وقت سے ان مسودات کی ترتیب اور تبییض کی طرف دل میں ایک پریشان کن شغف پیدا ہوا اور حضرت شاہ صاحب کے ایک تلمیذ خاص اور خصوصی محرم حافظ قرآن خواجہ محمد امین ولی اللہی سے اس شوق کو بیان کیا، وہ ان مسودات کو نکال کر، کتاب المسویٰ کو سامنے رکھ کر ترتیب اور تبییض میں لگ گئے اور ایک مدت تک اُنھوں نے بڑی کوشش فرمائی تب جا کر کتاب حسن انتظام سے



toobaa-elibrary.blogspot.com

آراستہ ہوئی اور اٹھارہ شوال بروز یک شنبہ ۱۱۷۹ھ میں مرتب ہوئی۔ والحمداللہ علی ذلک

شاہ محمد عاشق کی اصل عبارت بھی یہاں تبرکاً نقل کی جاتی ہے، یہ عبارت المصفیٰ شرح مؤطا مطبوعہ قدیم فاروقی پریس کے آخری صفحہ پر نظر آئی۔

''خلاصہ تحریر مولوی محمد عاشق صاحب تلمیذ مصنفؒ

الحمد اللّٰه وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ''

اما بعد فقیر محمد عاشق برضمیر صفا پذیر طالبان صادق واضح میگرداند که چوں ایں کتاب المصفیٰ شرح مؤطا امام مالك از قلم فیض رقم حجت الله حضرت شاه ولی الله عنه وارضاه به تسوید رسیّد بسبب اشتغال باشغال دیگر توجه ترتیب وتهذیب آں مسودات مبذول نشد ومدتی غیر مرتب ماند هر چند گوشه خاطر مبارك بانطرف همیشه مصروف بود لیکن صورت نمی گرفت تاآنکه رُوح پر فتوح ایشاں بملاء اعلی پر واز فر مود وچوں ایں واقعه رونمود کسی را از عقیدت مندان هوش نماند که تبفحص آں اوراق پرداز تابعد مدت پنج یاشش ماه صالحی حضرت ایشاں رادرخواب دید که گویا صیضرمانید به ترجمه مؤطا شوق بسیا ردارم واظهار شغف بآں میفر مایند انغریز نزد کاتب حروف آں بشریٰ را بیان نمود از هماں وقت شغفی معلق به ترتیب وتبییض آں مسودات بخاطرم افتاد ونزد حافظ کلام ربّ العالمین خواجه محمد امین ولی اللهی که تلمیذ خاص ومحرم بااختصاص جناب حضرت ایشاں بود شغف خود رااظهار نمود م ایشاں مسودات رابیرون آورده کتاب راپیش روئی نهاده ترتیب وتبییض گرفتند ومدتی جهد بلیغ نموده تاحسن انتظام یافت وثامن عشرة شوال یوم الاحد عند رابعة النهار ۱۱۷۹ تسع وسبعین بعد الالف والماته مرتب ومهذب گردید الحمد الله علی ذلك حمداً کثیراً۔

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اپنی زندگی میں المصفیٰ کو مرتب نہ فرما سکے اور دوسری یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ مؤطا کی عربی شرح المسویٰ جو کہ نہایت مختصر ہے آپ نے المصفیٰ سے پہلے تصنیف فرمائی۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر شاہ صاحب کے الفاظ میں ان عوامل اور محرکات کا بھی ذکر کیا جائے جن کی وجہ سے آپ نے حدیث

toobaa-elibrary.blogspot.com

میں سے مؤطا امام مالک کو انتخاب فرمایا۔ المصفیٰ شرح مؤطا کے مقدمہ میں حمد اور درود کے بعد شاہ صاحب رقم طراز ہیں:

"میگوید فقیر رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبدالکریم العمری نسباً الدھلوی وطناً ایں فقیر رامدتی بسبب اختلاف مذاهب فقها و کثرت احزاب علماء و کشیدن بر کسی بجانبی تشویش روی وادزیر که تعیین طریقی برائے عمل ضروریست وتعین بغیر ترجیح سفسطه ووجوه ترجیح بسیار واقوام رادر تقریر وجوه ترجیح اجمالاً وتفصیلاً اختلاف فاحش پس هر جانب دست و پاز دو فائده نه دید دار هر کسی استعانتی نمود حاصلی بدست ینامد بعد ازاں بتضرع تمام بحضرت باری جل مجده متوجه شد لمن لم یهدنی ربی لاکون من القوم الضالین انی وجهت وجهی للذی فطرا السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین، پس اشاره بکتاب مؤطا که تالیف امام همام حجة الاسلام مالك بن انس است رفت...... الخ۔" [مقدمہ المصفیٰ شرح مؤطاء، فارسی، طبع فاروقی]

"خدائے کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم جو نسباً العمری اور وطناً دہلوی ہے، کہتا ہے کہ مذاہب فقہا میں اختلاف اور اس کی وجہ سے علما کے جو بکثرت گروہ بن گئے ہیں کہ ان کے میں سے ہر ایک ایک جانب کھینچتا ہے، اس صورتِ حال سے میرے دل کو بڑی تشویش ہوئی اور یہ اس لیے کہ عمل کے لیے ایک طریقے کا تعین ضروری ہے اور یہ تعین ترجیح کے بغیر صحیح نہیں ہے اور ترجیح کے وجوہ مختلف ہیں۔ اور اس بارے میں علما میں اجمالی بھی اور تفصیلاً بھی بڑا اختلاف ہے۔ چنانچہ میں نے دائیں بائیں بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن بے کار اور ہر ایک سے مدد چاہی پر بے نتیجہ، پھر میں بڑے خشوع اور خضوع کے ساتھ باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا۔ اگر میرا ربّ مجھے ہدایت نہ دیتا تو یقیناً میں گمراہ لوگوں میں سے ہوتا۔ میں نے دوسروں سے منہ موڑ کر اپنا منہ اس ذات کی طرف کیا، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں اس پر مجھے (بذریعہ الہام) امام عظیم حجۃ الاسلام مالک بن انس کی کتاب مؤطا کی طرف اشارہ ہوا۔ ...... الخ"



toobaa-elibrary.blogspot.com

محولا بالا عبارت سے شاہ صاحب کا مؤطا امام مالک کی شروح لکھنے کا اصل محرک واضح ہو جاتا ہے۔ شاہ صاحب نے جس طرح قرآن مجید کی تعلیم میں ایک جدت فرمائی اور قرآن مجید کو مختلف تفاسیر سے الگ رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ پڑھانا شروع کیا اور اس کے لیے کچھ اُصول مقرر فرمائے جن کو آپ نے اپنی بیش بہا تالیف الفوز الکبیر فارسی میں جمع کر دیا ہے۔

اسی طرح علمِ حدیث کی تعلیم میں بھی ان کا مسلک عام علماء سے ممتاز و منفرد ہے۔ شاہ صاحب سے پہلے برصغیر ہندو پاکستان میں حدیث میں سب سے پہلے مشکوٰۃ پڑھتے تھے اور کی وضاحت اور شرح کے سلسلہ میں شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی کی دو شرحوں لمعات اور اشعتہ اللمعات کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ پہلی شرح عربی میں ہے اور دوسری فارسی یں شاہ صاحب نے اپنے دور میں اس طریقہ تعلیم میں یہ تجدید فرمائی کہ مؤطا کے درس کو مشکوٰۃ پر مقدم رکھا۔ اس طرح بقول علامہ اُستاذ عبیداللہ سندھی جب کوئی شاگرد شاہ صاحب کے طریقہ تعلیم پر عمل کرے گا تو اس کے سامنے دو کتابیں باقی تمام کتب پر مقدم رہیں گی۔ ایک قرآن مجید اور دوسری مؤطا امام مالک۔ جب مؤطا اور دوسری کتبِ حدیث کی ترجیح اور تقدیم میں اختلاف پیدا ہوا تو کتبِ حدیث کی تصحیح اور طبقات کی ترتیب میں بھی شاہ صاحب کے طریقہ کا دوسروں سے مختلف ہونا لابدی ہے۔ اکثر علما جو کہ صحیح بخاری کو جملہ کتبِ حدیث پر ترجیح دیتے ہیں، ان کے ہاں کتب احادیث کا پہلا طبقہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہوگا اور دوسرا طبقہ وہ ہے جو کہ ان دونوں کے شروط پر ہے اور تیسرا طبقہ کتب سنن جیسے سنن ابوداؤد اور سنن ترمذی ہے۔

اس سے یہ متفرع ہوا کہ اگر کسی حدیث کے متعلق محدث حاکم یہ کہے کہ یہ حدیث شیخین بخاری اور مسلم کے شروط پر ہے تو اس کو ایسی حدیث پر مقدم رکھا جائے گا جس کو امام ابوداؤد نے روایت کیا۔ اور اس پر خاموشی اختیار فرمائی۔ یعنی صحت اور سقم کے متعلق کوئی رائے پیش نہیں کی۔ اسی طرح کتب غریب جیسے ابن ماجہ، صحیح ابن حبان، صحیح ابن خزیمہ اور منتقی میں اگر کوئی حدیث صحیح بخاری اور صحیح بخاری کے شروط پر ہوگی تو وہ سنن ابوداؤد کی



toobaa-elibrary.blogspot.com

حدیث پر ترجیح پائے گی۔

ہمارے ان علما کا یہ دستور رہا کہ اُنھوں نے تصحیح احادیث کے سلسلے میں رجال کی توثیق پر کفایت کی اور مسلمانوں کے عمل و فکر کو در اخور اعتنا نہ سمجھا گیا۔ اہلِ علم کی صنف کو ہمارے اُستاذ علامہ عبیداللہ سندھی شیخ ابو طاہر مدنی کی پیروی میں وراتی (ورق گردانی کرنے والے) محدث کہتے تھے۔

علامہ اُستاذ سندھی فرماتے ہیں کہ متاخرین میں سے شیخ جلال الدین سیوطی اور اُن کے اتباع جیسے شیخ علی متقی اور شیخ عبدالحق صاحب دہلوی کی بھی یہی رائے تھی بلکہ شیخ عبدالحق تو سرے سے طبقاتِ احادیث کی ترتیب کے قائل ہی نہیں اور وہ کسی غریب کتاب کی حدیث کو جس کی اسناد رجالِ شیخین، صحیح بخاری و مسلم کے رجال ہوں، شیخین کی حدیث کے برابر سمجھتے ہیں۔ یا اس پر ترجیح بھی دیتے ہیں۔ اور شیخ عبدالحق صاحب اس مسئلہ میں شیخ کمال الدین ابن الہمام مجتہد کے پیروکار نظر آتے ہیں۔

شیخ عبدالحق کا یہ مسلک سرزمین پاک و ہند میں ان کے بعد بڑا مشہور ہوا اس میں شک نہیں کہ ابن ہمام بڑے پائے کے لوگوں میں سے ہیں لیکن اس بارے میں اُنھوں نے بھی غلطی کی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے مسلک کے مطابق حجة الله البالغة میں طبقاتِ کتبِ حدیث پر جو تحقیق فرمائی ہے وہ ہم کو ان علما کی تالیفات میں بھی نظر نہیں آتی جو مؤطا کو جملہ کتبِ حدیث پر مقدم رکھنے میں شاہ صاحب کے ہم نوا ہیں جیسے قاضی عیاض، ابن عیاض، ابوبکر العربی المالکی، حافظ مغلطائی حنفی۔

امام دارالہجرۃ سے ان کے زمانے میں تقریباً ایک ہزار شاگردوں نے مؤطا کو سن کر جمع کیا تھا۔ اس لیے ان روایات کی بنا پر اس کے متعدد نسخے مروج ہو گئے۔ فقہا و محدثین اور صوفیا و امرا اور خلفا نے بھی امام مالک سے تبرکاً مؤطا کی سند حاصل کی۔ سراج الہند شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں آج کل ملک عرب میں ان کثیر نسخوں میں سے چند نسخے پائے جاتے ہیں۔ پہلا نسخہ جس کا سب سے زیادہ رواج اور جو سب سے زیادہ مشہور ہے اور گروہ علما کا مخدوم



toobaa-elibrary.blogspot.com

بھی یہی نسخہ ہے وہ یحییٰ بن یحییٰ مصمووی اندلسی کا نسخہ ہے۔ چنانچہ جب مطلق یعنی بلاکسی قید کے مؤطا کہا جاتا ہے۔ تو فوراً اسی کی طرف ذہن جاتا ہے اور اسی پر منطق و چسپاں ہوتا ہے۔

یحییٰ بن یحییٰ مصمووی نے حضرت امام عالی مقام کی زیارت اور اُن سے استفادہ کی سعادت حاصل کرنے سے قبل قرطبہ میں زیاد بن عبدالرحمٰن سے تمام مؤطا کی سند حاصل کی تھی۔ اس کے بعد ان کو مزید علم حاصل کرنے کا شوق دامنگیر ہوا۔ چنانچہ بیس برس کی عمر میں اُنھوں نے مشرق کا سفر اختیار کیا۔ اور مدینۃ الرسول پہنچ کر اس میں امام مالک سے مؤطا کو سنا۔

۱۷۹ھ میں جو کہ امام مالک کی وفات کا سال ہے، ان کی امام سے ملاقات ہوئی۔ امام کی وفات کے وقت یہ وہاں موجود تھے۔ ان کی تجہیز و تکفین کی خدمت ان کو نصیب ہوئی اُنھوں نے عبداللہ بن وہب سے جو امام مالک کے جلیل القدر شاگردوں میں سے ہیں، ان کے مرتب کردہ مؤطا اور جامع کو روایت کیا ہے اس کے علاوہ امام مالک کے اصحاب میں سے ایک جماعت کثیر سے موصوف ملے اور اُن سے علم حاصل کیا حضرت شاہ عبدالعزیز نے لکھا ہے کہ حضرت امام مالک نے یحییٰ بن یحییٰ کو عاقل کے خطاب سے سرفراز فرمایا تھا۔ اور پھر ایک حکایت لطیفے کے طور پر نقل فرمائی ہے جو ہم بھی یہاں نقل کرتے ہیں۔

ایک دن عیسیٰ بن دینار (امام مالک کے جلیل القدر شاگرد) امام مالک کی خدمت میں حاضر تھے اور اُن سے استفادہ فرما رہے تھے۔ ان کے علاوہ اور اشخاص بھی فیض یاب ہو رہے تھے کہ دفعۃً ہاتھی کے آنے کا شور و غل ہوا۔ اب عرب میں ہاتھی کو نہایت تعجب سے دیکھا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض عرب کے رہنے والے ہاتھی کے دیکھنے کو فخر یہ بیان کر کے مبارکبادی کے خواستگار ہوتے ہیں جیسا کہ ابوالشمقمق کے ان دو شعروں سے ظاہر ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| یا قوم انی رائیت الفیل بعد کم | فبارك اللّٰه لی فی رؤیته الفیل |
| رائیة وله شئی یحرکه | فکدت اضع شیئا فی السراویل |



toobaa-elibrary.blogspot.com

”ترجمہ: اے میری قوم! میں نے تمھارے بعد ہاتھی کو دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ہاتھی کے دیکھنے میں میرے لیے برکت فرمائے۔ وہ اپنی کسی چیز (یعنی سونڈ) کو حرکت دے رہا تھا جب میں نے اس کو دیکھا تو ڈر گیا اور قریب تھا کہ میں اپنے پائجامہ میں کچھ کردوں۔“

غرض جب ہاتھی کے آنے کا شور وغل ہوا تو امام مالک کی جماعت کے اکثر افراد امام کو چھوڑ کر ہاتھی دیکھنے کو دوڑ پڑے، مگر یحییٰ بن یحییٰ اسی ہئیت وحالت میں بیٹھے فیض حاصل کرنے میں مشغول رہے اور نہ تو کسی قسم کے اضطراب کا اظہار کیا اور نہ ان سے کوئی بے ساختہ حرکت سرزد ہوئی۔ امام مالک اس وقت سے ان کو عاقل کے خطاب کے ساتھ مخاطب فرماتے تھے ابن بشکوال نے بیان کیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ مستجاب الدعوات تھے۔ وضع ولباس اور ہئیت ظاہری اور نشست وبرخاست میں بھی حضرت امام مالک کا اتباع فرماتے تھے۔ جو کچھ امام مالک سے سنا تھا اس کے مطابق فتویٰ دیتے تھے اور امام مالک کے خلاف جانا پسند نہ فرماتے تھے، اگر چہ اس وقت لوگوں میں ایک فقہی مذہب کی تقلید راسخ نہ ہوئی تھی نہ عوام میں نہ خواص میں۔ گو یحییٰ بن یحییٰ نے ہر مسئلہ میں امام مالک کے مذہب کو اختیار کیا ہے لیکن چار مسئلوں میں وہ لیث بن سعدی مصری کے مذہب کو اختیار فرماتے ہیں۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے ان چاروں مسائل کی اپنی کتاب بستان المحدثین میں تصریح فرمائی ہے۔ یحییٰ کی وفات ماہ رجب المرجب ۲۳۴ھ میں واقع ہوئی۔ ان کی عمر بیاسی برس کی ہوئی۔ قرطبہ میں ان کی قبر ہے۔

سراج الہند شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ المشائخ پیشوائے علمائے راسخین شاہ ولی اللہ دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے اس مؤطا کی جو بروایت یحییٰ بن یحییٰ لیثی ہے، دو شرحیں لکھی ہیں پہلی شرح کچھ دقیق اور مجتہدانہ فارسی زبان میں ہے۔ المصفیٰ فی احادیث المؤطا اس کا نام ہے اور دوسری شرح مختصر ہے اس میں صرف فقہا حنفیہ وشافعیہ کے مذاہب بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور کچھ ان ضروری اُمور کا بھی (جو مشکل تھے شرح غریب سے ضبط کر کے) بیان کیا ہے، اس کا نام المسویٰ من احادیث المؤطا ہے۔ راقم الحروف



toobaa-elibrary.blogspot.com

(شاہ عبدالعزیز) نے اس شرح کو ان سے ضبط واتقان سے سنا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس کے علاوہ مؤطا کے چودہ اور نسخوں اور اُن کے مرتبوں کا اپنی تالیف بستان المحدثین میں تفصیل سے ذکر فرمایا ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے المصفیٰ میں تحقیق کی کس نہج کو اختیار کیا ہے اور پھر مؤطا کے اصل نسخے میں کیا اضافے فرمائے ہیں، اس کو خود آپ کے الفاظ میں سنئے۔ المصفیٰ شرح مؤطا کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

"بالجمله ملاحظه ایں اُمور شوق روایت مؤطا اولاً وشرح آں ثانیاً پیدا کرد ودر شرح ترتیب وتبویب مسائل فقهیه برحسب ترتیب کتب فقه وذکر آیات متعلقه بهر باب وشرح غریب وترجمه هر حدیثی وبیان اختلاف فقها در هر مسئله بو جود آمد وتحدید الفاظ وار ده درنصوص واستخراج علته هر حکمی وتخلص بواسطه آں بقواعد کلیه جامعه مانعه وتعقب شافعی وغیر آں کو غوامض اسرار اجتهاداست ذکر کرده شدوو صل مرسل وماخذ اقوال صحابه وتابعین که از غوامض علوم محدثین است نیز ذکر کرده شد، واگر اهل زبان بفهم ایں غوامض نرسند وآں راغینمت نشمارندگله نیست زیر اکه از غوامض مجتهدین وغوامض محدثین هر دو معروض ومتغافل اند۔"

''خلاصہ یہ کہ مؤطا کی ان خصوصیات اور فضائل نے پہلے تو اس کی روایت کا اشتیاق پیدا کیا اور پھر یہ کہ اس کی شرح کروں چنانچہ میں نے شرح میں اس کے فقہی مسائل کو کتب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا اور ہر باب میں اس کے مناسب جو آیات شریفہ تھیں ان کا اضافہ کیا اور غریب و نامانوس الفاظ کی شرح اور حدیث کا ترجمہ کیا اور ہر مسئلے میں فقہا کا جو اختلاف ہے اس کو بیان کیا۔ میں نے نصوص میں آئے ہوئے الفاظ کی حدود اور تعریفیں بیان کیں۔ ہر حکم کی علت کا جس طرح استخراج کیا گیا ہے، اس کی کیفیت بیان کی اور اس طرح جیسے جامع و مانع قواعد تک پہنچا گیا۔ اس کا ذکر کیا اور امام شافعی کے امام مالک پر جو تعقبات ہیں اُنھیں بیان کیا اور دوسری چیزیں بھی کہ یہ سب اجتہاد کے غوامض اور پوشیدہ اسرار میں سے ہیں اور اگر کوئی مرسل حدیث ہے تو اس کا اتصال

toobaa-elibrary.blogspot.com

ذکر کیا اسی طرح صحابہ اور تابعین کے اقوال کا ماخذ (جو کہ محدثین کے پوشیدہ علوم میں سے ہے) بھی بیان کیا گیا ہے۔ اگر اس دور کے لوگ ان غوامض کے فہم کو نہ پہنچ سکیں اور اُن کو نعمت خیال نہ کریں تو ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے کیونکہ وہ مجتہدین اور محدثین دونوں کے پوشیدہ اسرار سے غافل ہیں۔"

ہمارے خیال میں یہ کتاب پہلی بار ۱۲۹۳ھ میں دہلی میں دو جلدوں میں طبع ہوئی۔ جلد اوّل مطبع فاروقی دہلی میں باہتمام محمد معظم صاحب چھپی۔ اس کے آخر میں یہ عبارت ثبت ہے:

"للّٰہ الحمدمن قبل ومن بعد کہ جلد اوّل کتاب مستطاب شرح مؤطا امام مالک مسمی بہ مصفی از عمدہ تصانیف جناب قدوہ محققین عمدۃ المفسرین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی باتصحیح تمام وتنقیح مالا کلام بتاریخ چھارم ماہ شعبان المعظم ۱۲۹۳ھ حلیہ انطباع وحلہ اختتام پوشیدہ۔"

جلد دوم مطبع مرتضوی دہلی میں باہتمام حافظ عزیز الدین چھپی اور اس کا سن طباعت بھی ۱۲۹۳ھ ہے جلد ثانی کا کاتب محمد امام الدین صاحب پنجابی ہیں اور قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے اصل عبارت ملاحظہ ہو: قطعہ تاریخ از کاتب جلد ثانی محمد امام الدین صاحب پنجابی۔

مصفی طبع شد شرح مؤطا — بہ ترتیب خوش ودستور زیبا
سروش غیب گفتار از سرلطف — بساعت سعد شد طبع مصفا

جلد ثانی کے آخر میں حاشیہ پر طبع المصفیٰ کے اختتام کی تاریخ قاضی طلا محمد خاں پشاوری کی طویل فارسی نظم موجود ہے، اسی طرح المسویٰ کی طبع پر بھی مذکور ناظم کی بہترین نظم لکھی گئی ہے۔

ان دونوں کے کچھ اشعار یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

ای در ھوس فلسفہ سر گشتہ سودا — گہ در صفتِ صورت وگہ بحث ھیولیٰ
از حکمت یونان نبری صرفہ طلب کن — خوش حکمت ایمان بخاری ومؤطا
ایں شرح مصفی است بسی طرفہ کہ دارد — در حل معانی مؤطا ید بیضا
شھدی است مصفا عجب امانہ بیاید — بی بخت موفا بلب ایں شھد ومصفا
در فکرت تاریخ بدم شایق وساعی — تاوصف مکرر شود ومدح مثنا



toobaa-elibrary.blogspot.com

گفت خرد نادرہ باغایت احسان — شد طبع مصفا چہ عجب شرح مؤطا

اس کے بعد المسویٰ شرح مؤطا کے طباعت کی تاریخ ہے، جس کے چند اشعار یہ ہیں:

صبح چو از دل زدود ظلمت سودا — خوردہ کافور ریخت برسر دُنیا

مشك فشاں شد صبا چو نطق محدث — چوں بکشاید زبان بدرس مؤطا

معدن اصناف علم و کنز معانی — مخزن اسرار دین بنام مسوی

مبتدعی قدرایں کتاب چہ داند — کورچہ داند رموز طلعت زیبا

چیست مسوی کتاب زاخر فاخر — جامع و کامل زجملہ عیب مبرا

چیست مسوی بحسن ونظم بلاغت — نام خدا قلزم لآلی لا لا

کللك طلا برنوشت سال تمامش — چیست مسوی کفیل شرح مؤطا

اس نسخے میں شاہ صاحب کی مؤطا کی عربی شرح المسویٰ بھی المصفی' کے ساتھ چھپی تھی۔ المسویٰ چوں کہ مختصر حواشی کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کو المصفی' کے حاشیہ پر رکھا گیا تھا۔ بعد میں مکتبِ رحیمیہ دہلی والوں نے اس پرانے نسخے کی نقل عمدہ کاغذ اور کتابت کے ساتھ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی کے ایما پر المصفی مع المسویٰ کو شائع کیا تھا۔ یہ دوسرا نسخہ بھی اس وقت کمیاب ہے۔ احقر راقم کے پاس دونوں نسخے قدیم اور تازہ اپنے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہیں۔ نیا نسخہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے زمانے میں بطور انعام ملا تھا۔ وللہ الحمد علی ذلك

## ۷: المسویٰ من احادیث الموطا

المصفی' شرح مؤطا فارسی کے تذکرہ میں گزر چکا ہے کہ مصفی کی ترتیب، شاہ صاحب کی زندگی میں ان کے کثرت مشاغل کی وجہ سے نہ ہوسکی۔ باقی المسویٰ چونکہ مختصر نوٹس کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے اس کی نہ صرف تدوین اور ترتیب مؤلف امام نے خود فرمائی لیکن اس کا درس بھی جاری فرمایا۔ اس لحاظ سے اس کی تدوین تو المصفی' کے ساتھ رہی ہوگی لیکن ترتیب اور تکمیل میں یہ المصفی' سے مقدم ہے۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ صاحب سے جن بزرگ تلامذہ نے مؤطا کی اس عربی شرح کو آپ سے پڑھا اور سنا ہے وہ بالفعل ہمیں تین اجلہ علما معلوم ہوئے ہیں۔

ا۔ مؤلف امام کے صاحبزادے سراج الہند شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی آپ اپنی تالیف بستان المحدثین میں فرماتے ہیں:

"ترجمہ: حضرت المشائخ پیشوائے علماءِ راسخین شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی اس مؤطا کی جو بروایت یحییٰ بن یحییٰ الیثی ہے دو شرحیں لکھی ہیں۔ پہلی شرح کچھ دقیق اور مجتہدانہ فارسی زبان میں ہے۔ المصفیٰ فی احادیث المؤطا اس کا نام ہے اور دوسری شرح مختصر ہے، اس میں صرف فقہا حنفیہ و شافعیہ کے مذاہب بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور کچھ ان ضروری اُمور کا بھی (جو مشکل تھے شرح غریب سے ضبط کر کے) بیان کیا ہے اس کا نام المسوی من احادیث المؤطا ہے۔ راقم الحروف (شاہ عبدالعزیز صاحب) نے اس شرح کو ان سے ضبط واتقان کے ساتھ سنا ہے۔ [اُردو ترجمہ، بستان المحدثین، ص ۵۰، اصح المطابع کراچی]

۲۔ دوسرے بزرگ ہیں مولانا عبدالرحمٰن بن نظام الدین سندھی ٹھٹوی۔ اس جلیل القدر عالم کا سندھ کے کسی بھی تذکرہ اور تاریخی کتاب میں ہمیں کوئی ذکر نظر نہیں آیا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنفوان شباب میں یہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ اُنھوں نے شاہ ولی اللہ صاحب سے قرآن مجید اور کتبِ حدیث کے علاوہ شاہ صاحب کی تالیفات مثلاً فتح الرحمٰن ترجمہ فارسی قرآن مجید، حجة الله البالغة، المسویٰ اور مؤطا اور دوسرے رسائل کو پڑھا ہے۔ شاہ صاحب نے ان کو اشغال صوفیہ کی تلقین بھی فرمائی ہے اور اپنی جمیع مرویات کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اور یہ سندھی عالم بیس برس تک مسلسل اس شغل میں رہے ہیں۔

شاہ صاحب نے مولانا عبدالرحمٰن سندھی کی قوت خیال میں بعض امراض کی وجہ سے کچھ خلل بھی محسوس کیا تھا اس لیے ان کو بھی فرمائی ...... کہ ان کو اپنے (مشاہدات اور) واقعات پر اعتماد نہ کرنا چاہیے جب تک ان میں میری طرف مراجعت نہ کریں یا فراست صادقہ سے ان



toobaa-elibrary.blogspot.com

کی تائید ہو جائے اور آخر میں احکام شرعیہ اور آداب صوفیہ پر استقامت کی وصیت فرمائی ہے۔
مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ مرقومہ اجازت بھی درج کی جائے جو شاہ صاحب نے ان کو مرحمت فرمائی ہے۔

''ترجمہ: حمد و صلاۃ کے بعد ربّ کریم کی رحمت کا محتاج ولی اللہ بن عبدالرحیم اللہ تعالیٰ اسے سلف صالحین کے ساتھ شامل کرے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے ساتھ ان کے باطن میں ایسی مخفی مہربانیاں ہیں جن کا ادراک نادر ہے اور یہ جو خدا کے بندے اس کی طرف کھچ کے چلے جاتے ہیں اس میں اللہ اور بندوں کے درمیان وہ مبارک نعمتیں ہیں جن کے معانی کا ادراک دقیق ہے۔ ان مخفی الطاف اور خوش گوار نعمتوں کا کچھ حصہ ہمارے دینی بھائی، صالح مصلح کو ملا۔ جس کے اوقات عبادات کے ساتھ آباد رہتے ہیں۔ اور اس کے انفاس نیکیوں کے سمندروں میں ڈوبے رہتے ہیں۔''

''(وہ ہیں) حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ نظام الدین ٹھٹوی جو کہ ہماری اقامت گاہ دہلی کے نزیل ہیں۔ اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت میں اس پر احسان فرمائے اور دارین میں اس کو اپنی نعمتوں سے نوازے۔ اللہ تعالیٰ اس کو میری طرف لے آئے اور اصفیا کے مخصوص طریقہ کا اس کو الہام کیا، پھر اس کو اس طریقہ کے سہل اور دشوار طریقوں پر چلنے اور اس کے آباد اور غیر آباد (منازل) کو طے کرنے میں تکالیف کی برداشت کا الہام فرمایا اور اس کو مراقبات اور توجہات کے اہتمام کی توفیق عطا فرمائی اور اس پر توحید منکشف فرمائی اور قوم (اصفیاء) کے پاس جو معتبر نسبتیں ہیں وہ بھی اس کو عطا ہوئیں جیسے نسبت احسان، نسبت اویسیہ، نسبت یادداشت، نسبت توحید اور نسبت عشق اور اس کو چند خوارق عادات چیزیں بھی مرحمت فرمائیں، مناجات کی حلاوت سے بہرہ ور کیا اور مختلف عبادتوں میں لذت نصیب کی اور نور ارواح کی رؤیت نصیب فرمائی۔ اس کو مسامرات لطیفہ (رُوحانی سرگوشیاں) اسما اور آیات کے خواص میں سے کچھ حصے پر مطلع کیا، اس کے ساتھ وہ اللہ اور اس کے رسول اور طریقت کے مشائخ کے ساتھ ظاہر اور باطن میں صدق نیت سے رہا، اس کا سینہ حسد اور خیانت کے مرض سے سلامت رہا حرص اور طول اُمید کی طرف

toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کا میلان کم رہا شدائد اور آلام میں اس کو صبر کی قوت حاصل تھی اور عبادات میں مشغول ہونے کی وجہ سے اس کو ان آلام کا احساس نہ رہا، اس پر اللہ تعالیٰ کے اور بھی احسانات ہیں جن کا بیان طویل اور شمار عسیر ہے، ان معاملات میں تقریباً بیس برس تک مشغول رہا۔''

''(اس پر) ان مخفی الطاف اور مبارک نعمتوں سے یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مجھ سے تحصیل علم کی توفیق عطا کی۔ اس نے مجھ سے قرآن مجید اوّل سے آخر تک حفص بن عاصم کی روایت سے پڑھا اور یہ سلسلہ پیغمبر علیہ السلام تک مسلسل ہے۔ (حدیث میں) صحیح بخاری، صحیح مسلم، مؤطا محمد بن حسن اس کے ایک (مختصر) حصہ کے علاوہ شرح السنة السنن نسائی کا آدھا پڑھیں اور دوسرے (شاگرد) کی قراءت سے دوسری مرتبہ صحیح بخاری کو مجھ سے سنا، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، مشکوٰة المصابیح، حصن حصین الجزری اور سنن نسائی کا کچھ حصہ بھی سنا۔ مجھ سے میری بعض تالیفات کو بھی سنا جیسے فتح الرحمٰن فی ترجمۃ القرآن، حجة الله البالغة ، المسویٰ اور دوسرے بہت سے رسائل جن کا شمار عسیر ہے۔''

''ان چھوٹی اور بڑی باتوں کے بعد (جاننا چاہیے کہ) اللہ تعالیٰ نے مجھ کو یہ شرح صدر فرمایا کہ میں اس مولانا عبدالرحمٰن سندھی کا ذکر خیر کروں اور اس کو مشہور اصفیائے اہلِ طرق کے اشغال کی اجازت دوں، تب میں نے (شرح صدر کے موافق) یہ کہا کہ میرا ہاتھ اس کا ہاتھ ہے، جس طرح میرے والد قدس سرہ نے فرمایا تھا اور میں نے اس کو خلافت اور نیابت کے طور پر صوفیا کا خرقہ پہنایا، طرق مشہورہ کی بعض اسانید اور اُن کے اشغال واذکار ہمارے رسائل میں سے کتاب الانتباہ فی سلائل الاولیاء میں مذکور ہیں۔ اور اس نے جو کچھ مجھ سے پڑھایا مجھ سے سنا یا میری مرویات میں سے اس کے پاس جو کچھ صحیح طور پر ثابت ہوا ان سب کے روایت کی میں نے اس کو اجازت دی، کتبِ حدیث کی اسانید میرے رسائل میں مذکور ہیں۔ میں نے اس کو آیات عظمیٰ، اسماءِ حسنیٰ اور اد مبارک کی بھی اجازت دی کہ ان کو تلاوت کرے اور حروف سے


toobaa-elibrary.blogspot.com

کتابت کرے یا اوقاف سے جس طرح مجھ کو میرے والد قدس سرہ نے اجازت فرمائی تھی۔ میں نے اس کو اس کے نفس کے حق میں یہ بتایا کہ اس پر بعض امراض کا غلبہ ہے لہٰذا اس کی قوت خیال میں کچھ خلل واقع ہے، اس لیے وہ اپنے اُوپر وارد ہونے والے واقعات (اور مشاہدات) پر تب تک اعتماد نہ کرے جب تک ان میں (میری طرف مراجعت نہ کرے یا فراست صادقہ سے اس کی تائید نہ ہوئی ہو۔"

"اس کے لطائف میں سے رُوح کا لطیفہ غالب ہے خاص طور پر اس کا وجہ یا چہرہ جو کہ عقل کو متصل ہے، اس لیے اس کی چراگاہ اور سیر گاہ نسبت اویسیہ اور نسبت احسان ہے اور اس کا نفس ناطقہ اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ اس کی دو قوتوں ملکیہ اور بہیمیہ میں ایک دوسرے کے ساتھ کھینچا تانی ہوتی ہے اور وہ دونوں پورے طور پر قوی نہیں ہیں، پس جب وہ احوال میں سے کسی حال کے ساتھ صحیح طور پر مشغول ہوتا ہے تو (قوتوں کے قوی نہ ہونے کی وجہ سے) پہلے کے واقعات کو بالکل بھلا دیتا ہے کہ گویا وہ کچھ نہ تھے، اس کو چاہیے (کہ اس کے لیے) غم نہ کرنے کیونکہ پہلی حالت کی بنیاد (اور اصل) چھپی رہتی ہے، جاتی نہیں ہے۔ اس کو چاہیے کہ جمیع جوانب کے جمع کرنے اور اور جمع اضداد کے احاطے کا خیال نہ کرے کیونکہ اس کا نفس تجاذب (اور باہمی کھینچا تانی) والا ہے اس لیے وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا اور اس صنف کے مزاج والوں کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ ان میں تلون (رنگا رنگی) اور ایک حال سے دوسرے حال کی طرف جانا طبعی اَمر ہوتا ہے۔"

"میں اس کو اس چیز کی وصیت کرتا ہوں جس کی میرے مشائخ نے مجھ کو وصیت کی اور وہ ہے احکام شرعیہ اور آداب صوفیہ پر استقامت اور وہ میرے لیے اور میرے مشائخ اور ساتھیوں کے لیے دُعا کرتا رہے، میں یہ کہتا ہوں کہ اللہ ارحم الراحمین سے مغفرت چاہتا ہوں۔ سب تعریف پروردگار عالم اللہ کے لیے ہے ان سطور کی کتابت بروز پنج شبہ ۲۹ رمضان ۱۱۶۰ھ میں ہوئی اور سب تعریف ہے اللہ کے لیے اوّل میں اور آخر میں اور ظاہراً اور باطناً اور اس کی بہترین مخلوق محمد اور اس کی اولاد و اصحاب پر اللہ کی رحمت اور سلام ہو۔" [تفہیماتِ الٰہیہ، طبع مجلس علمی، ج ۱، ص ۲۳۵ تا ۲۳۶]



toobaa-elibrary.blogspot.com

۳۔ تیسرے بزرگ عالم جنھوں نے شاہ صاحب سے المسویٰ کو پڑھا ہے وہ ہیں پنجاب کے شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم۔ شاہ صاحب نے ان کو ۱۱۷۳ھ میں سندِ فراغت و روایت مرحمت فرمائی ہے۔ شاہ صاحب اپنی اجازت کے آخر میں شیخ جار اللہ کے متعلق اپنی تالیفات کی اجازت کے متعلق فرماتے ہیں: موصوف (شیخ جار اللہ) نے مجھ سے بعض میری کتابیں اور رسالے پڑھے جو میں نے مختلف علوم کے متعلق تالیف کیے ہیں، ان میں ایک احادیث المؤطا پر مشتمل المسویٰ ہے جو اس نے اوّل سے آخر تک مجھ سے پڑھا اور آثار المؤطا اور اس کی احادیث کے متعلق امام مالک تک اپنا سلسلہ اسناد ملایا اور اس کے ساتھ ساتھ اکثر مباحث فقہی سے واقفیت بہم کی۔

میری کتابوں اور رسالوں میں سے جو اس نے مجھ سے پڑھے، ایک حجۃ اللہ البالغۃ بھی ہے، جو علم اسرار شریعت کے بارے میں ہے، نیز مجھ سے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، نقشبندیہ، گیلانیہ اور چشتیہ، ان تین طریقوں کے اشغال کے بارے میں القول الجمیل پڑھی۔ آخر میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''میں نے یہ سطور اوائل ۱۱۷۳ھ کے ماہ محرم کی اکیس تاریخ کو جمعہ کے دن لکھیں۔''...... سند کے شروع میں حمد و صلوۃ کے بعد فرماتے ہیں: ''میرا یہ نیک بخت بھائی شیخ جار اللہ بن عبدالرحیم جو اہلِ پنجاب میں سے ہے اور کتاب اللہ کی قراءت اور تجوید سے بہرہ ور ہے اور سنت رسول کا کافی حصہ اخذ کیا ہے قریباً چھ سال میرے ساتھ رہا۔''

[اس سند کا پورا ترجمہ ماہنامہ الرحیم کی گزشتہ اشاعتوں میں آچکا ہے اس لیے یہاں اختصار سے کام لیا گیا۔] اصل سند عربی میں ہے اور المسویٰ کے مکہ معظمہ کے مطبوعہ نسخے میں شائع کی گئی ہے۔ اس ضمن میں مولانا عبیداللہ سندھی کا حاشیہ ملاحظہ ہو۔ اس اجازہ (سند اور ڈگری) کا یہ نسخہ الصدر الحمید مولانا محمد اسحٰق الدھلوی کے وارثوں سے الشیخ عبدالستار الکلبتی الہندی کے ہاتھ لگا آخر الذکر ممتاز محدث اور حرم مکی کے اساتذہ حدیث میں سے ہیں قیاس غالب یہ ہے کہ اجازہ کا



toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ نسخہ خود اجازہ دینے والے یعنی امام ولی اللہ دہلوی کے قلم سے ہے۔ باقی حقیقت حال سے اللہ زیادہ باخبر ہے۔

[عبید اللہ بن الاسلام السندھی ثم الدھلوی الدیوبندی]

المسوی کی پہلی بار طباعت، المصفیٰ شرح مؤطا کے حاشیہ پر ۱۲۹۳ھ میں سیّد محمد بن عبد اللہ غزنوی سلفی کی کوشش سے ہوئی، المصفیٰ کی دو جلدیں تھیں، جلد اوّل مطبع فاروقی دہلی میں باہتمام محمد معظم صاحب بتاریخ چہارم ماہ شعبان المعظم میں طبع ہوئی اور جلد دوم مطبع مرتضوی دہلی میں باہتمام حافظ عزیز الدین طبع ہوئی اور دونوں کا سن طباعت ۱۲۹۳ھ ہے، اس کے بعد مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کی کوشش سے مکتبہ رحیمیہ دہلی والوں نے اس پرانے نسخہ کی نقل عمدہ کتابت اور کاغذ کے ساتھ دونوں شرحوں کو اس طرح شائع کیا کہ اس کے دو کالم بنائے گئے پہلے کالم میں المسوی اور دوسرے میں المصفیٰ میں متن مؤطا کو رکھا گیا۔

یہ شرح تیسری بار مطبع سلفیہ مکہ مکرمہ حجاز میں متن مؤطا کو الگ رکھ کر عمدہ مصری ٹائپ میں بہترین کاغذ پر ۱۳۵۴ھ میں طبع ہوئی اس کی طباعت کے اصل محرک علامہ اُستاذ عبید اللہ سندھی تھے اور طباعت کے مصارف حرم مکی کے محدث شیخ عبد الواہاب بن عبد الجبار دہلوی اور مطبع سلفیہ کے مالک شیخ محمد صالح نصیف نے برداشت کیے، کتاب کے شروع میں حضرت شاہ صاحب کے حالاتِ زندگی اور المؤطا کی فارسی شرح المصفیٰ پر آپ نے جو مبسوط مقدمہ لکھا تھا اس کا عربی ترجمہ ہے۔ کلمۃ الناشر" کے تحت ایک جگہ ناشر لکھتے ہیں۔

"ہمارے ہندی بھائیوں نے اس کتاب کو دہلی میں دوبار شائع کیا تھا۔ ایک بار ۱۲۹۳ھ میں سیّد محمد بن عبد اللہ غزنوی سلفی کی کوشش سے طبع ہوئی اور دوسری بار ۱۳۴۷ھ میں جمعیت العلماءِ ہند کے صدر شیخ کفایت اللہ دہلوی کی سعی سے چھپی، لیکن اُنھوں نے المسوی کو مستقل کتاب نہیں بنایا مگر مؤلف علام کی دوسری شرح المصفیٰ فارسی کے حاشیے پر اس کو رکھا، اس لیے اس سے استفادہ کرنا آسان نہ تھا اور اس کا نفع کم رہا اور پھر دونوں طباعتوں میں بعض مواضع کے اندر یہ نقص تھا کہ ان میں

toobaa-elibrary.blogspot.com

کہیں کہیں کلمات اور جملے غائب تھے جس کی وجہ سے خلط فاحش ہو جاتا تھا، اس لیے میں نے اس کو مستقل حیثیت دے کر چھاپنے میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا، اس نے اپنے فضل وکرم سے یہ کام میرے لیے آسان کر دیا اور یہ وہ کتاب ہے جس کو میں اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے حتی الوسعت تصحیح کے ساتھ عمدہ چھاپ کر یہ اُمید باندھ کر پیش کرتا ہوں کہ اس کو غور وخوض کے ساتھ پڑھیں اور اپنے دینی اور علمی مدارس کے نصاب درس میں اس کو شامل کریں، مثلاً ''دار الحدیث، المعھد السعودی''''الصولتیہ'' ''الفلاح'' یہ چاروں درس گاہ مکہ مکرمہ میں واقع ہیں ''جامعہ ازہر'' مصر، جامعہ زیتونیہ تیونس، جامع القروبین فاس۔ جامعہ قاسمیہ دیوبند، دار الحدیث دہلی، جامعہ اسلامیہ علی گڑھ، دار العلوم مصر، دار العلوم لکھنؤ، جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، جامعہ ملیہ دہلی، جامعہ افغانیہ کابل اور عالمِ اسلام کی دوسری درس گاہ تا کہ یہ کتاب دینی اور علمی ترقی کے لیے تخم کے طور پر ہو اور اس میں مسلمانوں کے لیے ان شاء اللہ بہت بڑا خیر پوشیدہ ہے۔''

کلمہ ناشر کے خاتمہ پر ان حضرات کی اعانت کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا گیا ہے جنھوں نے اس علمی کام میں ناشرین کی اعانت کی۔ لکھتے ہیں ان معاونین میں سب سے بڑے معاون علامہ اُستاذ شیخ عبید اللہ سندھی ہیں۔ کیونکہ اُنھوں نے ہمیں اس کتاب (المسوی) کے علمی مرتبہ پر متنبہ کیا اور اس کتاب کا اپنا قیمتی نسخہ عاریتاً ہمیں عنایت فرمایا۔ اور بعض مفید تعلیقات کا بھی اضافہ فرمایا۔

المسوی مطبوعہ مکہ مکرمہ کی طباعت میں جن خطی نسخوں پر اعتماد کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

۱- الفاضل مولوی نظر احمد ابن علامہ شہیر مرحوم مولوی الٰہی بخش فیض آبادی کا خطی نسخہ سن کتابت ۱۲۵۰ھ بروز جمعہ ۲۱ رشوال یہ نسخہ صحیح اور حسن کتابت کے خیال سے عمدہ ہے لیکن اس پر کوئی تعلیق یا حاشیہ نہیں ہے۔

۲- اُستاذ مولانا عبید اللہ سندھی کا خطی نسخہ سن کتابت ۱۲۵۲ھ یہ نسخہ مختلف شیوخ پر پڑھا



toobaa-elibrary.blogspot.com

گیا ہے اور مصحح ہے، اس میں مؤلف امام کے صاحبزادے امام عبدالعزیز دہلوی، شیخ محمد اسحٰق دہلوی اور شیخ محبوب علی دہلوی کے بعض حواشی بھی ہیں اور دوسرے فوائد بھی ہیں، اس نسخے کے کاتب شیخ عبدالرحمٰن ہیں جو کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے بھائی شاہ اہل اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب اس طرح ہے عبدالرحمٰن بن محتشم بن معظم بن مقرب اللہ بن اہل اللہ بن عبدالرحیم دہلوی۔ اس نسخہ کی کتابت مسند وقت مولانا محمد اسحاق کے دور میں شاہ عبدالعزیز کے مدرسہ جدیدہ میں ہوئی۔

المسوی مطبوعہ مکہ مکرمہ فروخت سے جتنی کاپیاں رہ گئی تھیں وہ سب کی سب شیخ عبدالوہاب دہلوی مکی نے علامہ اُستاذ عبید اللہ سندھی کے ربیب اور خصوصی خادم و رفیق مولانا عزیز احمد صاحب کو مکہ مکرمہ سے بھیج دی تھیں۔

## ۸ : الشرح تراجم ابواب صحیح البخاری

اس رسالے کے سنِ تالیف کے متعلق مصنف علام نے بصراحت تو کچھ نہیں لکھا، لیکن اس طرح فنِ حدیث میں غور و فکر کرنے کا میلان شاہ صاحب میں حرمین کے علمی سفر کے بعد ہی پایا جاتا ہے، اس لیے عین ممکن ہے کہ ۱۱۴۵ھ میں جب شاہ صاحب حرمین سے دہلی تشریف لا کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا تو اس وقت یہ رسالہ بھی زیرِ تصنیف آیا ہوگا۔ اور یہ تقریباً ۱۱۴۵ھ اور ۱۱۴۶ھ کے درمیان کا زمانہ ہے۔

رسالہ شرح تراجم بظاہر تو چھوٹا سا معلوم ہوتا ہے لیکن موضوع کے لحاظ سے نہایت اہم تصنیف ہے، کیونکہ صحیح بخاری کے تراجم ابواب کا حل کرنا ایک مشکل اَمر تصور کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں بڑے بڑے محدثین نے اگرچہ بہت کچھ لکھا ہے مگر شاہ صاحب کے اس مختصر سے رسالے کے مطالعہ سے مؤلف علام کے علمی تبحر کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

سہارن پور کے مشہور محدث حافظ مولانا شیخ احمد علی محشی صحیح بخاری اپنے حواشی کے مقدمہ میں تراجم ابواب پر جو تحقیق فرمائی ہے اس میں اگر ایک طرف حافظ الدہر حجر عسقلانی

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور ابوالولید باجی کی تحقیق کو اس ضمن میں ذکر فرمایا ہے تو دوسری طرف شیخ اجل قدوہ المحدثین ولی اللہ بن عبدالرحیم کی اس تالیف شرح تراجم ابواب تراجم ابواب صحیح بخاری کی عبارت کو بھی موضوع کی وضاحت میں بطورِ سند پیش کیا ہے۔

شاہ صاحب نے صحیح بخاری کے جملہ تراجم ابواب کو چند اقسام پر تقسیم فرمایا ہے، ان کی رائے میں امام بخاری کبھی کسی مرفوع حدیث کو جو ان کے مقرر کردہ شرائط پر صحیح نہیں اُترتی ہے ترجمہ باب میں لے آتے ہیں اور اس کی تائید میں باب کے اندر ایسی حدیث کو بطور شاہد ذکر فرماتے ہیں جو امام بخاری کے مقرر کردہ شروط پر مروی ہو، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس قسم کی مرفوع حدیث کو ترجمہ میں لاتے ہیں جو اگرچہ ان کے بیان کردہ شرائط کے مطابق نہیں ہوتی لیکن اس حدیث سے بذریعہ دلالۃ النص، اشارۃ النص وغیرہ کے کوئی مسئلہ استنباط کرنا ہوتا ہے اور کبھی کسی مذہب کے قول کو ترجمہ ذکر کرتے ہیں اور اس ترجمہ کے ذیل میں یا شاہد بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس مذہب کے ترجیح کے متعلق اپنی طرف سے امام بخاری کوئی قطعی رائے پیش نہیں کرتے اور ترجمہ کے تحت ذکر ہوتا ہے جس میں احادیث کا اختلاف ہے پھر ان سب احادیث کو ترجمہ میں کبھی ایسے مسئلے کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ فقہیہ کے لیے کسی رائے پر پہنچنا آسان ہوجائے۔ کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ ادّلہ آپس میں متعارض ہوتے ہیں اور امام بخاری کے ہاں اس تعارض کے رفع کرنے کی یہ صورت ہوتی ہے کہ ان کی نظر میں ہر ایک دلیل کا محمل الگ ہے پھر اس کو ترجمہ میں ذکر فرما کر تعارض کے دفع کی طرف اشارہ فرماتے ہیں اس طرح ان تراجم میں بیسیوں فوائد ہیں۔ جن کا شاہ صاحب نے اس رسالہ میں ذکر فرمایا ہے۔

شاہ صاحب نے اپنی اس مختصر تالیف میں بعض جگہ ائمہ مذاہب کے باہمی اختلاف کو ایسے اجتہادی شان سے مٹانے کی کوشش فرمائی ہے کہ ہمیں اس قسم کی تحقیق بڑے بڑے محدثین اور فقہا کے کلام میں بھی نظر نہیں آتی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس قسم کی کسی ایک تحقیق کا ذکر کیا جائے۔

صحیح بخاری میں ایک باب اس مسئلے کے بیان میں ہے کہ کیا ران عورت میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

داخل ہے یا نہیں ہے؟ شاہ صاحب اس کی تحقیق فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں مختلف مذاہب ہیں امام شافعی اور امام ابوحنیفہ کے ہاں ران عورت ہے، اس اتفاق کے بعد پھر یہ دونوں امام ناف کے عورت نہ ہونے کے اندر آپس میں مختلف ہیں۔امام مالک ران کو عورت قرار نہیں دیتے۔احادیث اس کے متعلق متعارض ہیں۔روایت کے لحاظ سے امام کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ ان مختلف احادیث کے جمع کرنے اور تعارض دفع کرنے کی یہ صورت ہے کہ کسی شخص کو ایسے لوگوں سے اپنی ران کا چھپانا ضروری نہیں ہے جو اس کے محرم راز ہوں اور عام طور پر اس کے پاس آتے جاتے ہوں۔ باقی دوسرے لوگ جو اس کے پاس کبھی کبھی آتے ہوں ان کے حق میں ران عورت ہوگی ان کے سامنے ران کو کپڑے سے چھپانا چاہیے۔اس تطبیق پر وہ حدیث دلالت کرتی ہے جس میں پیغمبر علیہ السلام کے پاس حضرت عثمان کے آنے کا قصہ مذکور ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے آنے کی خبر معلوم فرما کر ران کو چھپایا تھا۔حالانکہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے تشریف لانے کے وقت پیغمبر علیہ السلام کی ران کھلی رہی باقی یہ جو امام مالک فرماتے ہیں کہ مزدور، اونٹ چرانے والے لوگ اپنی نمازوں میں ران سے اُوپر کپڑے پر اقتصار کر سکتے ہیں، یعنی نماز میں ران کو نہ چھپائیں تو ان کے حق میں جائز ہے شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں اس قول کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہے، کیونکہ متعدد طرق سے مروی ہے کہ اس قسم کے لوگوں کو پیغمبر علیہ السلام نے ران سے لے کر گھٹنوں تک نماز میں ڈھانپنے اور چھپا رکھنے کے لیے مکلف نہیں فرمایا۔ یہاں ایک قاعدہ ہے جس کو یاد رکھنا چاہیے کہ نبی ﷺ نے نماز کے دو طریقے بیان فرمائے ہیں ایک ہے محسنین کی نماز اور دوسری عام مومنوں کی نماز کئی ایسی چیزیں ہیں جن کو عام لوگوں کی نماز میں جائز فرمایا ہے اور پہلے لوگوں کی نماز میں منع فرمایا ہے۔شاہ صاحب اس قاعدہ کا ذکر فرما کر مخاطب کو متنبہ فرماتے ہیں کہ جب تو نے اس قاعدہ کو یاد رکھا تو نماز کے متعلق اکثر مواضع میں ایک دوسرے سے متعارض اور متناقض باتیں وارد ہوئی ہیں ان سب کا سمجھنا تیرے لیے آسان ہو جائے گا۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

یہ رسالہ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری کئی بار طبع ہو کر شائع ہوا۔ لیکن سب سے صحیح نسخہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن والوں کی طرف سے ۱۳۲۳ھ میں ٹائپ میں چھپ کر شائع ہوا، جس کا نقل ۱۳۵۷ھ میں کتبِ حدیث کے مشہور خادم مولوی نور محمد نقشبندی چشتی مالک سابق اصح المطابع دہلی کی طرف سے صحیح بخاری کے شروع میں حسن کتابت اور صحت سے آراستہ ہو کر شائع ہوا اور اس کا پاکستانی ایڈیشن ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۱ء میں شائع ہوا جو کہ ہر جگہ دستیاب ہے۔

## ۹: چہل حدیث (عربی)

یہ رسالہ اس وقت میرے پاس موجود نہیں ہے اور نہ شاہ صاحب کی کسی دوسری تالیف میں اس کا نام ذکر ہوا ہے اس لیے اس کی تاریخ تدوین کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا حیاتِ ولی کے مصنف اس رسالہ کا اس طرح تذکرہ فرماتے ہیں۔

> ''اس چھوٹی سی کتاب میں شاہ صاحب نے وہ حدیثیں جمع کی ہیں جو اسلام کی مدار علیہ ہیں۔ اگرچہ اس نام کی اور نہ صرف نام بلکہ اس مضمون کی چند کتابیں اور علما نے بھی لکھی ہیں جو آج ہمارے پیش نظر ہیں لیکن جب ان میں اور اس میں صحیح اندازہ اور پورا موازنہ کیا جاتا ہے تو آسمان و زمین کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ شاہ صاحب نے نہایت مختصر مختصر حدیثیں جو ہر شخص کے لحاظ سے مفید اور سود مند ہیں درج کی ہیں اور تمام مضامین کا احاطہ کر لیا ہے۔ سچ پوچھیے تو آپ نے اہلِ اسلام کی سچی ہمدردی و خیر اندیشی مدنظر رکھ کر وہ کام کیا ہے جو ایک اعلیٰ درجہ کا مقتدائے قوم اپنی عزیز قوم کے لیے نہایت دل سوزی کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ مضامین سے قطع تعلق کر کے اس کی حسن نظمی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ [حیاتِ ولی، مطبوعہ سلفیہ، ص۵۵۷]

## ۱۰: الارشاد الی مہمات علم الاسناد

یہ رسالہ سفرِ حجاز سے واپسی کے بعد کی تالیف ہے کیونکہ اس میں شاہ صاحب کے اساتذہ وشیوخ حجاز کا ذکر موجود ہے۔ یہ مختصر کتاب کئی بار طبع ہوئی ہے، لیکن اس کا ایک صحیح مخطوطہ مولانا سیّد محب اللہ صاحب العلم پیر جھنڈہ کی علمی لائبریری میں نظر سے گزرا جو کہ دس اوراق کا ہے اور نسخہ کے



toobaa-elibrary.blogspot.com

کاتب سندھ کے مشہور عالم ومحدث قاضی فتح محمد صاحب نظامانی ہیں قاضی فتح محمد صاحب، پیر مولانا رُشد اللہ صاحب العلم کے بھی اُستاد گزرے پیر جھنڈہ کے علمی کتاب خانہ کی کئی نادر قلمی کتابیں قاضی صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، اس مخطوطہ کے شروع میں ناسخ کی طرف سے جو عبارت مرقومہ ہے وہ حسبِ ذیل ہے:

"ھذا الثبت المسمی بالارشادالی مھمات علم الاسناد لحافظ عصرہ مسند وقتہ الشیخ الاجل محدث الھند احمد بن عبدالرحیم العمری۔"

رسالہ کی ابتدائی عبارت میں جہاں مؤلف امام نے اپنے نام کا ذکر کیا ہے وہاں ایک حاشیہ بھی لکھا ہوا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آغاز کتاب کی عبارت یہاں نقل کر کے مکتوبہ حاشیہ بھی نقل کر دیا جائے۔

"الحمد للّٰہ الذی خص ھذہ الامۃ المرحومۃ بفضیلۃ عظیمۃ ھی حفظ الاسناد، وامد من شاء منھم بعلوہ وسعۃ طرقہ وما اعظم من امداد والصلوۃ والسلام علی سیّدنا المبعوث من اللّٰہ ھادیا واماما وعلی آلہ وصحبہ وحملۃ دینہ الحائزین من السعادۃ سھا ما امابعد فیقول خادم حدیث النبی ﷺ المفتقر الی رحمۃ ربہ الکریم احمد المعروف بولی اللّٰہ بن عبدالرحیم الدھلوی احسن اللّٰہ الیہ والی مشائخہ وابویہ۔"

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اس اُمت مرحومہ کو حفظ اسناد جیسی عظیم فضیلت کے ساتھ مخصوص کیا اور اُن میں سے جس کو چاہا اسناد کے علو اور طرق اسناد کی سعت اور کشادگی سے نوازا اور یہ بہت بڑی امداد ہے درود اور سلام ہمارے سردار اللہ کی طرف سے ہادی اور امام بنا کر بھیجے ہوئے پر اور اُن کی آل اور صحابہ اور اس کے دین کے حاملین پر جنھوں نے سعادت کے کئی حصہ جمع کیے، حمد وصلوۃ کے بعد حدیثِ نبوی کا خادم ربّ کریم کی رحمت کا محتاج احمد معروف بولی اللہ بن عبدالرحیم دہلوی کہتا ہے اللہ اس کے ساتھ اور اس کے مشائخ اور والدین کے ساتھ احسان فرمائے۔"

اس عبارت میں شاہ صاحب کے نام "احمد" پر عربی میں یہ تعلیق موجود ہے۔

"ھو ابومحمد دلدلہ ولد قبل مولانا عبدالعزیز فمی بمحمد فکنی بابی محمد



toobaa-elibrary.blogspot.com

المتولد ولی الله المحدث ١١١٥ فی رابع الشوال یوم الرابع فی مقام بلت متعلقة ضلع مظفر نگر المتوفی فی یوم السبت بعد الزوال فی التاریخ التاسع والعشرین ١١٧٦ فی الدهلی، وال مدفون فی الدهلی عند قبر والده مولنا عبدالرحیم المتوفی فی الیوم الاربعأ الصباح فی وقت الصباح فی اثنی عشر شهر الصفر ١١٣٠۔"

''شاہ صاحب کی کنیت ابومحمد ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز سے پہلے آپ کے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ جس کا نام محمد رکھا گیا اور آپ کی اس کے نام پر کنیت ابومحمد ہوئی، شاہ ولی اللہ صاحب محدث ۴ رشوال بروز بدھ ضلع مظفر نگر کے نواح میں موضع پھلت میں پیدا ہوئے اور مورخہ ۲۹ ربروز سینچر بعد زوال ۱۱۷۶ھ دہلی میں وفات فرمائی اور اپنے والد مولانا عبدالرحیم کے مزار کے قریب دہلی میں مدفون ہوئے شاہ عبدالرحیم کی وفات ۱۲ رصفر بروز بدھ بوقت صبح ۱۱۳۰ھ میں ہوئی۔''

یہ مخطوطہ اس عبارت پر ختم ہوتا ہے:

"داما المختارة للحافظ ضیاء الدین محمد المقدسی فرواه ابن البخاری عن عمه المؤلف، ولیکن هذا آخر الکلام والحمد لله اوّلا آخر الظاهر باطنا۔"

مولانا منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان نے اس رسالہ کا ذیلی طور پر اپنے ایک مضمون حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے کام کا مختصر تعارف میں اس طرح ذکر فرمایا ہے: مجموعہ رسائل اربعہ یہ بہت چھوٹے چار رسالے ہیں جن کا تعلق فنِ حدیث سے ہے۔

۱-الارشاد الی مہمات الاسناد...... ۲-رسالہ اوائل......۳-تراجم البخاری (یہ مذکورہ بالا رسالہ تراجم ابواب صحیح البخاری کے علاوہ ہے اور صرف ایک ورق پر ہے۔......۴-مایجب حفظه للناظر۔[الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر، ص ۳۸۷]

## ۱۱: حجۃ اللہ البالغہ

شاہ صاحب کی جملہ تالیفات میں سے یہ معرکۃ الآرا اور عالمی شہرت کی کتاب ہے اور یہ بھی سفر حرمین سے واپسی کے بعد کی تالیف ہے اور علم حدیث کے ''اسرار دین'' کے فن میں داخل ہے۔ مؤلف امام علم حدیث کے درجات پر بحث کرتے ہوئے اس کتاب کے مقدمہ میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

رقم طراز ہیں:

''ترجمہ: ہمارے نزدیک حدیثوں کے متعلق تمام فنون میں سے سب سے زیادہ باریک اور گہری بنیاد والا اور دور دور تک روشنی پہنچانے والا فن اور اسلام کی شریعت کے ساتھ تعلق رکھنے والے تمام علموں میں سب سے اُونچے درجے کا علم وہ ہے جس کا نام ہم علم اسرار دین رکھتے ہیں۔''

اس علم میں اس بات پر بحث ہوتی ہے کہ حدیثوں میں جو حکم دیے گئے ہیں وہ کیوں دیے گئے ہیں؟ ان میں کیا کیا حکمتیں ہیں؟ وہ کیا ضرورتیں ہیں جن کی وجہ سے حکموں میں درجے پیدا کیے گئے ہیں۔ یعنی کسی کو کم ضروری اور کسی کو زیادہ ضروری اور کسی کو بہت ہی ضروری بنایا گیا ہے۔ اس علم کے فوائد کیا ہیں، اس پر بھی مصنف علام نے اس طرح روشنی فرمائی ہے:

ترجمہ: ''یہ وہ علم ہے جس کے مطالعہ سے انسان میں بصیرت پیدا ہوتی ہے اور وہ گویا شرعی قانون کی حکمتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے اس لیے حدیث کے عام علموں کا اُوپر ذکر آچکا ہے اس علم کو علم اسرار دین سے وہی نسبت سمجھنی چاہیے جو شعر پڑھنے والوں کو علم عروض سے ہے۔''

جو شخص اس علم کا پوری طرح ماہر ہو جائے وہ پھر اندھیری رات میں لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح نہیں ہوتا۔ جو کبھی لکڑی کی جگہ سانپ پر بھی ہاتھ ڈال بیٹھتا ہے نہ وہ سیلاب میں غوطہ لگانے والے کی طرح ہوتا ہے کہ موتی کی تلاش میں اپنی جان بھی کھو بیٹھتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف کے کیا اسباب تھے، اس کو آپ مصنف علام کی اس تحریر سے معلوم کریں جو آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرمایا ہے:

ترجمہ: ''ایک روز میں عصر کی نماز پڑھ کر اللہ سے دھیان لگائے بیٹھا تھا کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ حضرت نبی اکرم ﷺ کی مبارک رُوح آئی ہے اس نے مجھے کوئی چیز اڑھائی اور مجھے ایسا خیال ہوا گویا کوئی چادر مجھ پر ڈالی گئی ہے، اس حالت کا مطلب میرے دل میں یہ ڈالا گیا کہ یہ دین اسلام کو نئی طرز سے بیان کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس دن سے میں اپنے سینے میں ایک نور سا پاتا ہوں جو ہر وقت پھیلتا جاتا ہے۔


toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کے کچھ عرصہ کے بعد مجھے الہام ہوا کہ میرے متعلق یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں ایک نہ ایک دن دین کا یہ بڑا کام ضرور کروں گا۔ اب زمین اپنے ربّ کے حکم سے جگمگا اُٹھی ہے اور غروب کے وقت شعاعیں انسانوں پر اسی طرح پڑنے لگی ہیں جیسے طلوع کے وقت پڑتی تھیں اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شریعت اس زمانے میں سائنٹیفک دلیلوں سے پوری طرح ثابت کی جائے۔ اس کے بعد میں نے حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو خواب میں دیکھا۔ اس وقت میں مکہ مکرمہ میں تھا۔ مجھے ایسا خیال ہوا کہ گویا اُنھوں نے مجھے ایک قلم دے کر فرمایا کہ یہ ہمارے نانا حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا قلم ہے۔''

اس کے بعد مَیں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ اس علم پر ایک چھوٹی سی کتاب لکھو جو ایسی سلجھی ہوئی زبان میں ہو کہ اسے شہری اور دیہاتی برابر سمجھ سکیں۔ اور وہ عام اور خاص مجلسوں میں پڑھی جا سکے اس کے چند سطر بعد آگے فرماتے ہیں:

''اب میری یہ حالت تھی کبھی تو ایک قدم آگے بڑھاتا تھا اور کبھی ایک قدم پیچھے ہٹا لیتا تھا، یہاں تک کہ میرے قابلِ عزت دوست محمد جو عاشق کے نام سے مشہور ہیں اس علم، علم اسرار دین کی قدر و قیمت اور اس کے بلند مرتبے سے واقف ہو گئے۔ اُنھیں الہام کے ذریعہ سے یہ بات اچھی طرح یقین کے ساتھ معلوم ہو گئی کہ انسانی نوع کی سعادت اس علم کی گہری باتوں کی تحقیق کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔'' ......الخ

ان عبارات سے اس علم کی اہمیت کے ساتھ یہ بات بھی مصنف علام کی تحریر سے واضح ہو گئی کہ مصنف کو اس علم میں کتاب لکھنے کا ارادہ تو پہلے سے پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس ارادہ پر عمل پیرا ہونے میں تاخیر ہوئی اس کا بھی مقدمہ میں ذکر موجود ہے۔ کتاب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مؤلف امام فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''قرآن مجید کی ایک آیت میں آتا ہے کہ وللہ الحجۃ البالغۃ، اس آیت میں انسان کی ذمہ داری اور اس کی کرموں کے پھل اور خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے قوانین کی حکمت کی طرف اشارہ ہے چونکہ یہ چھوٹی سی کتاب اسی علم کی شاخ ہے اس لیے



toobaa-elibrary.blogspot.com

مناسب معلوم ہوا کہ اس کا نام حجة اللّٰہ البالغة رکھا جائے۔"

اس کتاب کے متعلق حیاتِ ولی کے مؤلف رقم طراز ہیں، یہ کتاب یوں تو فقہ وحدیث کے متعلق لکھی گئی ہے لیکن حقیقت میں فقہ، حدیث، اخلاق، تصوف، فلسفہ پانچوں مضامین کا مزاق پایا جاتا ہے گویا ان پانچوں علوم کا عطر و مغز اس کتاب میں بھر دیا گیا ہے، آگے چل کر لکھتے ہیں: علامہ ابوالطیب نے اس کی نسبت اپنی وزنی رائے اس طرح ظاہر کی ہے۔

"ایں کتاب اگر چه درعلمِ حدیث نیست اما شرح احادیث بسیا دراں کرده وحکم واسرار آں بیان نموده تاآں که درفن خود غیر مسبوق علیه واقع شده ومثل آں دریں دروازده سال هجرت هیچ یکے از علمائے عرب وعجم تصنیفی موجود نیا مده ومن جمله تصانیف مؤلفش مرضی بوده است وفی الواقع بیش ازان ست۔" [حیاتِ ولی، مطبوعہ مکتبہ سلفیہ، ص ۵۵۸]

"یعنی کتاب حجة اللّٰہ البالغة اگر چہ علمِ حدیث میں نہیں ہے، لیکن اس میں بہت سی حدیثوں کی شرح اور اُن کے اسرار و حکمتیں بیان کی گئی ہیں حتیٰ کہ اپنے فن میں بے نظیر ثابت ہوئی ہے اور کسی اور کتاب کو کسی طرح بھی اس پر سبقت نہیں ہوئی، زمانہ ہجرت سے لے کر اس وقت تک کہ بارہ سو سال ہو چکے ہیں علمائے عرب و عجم میں کسی کی ایسی لاثانی تصنیف موجود نہیں ہے غرض کہ یہ کتاب مؤلف کی تمام تصانیف میں عمدہ اور بہترین تصنیف ہے اور حقیقت میں اس سے بہت کچھ زیادہ ہے۔"

ماہنامہ الفرقان کے فاضل مدیر مولانا محمد منظور نعمانی اپنے ایک مقالہ میں شاہ ولی اللہ اور اُن کے کام کا مختصر تعارف اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں۔ اس کتاب کو پورے "اسلام" کی شرح کہا جا سکتا ہے، میں اپنی زندگی میں کسی بشر کی کتاب سے اتنا مستفید نہیں ہوا، جس قدر کے اس کتاب سے اللہ نے مجھے فائدہ پہنچایا۔ میں نے اسلام کو ایک مکمل مرتبط الاجزا نظامِ حیات کی حیثیت سے اس کتاب ہی سے جانا ہے، دین مقدس کی ایسی بہت سی باتیں جن کو پہلے میں صرف تقلید امانتا تھا۔ اس جلیل القدر کتاب کے مطالعہ کے بعد الحمدللہ میں ان پر تحقیقا اور علی وجہ البصیرت یقین رکھتا ہوں۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا موصوف اسی مقالے میں دوسری جگہ فرماتے ہیں: اگر ماہرین اقتصادیات و معاشیات کی کوئی تاریخ لکھی جائے تو اس میں بھی شاہ صاحب کا تذکرہ نہایت نمایاں طور پر ہوگا صرف حجة الله البالغة اور البدور البازغة میں ابوابِ ارتفاقات کے ذیل میں اُنھوں نے اقتصادی اور معاشی مسائل پر جو کلام کیا ہے اور جو اُصول اس سلسلہ میں مرتب کیے ہیں اگر کوئی حکومت نیک دلی اور دیانت داری کے ساتھ ان کو اپنے دستور اساسی قرار دے لے تو یقیناً ان شاء اللہ اس کی قلمرو میں وہ ہمہ گیر بے چینی اور طبقاتی کش مکش پیدا نہ ہوگی جو اقتصادی اور معاشی اُلجھنوں ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے اور فی زمانہ جس نے قریباً ہر ملک کے باشندوں سے چین واطمینان اور زندگی کا سکون چھین لیا ہے اور بنی آدم کی غالب اکثریت نے حق میں جیتے جی ہی اس دُنیا کو دوزخ بنا دیا ہے۔

اس کتاب کی اسلامی ممالک میں پہلی بار ۱۲۹۴ھ میں بولاق مصر کی طرف سے دو جلدوں میں اشاعت ہوئی۔ [اکتفاء القنوع بماہو مطبوع ، تالیف ایدورد فندیک ، ص ۱۳۴] صاحب لباب المعارف العلمیه، حجة الله البالغة کے تحت لکھتا ہے: حدیثِ نبوی کی حکمت اور فلاسفی کو بالتفصیل بیان کیا ہے، خصوصاً کتاب کا پہلا حصہ نہایت ہی اعلیٰ فلسفیانہ مضامین پر مشتمل ہے، کیفیت خصوصیہ میں لکھتا ہے: ''مطبوعہ ہند۔ خوشخط اور صحیح نسخہ۔'' [لباب المعارف العلمیه، مکتبة دار العلوم الاسلامیة، ص ۳۶ ]

مصر میں بولاق کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن ادارہ طباعة منیریہ کے مالک اور مدیر محمد منیر دمشقی کی طرف سے ۱۳۵۲ھ میں دو جلدوں میں شائع ہوا تھا۔ جس کے حاشیہ پر کچھ توضیحی نوٹ بھی تھے حال ہی میں سیّد سابق کی تحقیق کے ساتھ دار الکتب الحدیثیه قاہرہ کی طرف سے ڈیمی سائز کے ۸۸۶ صفحات پر ایک جلد میں نیا ایڈیشن شائع ہوا ہے، اس میں مطبوعہ منیریہ سے حواشی میں کچھ اضافہ کیا گیا ہے۔

حجة الله البالغة کے قلمی نسخوں کے متعلق ڈاکٹر زبید احمد نے چار نسخوں کا ذکر کیا ہے۔ بانکی پور نمبر ۵۸۰، رامپور نمبر ۳۳۴، برلن نمبر ۱۳۸۱ اور قاہرہ کا نسخہ۔ [کنٹریبیوشن آف انڈیا ٹو اربیک



toobaa-elibrary.blogspot.com

لٹریچر، ص ۲۵۹، ص ۳۳۲] ہمیں ان قلمی نسخوں کے متعلق یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کب کے لکھے ہوئے ہیں۔

## ایک تاریخی قلمی نسخہ

حجۃ اللّٰہ البالغۃ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہمیں حال ہی میں سندھ کی مشہور علمی لائبریری پیر جھنڈہ میں مولانا الحافظ الحاج پیر محبّ اللہ شاہ کے ہاں دیکھنے میں آیا جو شاہ ولی اللہ صاحب کی وفات کے سات سال بعد اس کی کتابت ہوئی ہے اور کاتب کا نام محمود بن محمد ہے جو کہ سندھیوں کی ایک مشہور قوم پلیجہ کا فرد ہے۔ اس نسخہ کی کتابت کی تاریخ جمعرات بعد عشا ۹ رجب ۱۱۸۳ھ بتائی گئی ہے۔ اس کی کتابت میں کاتب نے اپنے فن کتابت کا اس طرح مظاہرہ کیا ہے کہ اتنی ضخیم کتاب کو صرف ایک سو چوالیس ڈیمی سائز کے اوراق میں ختم کیا ہے اور لطف یہ ہے کہ تحریر بھی صاف ہے اور یہ نسخہ اعلیٰ درجہ کی صحت کا حامل ہے۔ کتاب کے آخر میں کاتب کی طرف سے یہ عبارت سطور ہے:

"وقع انفراغ من تحرير الحجة البالغة بعد العشاء الآخر ليلة الخميس تاسع شهر رجب الفرد الحرام ۱۱۸۳ھ ثلاث وثمانين ومائة بعد الالف من الهجرة على صاحبها افضل الصلوات واشرف التسليمات على يداجوح العباد الى ربه المعبود مسكين محمود بن محمد الملقب بالطاهر بن محمود پليجه کهڈی عفی عنه ورحمه والديه وآبا به مع المومنين۔" [کھڈی حیدر آباد کے نواح میں کوئی گاؤں ہے۔]

شاہ ولی اللہ اکیڈمی کی طرف سے یہ کوشش جاری ہے کہ اس قدیم اور مصحح قلمی نسخہ کا عکس لے کر شائع کیا جائے۔ اور آخر میں ولی اللہی فلسفہ کے شارح مولانا عبید اللہ سندھی کی عربی میں حجۃ اللّٰہ البالغۃ کی شرح بھی شائع کی جائے۔ اس کے لیے ابتدائی مرحلہ پر کام شروع ہوگیا ہے اگر یہ صورت عمل میں آگئی تو علمی دُنیا میں اس کتاب کی سب سے بڑی علمی خدمت ہوگی۔ شاہ صاحب نے اس کتاب کے آخر میں اسرار دین کے متعلق جو عالمانہ رائے کا اظہار فرمایا ہے اس کا یہاں نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس عبارت سے اس فن میں کتاب

toobaa-elibrary.blogspot.com

اور مؤلف علام کے مقام اور مرتبہ پر روشنی پڑتی ہے؟ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''ترجمہ: جو کچھ ہم اس کتاب حجۃ اللّٰہ البالغۃ میں لکھنا چاہتے تھے وہ لکھ چکے اور جس شرط کا ہم نے التزام کیا تھا اس کی بھی خلاف ورزی نہیں کی لیکن یاد رکھو شریعت کے جو اسرار ہمارے سینہ میں محفوظ ہیں وہ سب کے سب اس کتاب میں ہم نے ذکر نہیں کیے آگے فرماتے ہیں بایں ہمہ یہ بھی ایک اَمر واقع ہے کہ جن اسرار کو ہم جانتے ہیں اور جن حقائق کا علم اللہ نے ہمیں بخشا ہے وہ اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کی اُمت کے کسی فرد کو آں حضرت ﷺ سے کیا نسبت ہو سکتی ہے جن کے قلب مبارک پر قرآن مجید کا نزول ہوا اور جن کو رُوح القدس سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل تھا۔ پھر بھی جو اسرار اور علوم آپ کے سینہ اطہر میں محفوظ تھے ان کو ان اسرار و حقائق اور اُن حکم و مصالح کا جز و حقیر بھی بمشکل کہا جا سکتا ہے جن کا علم خالق تعالیٰ کو ہے اس حقیقت کو خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر اس طرح ظاہر کیا۔ میرے اور تمھارے علم کو اللہ کے علم سے یہی نسبت ہے جو اس چڑیا کے چونچ میں پانی لینے کو اس دریائے بیکراں سے ہے۔''

______[الرحیم: ستمبر+اکتوبر ۱۹۶۵ء+فروری+اپریل+مئی+ جون ۱۹۶۶/ یہ مضمون ۶ /اقساط میں طبع ہوا۔]

❀......❀......❀



toobaa-elibrary.blogspot.com

# اسلامی معاشرت کی تشکیل اور ولی اللہی فکر

حضرت شاہ ولی اللہ سے متعلق علمی تحقیقات اور بالخصوص تصوف اور صُوفیائے کرام سے دلچسپی رکھنے والوں کے ہاں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر خلیق احمد نظامی کا نام کافی مشہور ہے۔ موصوف نے ابھی حال میں ایک سیمینار میں ایک مقالہ پڑھا، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کی اصلاحی وتجدیدی کا ذکر کیا، اس ضمن میں اُنھوں نے کہا۔ شاہ ولی اللہ کے افکار میں کئی انقلابی واصلاحی پہلو ایسے تھے، جن سے مسلمانوں کے دینی نظام فکر کا ایسا ڈھانچہ تیار ہوسکتا تھا، جو عہد جدید کے تقاضوں کو پورا کرتا، مگر اس طرف بہت کم توجہ کی گئی۔ نظامی صاحب کی رائے میں شاہ ولی اللہ نے اُس دور میں تغیر وانقلاب کی علامتیں دیکھ لی تھیں اور اُنھوں نے اپنے ہم عصروں کو اس ضرب سے آگاہ کردیا تھا جو اُن کے قدیم نظامِ فکر اور زندگی کے پرانے ڈھنگ پر پڑنے والی تھی۔

پروفیسر نظامی صاحب کے اس مقالے پر بحث کے دوران یہ اُمور منتج ہوئے۔ شاہ ولی اللہ کا مطالعہ دوزاویہ نگاہ سے کرنا چاہیے ایک تو ان کے وہ خیالات میں جو عارضی صورتِ حال اور واقعات کا ردِعمل کہے جاسکتے ہیں۔ اس ردِعمل کا اظہار اُنھوں نے عام طور پر عہد وسطی کی علمی واَدبی اصطلاحوں میں کیا۔ دوسرا یہ کہ اُن کے افکار کا ایک جامع ہیولی ہے، ان کی بنیاد اُن کا گہرا دینی شعور بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کا شدید احساس اور ہندوستان میں اسلام کے تاریخی پس منظر کا واضح تصور تھا اس پس منظر میں اُنھوں نے اسرار شریعت کے جو نکات بتائے اور جو خیالات پیش کیے وہ بنیادی طور پر اصلاحی تھے۔ اور بعد میں جو مختلف تحریکیں اُٹھیں، ان کے پیچھے ولی اللہی خیالات صاف طور پر کارفرما دیکھے جاسکتے ہیں۔

مولانا سندھی نے بھی اپنی کتابوں میں تعلیماتِ ولی اللہی کی اس دوگانہ حیثیت پر بارہا زور دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ گو شاہ ولی اللہ دہلی کی زبان میں بات کرتے ہیں، لیکن ان کے



toobaa-elibrary.blogspot.com

مخاطب دہلی کے اعلیٰ طبقہ کی توسط سے ایک طرف یہود ونصاریٰ اور مسلمانوں کی عربی و عجمی قومیں ہیں تو دوسری طرف یونان، ایران اور ہند کی آرین قومیں بھی مساوی درجہ پر خطاب میں شریک ہیں۔

مولانا مرحوم نے دوسری جگہ اُس کی تشریح یوں کی ہے: امام ولی اللہ کی تصانیف میں جس قدر قواعد کلیہ مذکور ہیں وہ دراصل ان کے فلسفہ کے اساسی اُصول ہیں اور انسانیت عامہ کو اسی کی دعوت دی گئی ہے اور اس ضمن میں جس قدر شریعت کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، وہ ان قواعد کی مثالیں ہیں۔ ان عمومی قواعد کو ان مخصوص مثالوں میں منحصر نہیں سمجھنا چاہیے۔

اب ہوا یہ کہ شاہ ولی اللہ کی وہ تعلیمات جنھیں ''عارضی صورتِ حال اور واقعات کا ردّ عمل'' کہنا چاہیے ان پر تو شاہ صاحب کے بعد آنے والوں نے بہت زور دیا، لیکن شاہ صاحب کی تعلیمات کا اساسی فکر جو بڑا جامع اور آفاقی تھا اور جس سے انسانیت عامہ اکتساب فیض کر سکتی تھی، اس کی طرف توجہ نہ کی گئی، مولانا عبید اللہ سندھی نے اس پر اظہار افسوس کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے، ہمارے اہلِ علم شاہ ولی اللہ صاحب کو ایک مدرسہ اور ایک مسجد کا مجدد یا امام وغیرہ وغیرہ تو سب کچھ مانتے ہیں لیکن یہ کہ وہ تمام انسانیت کی اصلاح کے داعی تھے، یہ بات اُن پر شاق گزرتی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں اس وقت جتنی بھی مسلمانوں کی دینی اصلاحی تحریکیں ہیں، وہ کسی نہ کسی حد تک حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے نامور فرزند جانشین شاہ عبد العزیز سے متاثر ہیں بلکہ علامہ اقبال اور مولانا شبلی تک نے بھی ان بزرگوں کے افکار سے استفادہ کیا ہے۔ اس ضمن میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے سرسیّد احمد خاں کو بھی اُن مصلحین میں شمار کیا ہے جو شاہ ولی اللہ کی تعلیمات سے متاثر ہوئے، اُن کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سرسیّد احمد خان نے شاہ ولی اللہ کے نظریہ اجتہاد کو اپنی تحریک کا بنیادی اُصول قرار دیا۔ اور ایک لحاظ سے اُنھوں نے شاہ ولی اللہ کے مشن اور کام کو پورا کیا۔ سرسیّد نے عہد وسطیٰ کے از کار رفتہ تصورات کے خلاف اعلان جنگ کیا اور ہندوستانی اسلام میں جدیدیت کی بنیاد رکھی۔

مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم بھی سرسیّد کے علمی مکتب کو فکرِ ولی اللہی کے سلسلے کی ایک کڑی



toobaa-elibrary.blogspot.com

سمجھتے تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ شاہ صاحب کی عقلیت کا سرسیّد کے ہاں ایک طرح کا بروز ہوتا ہے۔ بے شک دین اور عقلیت کی تطبیق میں سرسیّد سے غلطیاں ہوئیں، لیکن سرسیّد کا یہ اقدام کہ دین کو اپنے دور کی مسلمہ عقلیت کے مطابق کر کے اہلِ علم کے سامنے پیش کیا جائے، ہر لحاظ سے مستحسن تھا۔ اس سے جمود ٹوٹا اور ذہن کے دریچے کھلے۔ ایک زمانے میں مولانا سندھی کی طرح مولانا ابوالکلام آزاد بھی سرسیّد کے افکار سے متاثر ہوئے۔ اور اسی سے ان دونوں بزرگوں کے ہاں فکر نو کے سوتے پھوٹے۔

مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم نے برصغیر کی ملت اسلامیہ کے لیے مستقبل کا جو پروگرام بنایا تھا، اس میں خاص طور پر اس بات پر زور دیا تھا کہ کالج پارٹی جس سے اُن کی مراد علی گڑھ مدرسہ فکر تھا۔ اور علی گڑھ مدرسہ فکر سے وہ عام طور پر جدید مغربی تعلیم پائے ہوئے طبقے مراد لیتے تھے، دیوبند پارٹی سے، جس سے مولانا مرحوم کا مطلب قدیم دینی مدارس کے فارغ التحصیل تھے مل کر کام کرے۔ مولانا سندھی لکھتے ہیں:

> ''ہمارا یقین ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا انگریزی پڑھا طبقہ جسے ہم کالج پارٹی کا نام دیتے ہیں آگے چل کر لامحالہ ترکوں کے کمالی پروگرام کو قبول کرے گا۔ چونکہ ترکی میں پروگرام کے ساتھ لادینیت بھی آ گئی ہے اور لادینیت کے معاملے میں ہم سکوت نہیں کر سکتے، اس لیے اس کو روکنے کے لیے ہم امام ولی اللہ کی فلاسفی کو اپنے پروگرام کا ضروری اساس بتاتے ہیں۔''

کالج پارٹی اور دیوبند پارٹی کو ایک تاریخی رشتے میں پرونے کے لیے مولانا سندھی تو یہاں تک فرماتے تھے کہ دہلی کا وہ مدرسہ فکر جس کی بنیاد شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم نے رکھی تھی، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحٰق کے ذریعہ کسی نہ کسی شکل میں ۱۸۵۷ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد اس مدرسے کا ایک حصہ دیوبند منتقل ہوا اور دوسرا علی گڑھ۔ اس لحاظ سے مولانا محمد قاسم کی طرح سرسیّد احمد خاں بھی مدرسہ ولی اللہی سے منسلک ہیں۔ مولانا کی اس سے مراد اُستاد اور شاگرد کے رشتے کی نہیں، بلکہ ایک مجموعی فکر سے ہے، جسے اصطلاحاً ''مدرسہ'' کہا جاتا ہے۔

شاہ ولی اللہ کے فکر میں وہ عمومیت بھی ہے، جو اساس بن سکتی ہے انسانیت عامہ کی تشکیل



toobaa-elibrary.blogspot.com

وتنظیم کی۔ اوراس میں ملیت کی وہ خصوصیت بھی ہے جس کی بنیاد پر مسلمان اپنی اجتماعی زندگی استوار کر سکتے ہیں۔ اس لیے بھارت کے مسلمان آج جن حالات سے درپیش ہیں، ان میں اپنی اسلامیت کو زندہ وتوانا رکھنے کے لیے اس فکر سے بہت کچھ لے سکتے ہیں۔ اس طرح پاکستان میں مسلمان اسلامی معاشرہ، اسلامی اجتماع، اسلامی معیشت وسیاست کی تکوین میں جو کوشاں ہیں، اس میں اُن کو فکرِ ولی اللہی سے نہ صرف روشنی بلکہ کافی علمی مواد مل سکتا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ پاکستان اور بھارت دونوں ملکوں کے مسلمانوں کے فہمیدہ طبقے شاہ ولی اللہ اور اُن کے مدرسہ فکر کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ طرز قدیم کے دینی مدرسوں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے شعبہ ہائے اسلامیات میں شاہ ولی اللہ کی کتابیں داخل نصاب ہوں۔ اور مدرسہ ولی اللہی کے سلسلے کو اور آگے بڑھایا جائے۔ کوئی بھی فکر ایک جگہ رُک کر زندہ نہیں رہ سکتا، اس میں عمل ارتقا برابر جاری رہنا چاہیے۔

ہمارے نزدیک پاکستان میں اسلامی اجتماعیت کی تشکیل کی یہی راہ ہے، اس پر چلنا آسان بھی ہے اور یہ بہت حد تک ہمیں منزل مقصود تک لے ہے۔ ——

[الرحیم: ستمبر ۱۹۶۷ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# شاہ ولی اللہ کے انقلابی افکار

شاہ ولی اللہ صاحب کا زمانہ اٹھارویں صدی عیسوی کا ہے، آپ ۱۷۰۴ء میں پیدا ہوئے اور ۱۷۶۳ء میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اس صدی میں دُنیائے اسلام کے ہر حصے میں زوال کے آثار واضح طور پر سامنے آ گئے تھے۔ یوں تو مسلم معاشرے کا داخلی انتشار اور اس کے عناصر ترکیبی کی باہمی کشاکشی کافی عرصہ پہلے سے جاری تھی اور اس کے قوائے حیات میں بتدریج ضعف و اضمحلال آ رہا تھا، لیکن اس صدی میں یہ ہوا کہ مسلمانوں کے اس زوال سے فائدہ اُٹھانے والی اور اس طرح اس کی رفتار کو تیز تر کرنے والی یورپی قوموں کی طاقت تاریخ میں نمودار ہوئی اور اس کی یلغار اور معاشی لوٹ کھسوٹ اور بعد میں اس کے سیاسی تسلط نے دُنیائے اسلام کے زوال کی تکمیل کر دی۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ۱۷۶۳ء میں انتقال ہوا اور اس سے چھ سال پہلے انگریز پلاسی کی جنگ جیت کر بنگال پر قابض ہو چکے تھے۔

تاریخ ہند و پاک کے مشہور محقق پروفیسر شیخ عبدالرشید نے حال ہی میں ''اٹھارویں صدی میں برصغیر کے مسلمانوں'' پر ایک مقالہ لکھا ہے، جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کا بھی ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ اُنھوں نے اور اُن کے جانشینوں نے اس برصغیر میں پہلی دفعہ صورتِ حالات کا جائزہ لینے اور مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اس زمانے میں لوگ فوجیوں اور سیاست دانوں سے مایوس ہو چکے تھے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ برصغیر کی اس نازک گھڑی میں ان میں سے کوئی بھی آگے نہ آیا، جو حالات پر قابو پانے کی کوشش کرتا، مجبوراً لوگ صوفیہ کی خانقاہوں اور علما کے مدرسوں کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے اپنا مداوا چاہا، حضرت شاہ ولی اللہ اور اُن کے جانشین اس طبقے میں سے تھے اور اُن کی تحریک اس دور میں جو قوی



toobaa-elibrary.blogspot.com

جدوجہد ہوسکتی تھی اس کا ایک منظم اظہار تھی، اس کی بدولت مسلمان اس قابل ہوسکے کہ وہ اس سیلاب میں جوان کو غرقاب کررہا تھا اپنا سر اُونچا رکھ سکیں۔

پروفیسر شیخ عبدالرشید نے اپنے مضمون میں بعض اہلِ قلم کے ایسے اقتباسات دیے ہیں، جن میں حضرت شاہ صاحب کی دعوت اور اُن کی سرگرمیوں پر اعتراض کیا گیا ہے۔ جہاں تک شاہ صاحب کی اجتماعیات پر بحثیں ہیں، ان میں اُنھوں نے زیادہ تر وہی مواد دیا ہے اور اسی طرزِ فکر کو اختیار کیا ہے جو ان کے زمانے میں متداول تھا، البتہ ان بحثوں کے دوران وہ کہیں کہیں اپنی خاص بات کہہ جاتے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نئی فکر بھی رکھتے ہیں، لیکن چونکہ اس زمانے میں عام راہ سے ہٹ کر بات کرنا مشکل تھا اس لیے وہ کی کو باتوں میں اپنی خاص بات کہتے ہیں، یہ شاہ صاحب کا عام انداز ہے اور یہ اچھا خاصا کامیاب رہا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی خاص باتیں جو اُنھوں نے مقبول عام باتوں کے ضمن میں لکھی ہیں اگر آج بھی ان کو الگ کرکے پیش کیا جائے، تو اکثر راسخ العقیدہ بزرگ ان سے بھڑک اُٹھتے ہیں اور گو وہ شاہ صاحب کی عظمت اور بزرگی کی وجہ سے چپ رہتے ہیں لیکن ان پر کڑھتے ضرور ہیں۔ مولانا سیّد سلمان ندوی مرحوم ومغفور نے مولانا مسعود عالم مرحوم کو ایک خط میں لکھا تھا کہ شاہ ولی اللہ کا مطالعہ بڑی احتیاط سے کرنا چاہیے کیونکہ کہیں کہیں وہ کفر کی حدود تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس میں شک نہیں شاہ صاحب نے اکثر پہلوں کی بات دہرائی ہے، شاہ صاحب کی کتابوں میں ان مذکورہ باتوں سے ان کے فکری رُجحانات کا تعین کرنا صحیح نہیں ہے، اس کے لیے زیادہ گہرا جانے کی ضرورت ہے اور شاہ صاحب کو جن حالات ومشکلات میں تصنیفی کام کرنا پڑا، ان کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ کیا شاہ صاحب کی علمی وفکری عظمت کی یہ دلیل نہیں کہ سرسیّد اور اُن کے بعد آج بھی ہمارے ہاں جو نئے انداز سے دینی مسائل پر سوچتے ہیں، ان سب کو شاہ صاحب کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

یقیناً شاہ صاحب کا اجتماعی فکر بنیادی طور پر اٹھارہویں صدی سے تعلق رکھتا ہے اور اُن



toobaa-elibrary.blogspot.com

سے یہ توقع رکھنا کہ وہ آج کے صنعتی دور کی ضرورتوں کے مطابق اور اس کی زبان میں بات کہیں، زیادتی ہے حضرت شاہ صاحب کی ایک عبارت کے متعلق ایک دفعہ مولانا سندھی سے ایک صاحب نے شکایت کی کہ اس میں تو اُونچے اور نچلے طبقوں کا ذکر ہے۔ مولانا مرحوم نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ مشین کی ایجاد سے پہلے اس طرح کی مساوات عمل کا تصور کرنا مشکل تھا۔

باقی رہا شاہ صاحب کا فکری انقلاب کے لیے زمین ہموار کرنا، تو کیا اس کے لیے یہ ثبوت کم ہے کہ اُنھوں نے اس زمانے میں یہ لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد قیصر وکسریٰ کی جابر سلطنتوں کو ختم کرنا تھا۔ حجۃ اللّٰہ البالغۃ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو: ''آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ذریعہ عرب سے باطل کا قلع قمع کر دیا گیا اور پھر عرب کے ذریعہ ان ہر دو جابر سلطنتوں کا قلع قمع کر دیا گیا۔'' ......ان جابر سلطنتوں کے ذکر میں لکھتے ہیں: ''ان کی غیر معتدل مرفہ الحالی اور مسرفانہ عیش پرستی کے جراثیم اور مہلک عادات واطوار کی گندگیاں ان تمام ممالک میں سرایت کر چکی تھیں، جو ان کے زیر فرمان تھے۔''

شاہ صاحب کی کتابوں میں اس طرح کے اور بھی انقلابی افکار موجود ہیں۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کا دور مسلمان قوم کے زوال کا دور تھا۔ اور اُن کے بعد یہ زوال زیادہ بھی ہوا اور اس کی حدیں بھی وسیع ہو گئیں۔ چنانچہ بعد والوں نے شاہ صاحب کے ان انقلابی افکار کی طرف توجہ نہ دی اور اُن باتوں پر زیادہ زور دیا گیا، جو سلف کے تتبع میں تھیں۔

مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے خلاف شاہ ولی اللہ صاحب کا احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کی دعوت دینا، جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے۔ اس پر بھی بعض حلقوں کی طرف سے اعتراض کیا جاتا ہے۔ اوّل تو اس وقت مسلمانوں کے سامنے اپنی حفاظت کا سوال تھا۔ اس کے لیے جہاں سے بھی اُنھیں امداد ملتی، اسے وہ لیتے، دوسرے اس زمانے میں دریائے اٹک سے اس طرف ایک ملک اور دوسری طرف دوسرے ملک کا خیال ہی نہیں تھا۔ صدیوں سے افغانستان کے علاقے سلطنتِ ہند کے حصے تھے۔ شاہ ولی اللہ نے اگر واقعی احمد شاہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

ابدالی کو دعوت دی تھی تو وہ اپنوں کے خلاف غیروں کو دعوت دینا نہ تھا اس لیے آج جو لوگ اس پر اس بنا پر معترض ہیں، وہ زیادتی کرتے ہیں۔

شاہ صاحب کا احمد شاہ ابدالی کو مرہٹوں کی سرکوبی کرنے کے لیے لکھنا اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ایک عالم، مدرس، مصنف اور صوفی بھی اپنی قوم کے سود و زیاں سے غافل نہیں رہ سکتا۔ شاہ صاحب کا اصل مقام ایک صاحب فکر کا ہے۔ لیکن ان کے نزدیک فکر اور عمل دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

[الرحیم: فروری ۱۹۶۸ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# شاہ ولی اللہ کی دعوتِ دین

شاہ ولی اللہ کی علمی شخصیت کے فیوض کا سلسلہ ان کی زندگی ہی میں دور دور تک پہنچ گیا تھا ان کی وفات کے بعد ایک تو ان کے صاحبزادوں بالخصوص شاہ عبدالعزیز اور اُن کے مسترشدین اور اُن کے شاگردوں اور دوسرے ان کی تالیفات کے ذریعہ یہ فیض جاری رہا اور برصغیر کے اطراف واکناف میں ولی اللہی پیغام پہنچا اور اُن کی دعوت دینی سے اہلِ علم حلقے روشناس ہوئے۔ لیکن اس زمانے میں ہوا یہ اور یہ محض اتفاق نہیں تھا بلکہ اس زمانے کے معاشرتی حالات وکوائف، علمی وفکری رُجحانات اور مذہبی روایات ومعتقدات کا زبردست اور ہمہ گیر دباؤ تھا۔ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی دعوت کے عملی انقلاب کا پہلو صرف تحریک جہاد تک محدود رہا۔ سیّدی احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور اُن کی شہادت کے بعد برصغیر کے اندر اور دریائے اٹک کے اس پار مجاہدین کی مسلسل جدوجہد اور اُن کی بے شمار قربانیاں شاہ ولی اللہ کی اس دعوت کے سلسلے کی کڑیاں ہیں اس تحریک جہاد کی ناکامی کے بعد ولی اللہی دعوت کا فکری وعملی پہلو ائمہ کی تقلید اور عدم تقلید کی بحثوں میں منحصر ہو کر رہ گیا۔ مسلک دیوبندی اور مسلک اہلِ حدیث کی گزشتہ ستر اسی سال کی تاریخ اس کی ایک مثال ہے بد قسمتی سے بعض دوائر میں اب تک یہ کش مکش جاری ہے۔ اور ہر فریق شاہ ولی اللہ اور اُن کے مکتبِ فکر کو اساس بنا کر اپنے آپ کو حق پر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

بے شک شاہ صاحب کی دعوت میں یہ پہلو بھی تھے، لیکن ان کی دعوت کے اس مقصد کے علاوہ اور پہلو بھی تھے جن کی طرف اس زمانے میں کما حقہ توجہ نہ دی گئی۔ اور یہ پہلو تشنہ عمل ہی رہے شاہ صاحب کی دعوت کا ایک پہلو ان کا پوری انسانیت کو حکیمانہ انداز سے خطاب کرنا اور اسلام کو دین انسانیت کے رنگ میں پیش کرنا تھا۔ اس کے لیے اُنھوں نے تصوف وحکمت کو اپنی فکر کی اساس بنایا۔ اور عقیدہ وحدت الوجود کی ایسی تعبیر کی کہ اسلام کل انسانیت بلکہ ساری کائنات میں ارتباط اور ہم آہنگی پیدا ہو گئی/ ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی دعوت کا مرکزی اور



toobaa-elibrary.blogspot.com

بنیادی نقطہ یہی ہے۔اسی کی وجہ سے جہاں وہ ایک طرف شریعت وطریقت، فقہ حنفی اور دوسری فقہوں، فقہ وحدیث اور مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر میں مطابقت پیدا کرتے ہیں وہاں وہ سب ادیان ومذاہب میں مشترکہ نقاط کی نشان دہی فرماتے ہیں۔اور یہ ثابت کرتے ہیں کہ اصل دین ایک ہے اور اس کی مختلف تعبیریں مختلف زمانوں اور مختلف ظروف وحالات کا حتمی نتیجہ ہیں۔

مولانا محمد قاسم کی کتابوں میں شاہ صاحب کی اس انسانیت گیر حکمت کی جھلک ضرور نظر آتی ہے لیکن بدقسمتی سے اس نے ایک علمی وفکری تحریک کی شکل اختیار نہ کی اور مولانا قاسم کے بعد اس سلسلے کو اور آگے بڑھانے والا نہ ملا۔

شاہ ولی اللہ کی دعوت کا ایک پہلو اور تھا جس کو ان کے نام لیواؤں نے بالکل نظر انداز کردیا۔ یہاں تک کہ اس پہلو کی طرف شاہ صاحب کی کتابیں پڑھنے والوں کا دھیان تک نہیں جاتا تھا۔اور وہ پہلو تھا شاہ صاحب کی دعوت کا اقتصادی واجتماعی یعنی سماجی پہلو، شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں جگہ اس پر زور دیا ہے کہ جب معاشرہ کا اقتصادی توازن درہم برہم ہوجائے اور ایک مختصر طبقہ تو حد سے زیادہ امیر ہو، اور اکثریت زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم ہو تو اس معاشرے کے نہ اخلاق ٹھیک رہتے ہیں نہ اس کے افراد کا خدا سے تعلق قائم رہ سکتا ہے، اس معاشرے کی تباہی یقینی ہوتی ہے۔اور قضا وقدر اس کے لیے کوئی نہ کوئی سامان کرتا ہے۔اسی سلسلے میں شاہ صاحب نے یہ بھی بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ قیصر وکسریٰ کا تختہ اُلٹ دیا جائے۔ کیونکہ ان کی حکومتوں نے اس وقت کی دُنیا کے ایک بڑے حصے کو معاشی استحصال اور ظلم واستبداد کا نشانہ بنا رکھا تھا۔ چنانچہ ان کا ختم کرنا ضروری تھا کہ انسانیت کو ان مصائب سے نجات ملے۔اس سلسلے میں شاہ صاحب نے اپنے عہد کے خرابیوں کا ذکر بھی کیا۔اور بتایا کہ آج بھی وہی حالت ہے جو قیصر وکسریٰ کے وقت میں تھی۔

مولانا عبیداللہ سندھی کوئی چوبیس برس کی جلاوطنی کے بعد جب ۱۹۳۹ء میں وطن لوٹے تو اُنھوں نے ولی اللٰہی دعوت کے مذکورہ پہلوؤں پر خاص طور سے اہلِ ملک کی توجہ مبذول کرائی۔ اُنھوں نے اپنی کتابوں میں عوامی اجتماعوں میں، اپنی تقریروں میں، درس وتدریس اور گفتگوؤں



toobaa-elibrary.blogspot.com

میں ان اُمور پر زور دیا اور بتایا کہ آج مسلمانوں کو جن مسائل سے سابقہ پڑ رہا ہے خاص کر اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی مسائل سے نیز ان کے مختلف فرقوں میں جو نزاعات ہیں اُنھیں ختم کرنا اور انسانی تاریخ میں اور موجودہ دُنیا میں اسلام کے مقام کا تعین۔ ان سب مسائل کو شاہ ولی اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں حل کیا جاسکتا ہے۔

ـــــ[الرحیم: اپریل ۱۹۶۸ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# اجتماعیت: شاہ ولی اللہ کی نظر میں

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کی ولادت بروز چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۳ء ہوئی۔ عالمی تاریخ کے ارتقا میں آپ کا ظہور کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، قدرت کی طرف سے اسلام جیسے بین الاقوامی دین کی صحیح تعبیر اور اُمتِ محمدیہ کے مختلف فرقوں میں جو افتراق اور تشتت پیدا ہوگیا تھا اس کی اصلاح اور سرمایہ دارانہ نظام کی بدولت جو لوٹ کھسوٹ ہوتی تھی اسے دور کرنے کے لیے قدرت نے آپ کو منتخب کیا تھا۔

شاہ صاحب کا مختصر نسب نامہ اس طرح ہے، قطب الدین ولی اللہ (شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین اوشی دہلوی کی طرف سے رُوحانی طور پر شاہ صاحب کے والد شاہ عبدالرحیم کو آپ کی ولادت کی بشارت سنائی گئی تھی، اس لیے آپ کا ایک نام قطب الدین احمد بھی رکھا گیا) احمد بن عبدالرحیم بن وجیہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد العمری، اسی طرح یہ سلسلہ اسلام کے عظیم فاتح اور عادل خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔

ابن تیمیہ اور ابن رُشد کے بعد بلکہ خود انھی کے زمانے میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ اُمید نہ رہی تھی کہ پھر کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشہ دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں جب کہ اسلام کا نفس بازپسیں تھا شاہ ولی اللہ جیسا نامور شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی اور ابن رُشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے۔

[علم الکلام از علامہ شبلی]

شاہ صاحب کو قدرت کی طرف سے جو علمی اور عملی صلاحیتیں ودیعت ہوئی تھیں، ان کی نشوونما کے لیے ماحول کی سعادت اور موافقت کافی حد تک دخیل تھی۔ آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی نے علوم اور معارف کی تحصیل عالمگیری دور کے علما و صلحا اور اسلامی سوسائٹی سے کی تھی اور اُن کو خصوصی معارف ان کے نانا شیخ رفیع الدین دہلوی سے ملے تھے۔ شیخ



toobaa-elibrary.blogspot.com

رفیع دہلوی نے طریقت کا اکتساب اپنے والد بحر مواج قطب عالم سے کیا تھا۔ وہ اپنے والد بزرگوار امام عبدالعزیز بن حسن دہلوی سے مستفیض ہوئے تھے، جنھوں نے اپنے والد حضرت شیخ کمال الدین حسن بن طاہر دہلوی سے اکتساب کیا تھا۔ آخر الذکر بزرگ کی وفات ۹۰۹ھ میں ہوئی۔ (كان الشيخ الاجل الشيخ عبدالرحيم بن وجيه الدين الدهلوى اخذ العلوم والمعارف عن المجتمع الاسلامى العالمگیری، وتوارث المعارف الخاصة عن جده لامه الشيخ رفيع الدين...... الخ...... [التمهيد لائمة التجديد، قلمی نسخہ تالیف مولانا عبیداللہ سندھی])

شاہ صاحب کو اپنی زندگی میں دس سلاطین دہلی کی حکومت دیکھنے کا اتفاق ہوا، عالمگیر اعظیم، بہادر شاہ اوّل، معز الدین جہاندار شاہ، فرخ سیر، رفیع الدرجات، رفیع الدولہ، محمد شاہ، احمد شاہ، عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی، شاہ عالم ثانی کے عہد میں شاہ صاحب کی وفات سے تقریباً دو سال قبل کلائیو نے الہ آباد کے مقام پر بنگالہ اور بہار واڑیسہ کی دیوانی بادشاہ سے لے کر کمپنی بہادر کے حوالہ کی۔

حضرت اُستاذ علامہ عبیداللہ سندھی فرماتے ہیں:

''کہ تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ مذکورہ بالا سلاطین کے عہد میں ہندوستان کو کن کن لرزہ خیز واقعات وحوادث سے گزرنا پڑا، سادات بارہ کا تسلط، فرخ سیر کا ان کے ہاتھوں بصد بے کسی قید ہونا، پھر تورانی اُمرا کے ہاتھوں سادات بارہ کا زوال، مرہٹوں کی بغاوت اور اُن کا عروج، سکھوں کی بغاوت، نادر شاہ کی یلغار اور دہلی میں قتل عام۔ احمد شاہ ابدالی اور معرکہ پانی پت میں حق کا باطل پر غلبہ، سیاست ہند میں روہیلوں کی شرکت ومساہمت، ایرانی وتورانی اُمرا کی رقیبانہ چپقلش، ہندوستان میں یورپین اقوام کی للچائی ہوئی نگاہیں، پھر انگریزوں کا بنگال وغیرہ میں عمل دخل اور اسی قسم کے دوسرے انقلابات شاہ صاحب نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔'' [شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک]

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب جس تحقیق اور تجدید کے داعی تھے اس کی تخم ریزی آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب کی طرف سے ہوئی تھی، جس کی آبیاری شاہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

صاحب نے کی۔ ولی اللہی دعوت کا اگر صحیح تجزیہ کیا جائے تو اس کے بنیادی اُصول چار معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن پاک پر غور کرنا اور مفسرین کے ذاتی آرا اور خیالات کو چھوڑ کر (براہِ راست) قرآن سے ہدایت حاصل کرنا شاہ صاحب نے اس تدبر کے چند اُصول، اپنی مخصوص تالیف الفوز الکبیر میں بیان فرمائے ہیں: ("قد تحقق عندی ان الشیخ الاجل عبد الرحیم بن وجیه الدین الدهلوی هوالذی بذر بذور التحقیق والتجدید الذی یدعوالیه الامام شاه ولی الله الدهلوی...... الخ" [التمهید لائمة التجدید، قلمی نسخہ تالیف مولانا عبیداللہ سندھی])

## قرآن مجید میں تدبر کی اہمیت

شاہ صاحب نے قرآن مجید کے باتدبر مطالعہ کو ایک سنت لازمہ قرار دیا تھا، قرآن مجید کے فارسی ترجمہ اور فوائد فتح الرحمٰن (مختصر تفسیری حواشی) کو اسی تدبر کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ آپ کے بعد، آپ کے فرزندانِ گرامی شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین تینوں نے اپنے والد بزرگوار کی پیروی میں قرآن مجید کی بڑی خدمت کی۔ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر فتح العزیز لکھ کر قرآن مجید میں تدبر اور غور و خوض کرنا اور آیاتِ قرآنی کو اپنے دور کے لوگوں کے حالات پر چسپاں کرنے کے لیے ایک عمدہ نمونہ پیش فرمایا۔ آگے چل کر ولی اللہی جماعت میں سے مولانا شیخ الہند محمود الحسن نے شاہ عبدالقادر کے ترجمے موضح القرآن کی اس طرح اصلاح فرمائی کہ اُردو کے متروک الفاظ کی جگہ مستعمل الفاظ رکھے اور اس کا نام موضح الفرقان رکھا۔ ("وقد جعل الامام ولی الله قراءة القران مع التدبر سنة لازمة، ثم تبعه علی ذلك اولاده...... الخ" [التمهید لائمة التجدید، فصل ۲، باب ۱۰])

قرآن مجید میں تدبر کرنے کے لیے شاہ صاحب کے بتائے ہوئے اُصولوں کو اگر غائر سے دیکھا جائے تو ان سے واضح ہوتا ہے کہ شاہ صاحب قرآن مجید کی تعلیمات میں اجتماعی رُوح اور اجتماعیت کو بہ روئے کار لانا چاہتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ شاہ صاحب نے کھل کر فرد کے مقابلے میں اجتماع اور انفرادیت کے مقابلے میں اجتماعیت کو بہت زیادہ نمایاں نہیں کیا۔ جس کا



toobaa-elibrary.blogspot.com

باعث یہ ہے کہ اس دور میں جو ملکی حالت تھی وہ اس قسم کے افکار کی اشاعت اور علانیہ تائید کی متحمل نہ تھی، کیونکہ وہ بادشاہوں کا دور تھا اور بادشاہی دور میں فردہی طاقت کا محور رہتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے نزول کے اصلی مقصد سرمایہ دارانہ نظام کی اصلاح، عادلانہ نظام کا قیام اور فاسد اجتماعیت کی جگہ صالح اجتماعیت کو پیدا کرنا قرار دیا، چنانچہ قرآن حکیم کے پڑھنے میں اجتماعیت پر سوچنے اور غور وخوض کرنے کی دعوت دی۔

نبی کریم ﷺ کے زمانہ بعثت کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمیں دُنیا کے مہذب ممالک دو سلاطین کے زیرِ نگین معلوم ہوتے ہیں ایک کسریٰ شہنشاہ ایران، دوم قیصر روم۔ عراق، یمن، خراسان اور اُن کے متصل ممالک بھی کسریٰ کے زیرِ اقتدار تھے۔ ماوراء النہر (بخارا، سمرقند، تاشقند وغیرہ) اور ہندوستان کے سلاطین اور حکمران بھی کسریٰ کے باج گزار تھے، ہر سال ان ممالک سے لگان کا ایک مقرر حصہ کسریٰ کی طرف سے وصول کیا جاتا تھا۔ روم اور اس کے نواحی ممالک پر قیصر کا تسلط تھا، مصر، مغرب، افریقہ کے سلاطین، قیصر روم کے تابع تھے۔ کسریٰ اور قیصر دونوں شہنشاہوں کا نظام سرمایہ دارانہ نظام تھا اور اُن دونوں فرمارواؤں کو شکست دے کر ان کے ممالک پر قبضہ کرنا روئے زمین پر قبضہ کرنے کے مترادف تھا۔ اس لیے پیغمبر علیہ السلام نے مبعوث ہوتے ہی ھلك قیصر فلا قیصر وھلك کسریٰ فلا کسریٰ کا اعلان فرما کر گویا سرمایہ داری نظام کے خاتمہ کا اعلان فرما دیا۔

ایک جگہ شاہ صاحب اہلِ فارس اور اہلِ روما کی عیاشانہ زندگی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ”تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ روما اور اہلِ فارس (ایران) میں ایک لمبی مدت تک حکومت رہی۔ اُنھوں نے اپنے دور کے حالات کے مطابق تمدن کے لوازم اور رفاہیت (آرام پرستی) اور عیاشانہ زندگی میں غیر معمولی ترقی کی، آخرت کی یاد کو پس پشت ڈال کر اپنی دینوی زندگی کو عیاشی کے ساتھ بسر کرنا اپنا نصب العین قرار دیا اور شیطان نے ان پر اپنا پورا تسلط جمالیا، اطراف عالم سے موجد اور مخترع کھینچ کر وہاں چلے آئے اور



toobaa-elibrary.blogspot.com

زندگی کی لذتوں کے متعلق کئی ایک نئی چیزیں اور نئے طریقے دریافت کیے۔ تمام اُمرا اور سرمایہ دار عیش پرستی میں منہمک تھے اور اس بارے میں دوسرے سے سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے، ان کے متعلق یہاں تک مشہور ہے کہ ان عیش پرست اور خود پسند اُمرا میں جس کا کمر بند ایک ہزار روپے سے کم قیمت کا ہوتا تھا اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ہر سرمایہ دار اور امیر کبیر کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ اس کے پاس ایک شاندار محل ہو جس کے صحن کے سامنے باغ ہو، حمام وغیرہ جیسے لوازم اس میں موجود ہوں۔ اس کے دستر خوان پر الوان نعمت چنے جائیں اور اس کی زرق برق پوشاک سب لوگوں میں نمایاں ہو، نیز اس کے پاس عمدہ نسل کے گھوڑوں اور راحت بخش گاڑیوں کی کمی نہ ہو اور خدمت کے لیے لونڈیاں اور کمر بستہ غلام حاضر باش رہا کریں۔''

شاہ صاحب اپنے دور کے سلاطین اور والیانِ ریاست کی مثال دے کر اہلِ روما اور اہلِ فارس (ایران) کی حالت اس طرح سمجھاتے ہیں:

''عصرِ حاضر کے ملوک وسلاطین اور والیانِ ریاست کے ٹھاٹھ دیکھ کر تم ان کی عیاشیوں اور زندگی کے مرافق میں غلو اور حد سے بڑھنے کا اندازہ لگا سکتے ہو۔ عیش پرستی کا یہ طریقہ ان کے رگ وپے میں سرایت کر چکا تھا۔ جس کی وجہ سے تمام تمدن اور معاشرہ میں ایک لاعلاج روگ پیدا ہو گیا، دوسرے سب لوگ ان کی دیکھا دیکھی عیاشیوں پر مائل ہو گئے کیونکہ یہ ایک سچا مقولہ ہے اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِھِم یعنی عوام اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں۔ رعیت کے ہر طبقہ میں اپنی حیثیت کے موافق عیاشی کا مرض پھیل گیا اور اس نے وبائے عام کی صورت اختیار کر لی اس عیاشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ قسم قسم کی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے کیوں کہ عیاشانہ زندگی بسر کرنے کے لیے جس ساز وسامان کی ضرورت تھی اس کا حاصل ہونا بہت سی دولت خرچ کرنے کے بغیر ناممکن تھا۔ اس لیے ان ملوک وسلاطین نے اپنی رعیت اور بیوپاروں پر اور اُمرا نے اپنی اسامیوں پر بھاری بھاری لگان (ٹیکس) عائد کیے۔ اس حالت میں ان غریبوں کے لیے دو ہی راہیں تھیں، ایک تو یہ کہ بغاوت کا علم بلند کریں اور مسلح ہو کر



toobaa-elibrary.blogspot.com

مقابلہ کریں، ایسا کرنا تو ان کے امکان سے باہر تھا کیونکہ یہ لوگ بے سروسامان تھے، ان کے سامنے دوسرا راستہ یہ تھا کہ سلاطین اور سرمایہ داروں کی اطاعت سے منہ نہ موڑیں چوپایوں اور گدھوں کی سی ذلیل زندگی بسر کریں جن سے ان کی مرضی کے بغیر ہل چلانے اور کنویں سے پانی نکالنے کا کام لیا جاتا تھا۔ اور جن کی تھوڑی بہت پرورش یا غورو پرداخت صرف اس لیے کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اپنی اغراض ان کے ساتھ وابستہ ہوتی ہیں۔''

''بہر حال نچلے طبقے کے لوگ اپنے اعمال اور اپنے آقاؤں کی خدمت میں اس قدر مشغول ہوتے تھے کہ ان کو اخروی سعادت کی طرف متوجہ ہونے کی لمحہ بھر فرصت نہیں ملتی تھی۔''

''اس عیاشانہ نظام (اور سرمایہ دارانہ ذہنیت کی زندگی) کو قائم رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ اس قسم کے لوگ موجود ہوں جو ان کے لیے مختلف قسم کے کھانے تیار کریں، ان کے لیے مختلف طرح کے کپڑے اور زینت و آرائش کا سامان بنائیں اور اُن کے لیے بڑے بڑے شاندار محلات اور مکانات تعمیر کریں، لوگوں کی اکثر تعداد تو ان بے سود اشغال میں مصروف ہوگئی تھی، اس لیے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ بہت سے ایسے ضروری ہنر اور پیشے چھوڑ دیے جائیں جن کا ہونا اصل تمدن کے لیے نہایت ضروری تھا۔''

''جن لوگوں کا اُمرا اور سرمایہ داروں سے تعلق تھا ان کے دلوں میں بھی یہ شوق پیدا ہوگیا تھا کہ وہ بھی ان سرمایہ داروں سے ملتی جلتی طرزِ معاشرت اختیار کریں۔ سب کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ کسی نہ کسی طرح حکومت سے وابستہ ہوں اور جس طرح بھی ممکن ہو حکومت کے خزانے سے کچھ پا کر اپنی زندگی بسر کریں۔ اس لیے ان کی اکثریت نے تو سرکاری ملازمت کو اپنا مقصد قرار دے لیا تھا اور اس ملازمت کو ہی منتہائے کمال سمجھتے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ بات نہ ہوتی تھی کہ حکومت کا نظام ٹھیک طور پر کام کرے اور تمدن کو کسی بہتر معیار پر رکھا جائے۔ ان کا نصب العین صرف جلبِ زر ہوتا تھا۔ ان میں بعض شعر گوئی کو اپنا پیشہ بنا لیتے تھے اور مدحیہ قصائد لکھ کر سرکاری خزانے کے لیے



toobaa-elibrary.blogspot.com

بارگراں ثابت ہوتے تھے بعض لوگ زہد اور پارسائی کے دکھاوے سے حکومت، سرکاری ملازموں اور عام لوگوں سے نذرانے اور شکرانے وصول کا دام بچھاتے تھے دوسرے لفظوں میں یہ جماعت بھی حکومت اور معاشرہ پر بوجھ ڈالتی تھی۔ ملوک وسلاطین اور اربابِ اقتدار سے قرب حاصل کرنے اور طرح طرح سے ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرنے نے ایک ہمہ گیر وبا کی صورت اختیار کر لی تھی۔"

"خلاصہ یہ کہ جب یہ مرض اپنی انتہائی شدت کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ ان پر سخت ناراض ہوا اور اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت نے عوام کی حالتِ زار کو دیکھ کر یہ تقاضا کیا کہ (سرمایہ داری اور) عیاشی کے اس مرض کی بیخ کنی کی جائے، چنانچہ اس نے نبی اُمّی محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، آپ ﷺ نے مذکورہ عیاشانہ زندگی کی قباحت اور برائی بیان فرمائی، سرمایہ دارانہ زندگی کے لوازمات سے پرہیز کرنے کا حکم دیا۔ مثال کے طور پر ریشمی کپڑے پہننے، سونے چاندی کے برتن کھانے پینے کے کام میں لانے، مردوں کا عورتوں کی طرح اپنے آپ کو زیوارت سے آراستہ کرنے، شاندار عمارتیں بنوانے اور پھر ان کی آرائش کے لیے رنگین پردے اور تصویریں لٹکانے کو ممنوع قرار دیا۔ پیغمبر اسلام نے اپنی اُمت اور اپنے پیروکاروں کو پہلے سے بتا دیا کہ آپ ﷺ کا غلبہ (سرمایہ دار) سلاطین کی دولت وحکومت کے زوال کا باعث ہے اور آپ کی نبوت کا مقصد کسریٰ اور قیصر (جیسے شہنشاہوں) کی سلطنتوں کو مٹا دینا ہے۔"

"بہرحال اس دور میں اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ عوام کی اصلاح احوال کی جائے اور اُن کی معاشی حالت کو درست کر کے معاشرہ کو خوشحال بنایا جائے اور اس کام کی رہنمائی کے لیے ایک ایسی جماعت پیدا ہو جو ان کو نیکی کا حکم کرتی رہے اور برائی سے ان کو روکے اور اُن کی حالتِ زار میں انقلابی طور پر تبدیلی پیدا کرے۔ یہ انقلابی تبدیلی اسی صورت میں ممکن تھی کہ کسریٰ اور قیصر جیسے دو عظیم شہنشاہوں کو مستبد حکومتوں کو ختم کر دیا جائے اور اُن کی جگہ معاشی مساوات، انسان دوستی اور خدا پرستی پر مبنی صحت مند نظام قائم کیا جائے۔"

"پیغمبر علیہ السلام کو خدائے پاک نے مبعوث فرمایا اور اُنھیں یہ بشارت دی کہ کسریٰ اور قیصر کا



toobaa-elibrary.blogspot.com

اقتدار ختم ہو گیا۔ جس کی یہ صورت ہو گی کہ پہلے پیغمبر علیہ السلام کے ذریعہ عرب میں انقلاب بپا ہو گا اور پھر آپ کی تربیت یافتہ جماعت مہاجرین و انصار کے ذریعے ان دونوں حکومتوں کو ختم کر کے ایک عالمی انقلاب برپا ہو گا۔" [حجة اللـه البالغة، باب اقامة الارتفاقات، ص ۱۰۵ طبع منیریہ مصر]

## مقصد نزولِ قرآن

شاہ صاحب نے مذکورہ بالا انقلاب کو نزولِ قرآن کا مقصد قرار دینے کے بعد معاشی ناانصافی اور عدم مساوات کی برائیوں کو بھی کھول کر بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"جس سوسائٹی میں اقتصادی توازن نہ ہو اس میں طرح طرح روگ پیدا ہو جاتے ہیں، نہ وہاں عدل و انصاف قائم ہو سکتا ہے اور نہ مذہب اپنا اچھا اثر ڈال سکتا ہے۔ شاہ صاحب یہ بھی مانتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قیصر و کسریٰ نے متمدن دُنیا کو مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا اور مشیت الٰہی نے اس فاسد نظام کو ختم کرنا چاہا تھا اسی طرح ان کے زمانے میں معاشرہ بھی ان اجتماعی بیماریوں سے کھوکھلا ہو چکا تھا اور اس کا مٹنا بھی یقینی نظر آتا تھا۔" [شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک، مولانا اُستاذ عبیداللہ سندھی، ص: ۲۸، سندھ ساگر اکیڈمی لاہور]

## شاہ صاحب کے انقلابی پروگرام کا اہم اُصول

شاہ صاحب کے اصلاحی اور انقلابی پروگرام کا اہم اُصول اقتصادیات میں توازن اور معاشیات میں مساوات کو واضح کرنا تھا۔ شاہ صاحب کے نزدیک انسانوں کی اجتماعی زندگی کے لیے اقتصادی توازن ایک ضروری اُمر ہے اور ہر انسانی جماعت کو ایک ایسے اقتصادی نظام کی ضرورت ہے جو اس کی ضروریات زندگی کا کفیل ہو۔ جب لوگوں کو اپنی معاشی ضرورتوں سے فراغت نصیب ہوتی ہے تو پھر وہ اپنے خالی وقت میں جو ان کے پاس کسبِ معاش کے بعد بچ رہتا ہے۔ زندگی کے ان شعبوں کی ترقی اور تہذیب کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں جو انسانیت کا اصل جوہر ہیں لیکن اگر ان کی اقتصادی ضروریات بھی فراہم نہ ہوں اور اُن کی وجہ

toobaa-elibrary.blogspot.com

سے انسان کی جدو جہد اس کی حیوانی ضرورتوں تک محدود ہو جائے تو انسانیت کے اعلیٰ مقامات کا کسے ہوش رہے گا۔ اقتصادی نظام کے درست اور متوازن ہونے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ حیاتِ دُنیاوی میں انسانیت کے اجتماعی اخلاق تکمیل پذیر ہوتے ہیں، چنانچہ حضرت شاہ حجۃ اللہ البالغۃ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

”انسانیت کے اجتماعی اخلاق اس وقت برباد ہو جاتے ہیں جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کر دیا جائے، اس وقت وہ گدھوں اور بیلوں کی طرح روٹی کمانے کے لیے کام کریں گے۔ جب انسانیت پر ایسی مصیبت نازل ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ انسانیت کو اس سے نجات دلانے کے لیے کوئی راستہ ضرور الہام فرماتا ہے، یعنی ضروری ہے کہ قدرت الٰہیہ انقلاب کے سامان پیدا کر کے قوم کے سر سے ناجائز حکومت کا بوجھ اتار دے۔“

## سیاسی اور سماجی قوت کا مدار فلسفہ پر

سیاسی قوت اجتماعی قوت سے پیدا ہوتی ہے اور معاشرتی طاقت کا مدار کسی نہ کسی فلسفہ پر ہوتا ہے، جس معاشرہ کا فلسفہ اعلیٰ ہو گا اس کی ذہنی قوتیں اس اعلیٰ فلسفہ کی بدولت کبھی نہ کبھی درجہ کمال تک پہنچ جائیں گی اور اس کی معاشرتی اور اقتصادی حالت بھی اچھی ہو گی، کیونکہ ذہنی قوتوں کا اثر معاشرت اور اقتصاد پر پڑتا ہے، اگر سماجی حالت (جو کہ ذہنی قوتوں کی پیداوار ہے) اچھی ہو گی تو اس سے جو سیاسی قوت پیدا ہو گی وہ بھی اچھی کہلائے گی۔

## مساویانہ تقسیم دولت اور شاہ ولی اللہ کا فلسفہ

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں ہر معاشی نظام کی بنیاد کسی نہ کسی فلسفہ پر رکھی گئی ہے تو کیا شاہ ولی اللہ صاحب اپنی تالیفات میں جو عادلانہ تقسیم مال و دولت اور مساویانہ نظام پر زور دیتے ہیں اس نظام کے لیے کوئی فلسفہ بھی پیش کرتے ہیں یا نہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک شاہ صاحب نے ایک جامع فلسفہ بھی پیش کیا ہے لیکن یہ فلسفہ کارل مارکس کے فلسفہ کی طرح اختراعی نہیں ہے، شاہ صاحب کے فلسفہ کی بنیاد مذہب اسلام کی حکمت اور اس کی رُوح پر ہے۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

شاہ صاحب کے نزدیک سب سے پہلے انسان کے لیے معاشی خوشحالی کا ہونا ضروری ہے۔ جب انسان کو ذہنی سکون ملتا ہے تو اس کے بعد وہ مذہب اور اخلاق کا متلاشی ہوتا ہے جس کی حقیقی علت یہ ہے کہ جب تک انسان انسانیت کے اس اوّلین مرتبہ یا درجہ کو طے نہیں کرتا اس وقت تک وہ دوسرے حیوانات سے ممتاز ہوکر انسانیت کے مقام کو پہنچ نہیں سکتا ہے، شریعت اور اخلاق کی ذمہ داری انسانوں پر ہوتی ہے حیوانوں پر نہیں ہوتی۔

## شاہ صاحب اور کارل مارکس کے نظریہ میں بنیادی فرق

اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ یہ کارل مارکس کے مادی فلسفہ سے مشابہت رکھتا ہے کارل مارکس بھی اخلاقی اُصول اور مذہبی احکام کو معاشی ضروریات کے تابع قرار دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اخلاقی اُصولوں اور معاشی تقاضوں میں باہمی ٹکراؤ ہوتا ہے تو اخلاق و مذہب کو اپنی شکست مان کر معاشیات کا غلبہ ماننا پڑتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ معاشیات کے متعلق شاہ صاحب کے بتائے ہوئے اُصولوں کی بنیاد قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم اور اس کی عملی شکل پیغمبر علیہ السلام کی سنت پر ہے۔ اس لیے فلسفہ ولی اللہی میں معاشی ضروریات اور مذہب و اخلاق کے متصادم ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شاہ صاحب نے اسلام کی تعبیر دو لفظوں اقتراب اور ارتفاق سے فرمائی ہے، خدا پرستی اور انسان دوستی کو انسانیت کی بنیاد قرار دیا ہے۔ انسان دوستی کی صحیح تعبیر مال و دولت کی مساویانہ تقسیم ہے تا کہ یہ نہ ہو کہ معاشرہ میں ایک تو عظیم سرمایہ دار بن جائے اور دوسرے کو کھانے کے لیے روٹی اور اوڑھنے کے لیے کپڑا بھی میسر نہ ہو۔

## فاشستی نظام

فاشستی نظام میں سارا زور فرد کی انفرادیت، صلاحیت اور ملکیت پر دیا جاتا ہے، اس سے اجتماعی اور تمدنی زندگی میں معاشی فلاح اور خوشحالی کا ہونا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب فرد کے مقابلہ میں اجتماعیت پر زور دیتے ہیں۔ شاہ صاحب کے فلسفہ میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

جملہ کائنات فی الحقیقت ایک وحدت ہے جس کا نام ان کے فلسفہ میں ''شخص اکبر'' ہے۔

## شخص اکبر

جسمانی عالم کو جو کتنا ہی طویل وعریض ہو اسے ایک ہی جسم ماننا چاہیے یہ سارا جسم خود ایک مستقل چیز ہے اور اس کے اندر مختلف جسم ایسے ہیں جیسے سمندر میں موجیں۔ اس سارے جسم میں طبعی تقاضا کرنے والی ایک خاص قوت ہے جو تمام اجزا کو ان کی اپنی اپنی مناسب شکلوں میں تبدیل کرتی رہتی ہے، اس بڑے جسم کو مع اس کی تمام قوتوں کے ''شخص اکبر'' کہنا چاہیے۔

## طبیعت الکل

جسم کا ایک حصہ وہ ہے جو ایک وقت میں عناصر کی شکل رکھتا تھا پھر اس نے جڑی بوٹی وغیرہ نباتات کی شکل اختیار کر لی، غرض اس جسم کے مختلف اجزا جو مختلف شکلیں بدلتے رہتے ہیں، ان سب کی مرکزی قوت اس بڑے جسم کے اندر محفوظ ہے، یہ مرکزی قوت شاہ صاحب کے فلسفہ میں ''طبیعت الکل'' کہلاتی ہے۔

## نفس الکل

جیسے ہر ایک انسان میں رُوح ہے جو اس کے علم اور اِرادے کی مالک ہے، اسی طرح اس بڑے جسم شخص اکبر کی ایک رُوح ہے جو نفس الکل (رُوح اعظم) سے موسوم ہے۔ [تفصیل کے لیے دیکھیں سطعات کتاب کے ابتدائی تین سطعے، تالیف شاہ ولی اللہ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی، حیدر آباد]

## ہیگل اور رُوح عالم

ہیگل کے فلسفہ کا مدار پیکار اضداد پر ہے۔ دُنیا میں اب تک جتنی ترقی ہوئی ہے ہیگل نے اس کا حقیقی سبب اضداد کے پیکار اور باہمی مناقشت کو قرار دیا ہے مثلاً مختلف خیالات اور تصورات کی باہمی آویزش اور تصادم اضداد سے ایک تیسرا تصور یا خیال وقوع پذیر ہوتا ہے۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیگل نے اس باہمی نزاع اور جدلی عمل کا حقیقی محرک یا منبع ایک مخفی قوت کو قرار دیا ہے جس کو اس نے رُوح یا رُوحِ مطلق کا نام دیا ہے۔

ہیگل کے فلسفہ میں رُوحِ مطلق اپنی تکمیل کے لیے اس نزاعی اور جدلی نظام کا تقاضا کرتی رہتی ہے کیونکہ اس جدلی عمل اور کھینچ تان سے جو نیا تصور وجود میں آتا ہے وہ پہلے تصور سے زیادہ جامعیت اور وسعت رکھتا ہے۔ ترقی کا یہ سلسلہ اس وقت تک آگے بڑھتا رہے گا، جب تک کہ رُوحِ مطلق ترقی اور کمال کی اعلیٰ منزل پر نہ پہنچ جائے۔ اس دُنیا یا عالم اجسام میں جو کچھ ہوتا رہتا ہے وہ رُوحِ مطلق کے تقاضا کا نتیجہ ہے اور اس کے مقتضا کا ایک عکس ہے۔ انسان اپنے آپ کو بظاہر تو آزاد اور مختار سمجھتا ہے لیکن اصل میں یہ رُوحِ مطلق کا ایک مظہر ہے جس کسی میں رُوحِ مطلق کے تقاضا کا ظہور کامل طور پر ہوگا اسے رُوح سے بھی قوی رابطہ ہوگا اور وہ کامل طور پر رُوحِ مطلق کی تجلی کہلائے گا۔

شاہ صاحب کے فلسفہ میں ذات بحت یا ذات باری اتنی کامل اور محیط ہے کہ اسے مزید کمال کے حصول کی کوئی احتیاج نہیں اور یہ ایک ایسی ''حقیقت قصویٰ'' ہے جس کا دوسرے تمام حقائق مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ["الحقائق كلها ترجع الىٰ حقيقيةٍ واحدةٍ تكون شرحاً لها وتفصيلاً لاجمالها الوحدة الحقة (الحقيقة القصوىٰ) كلمة لاتزاحم الكلمات...... الخ" (البدور البازغة تالیف شاہ ولی اللہ، ص: ۱۱، ۱۰، مجلس علمی ڈابھیل)]

اس لحاظ سے رُوحِ مطلق، شخص اکبر کی رُوح کا نام ہوگا البتہ ذات باری کے اندر جتنے کمالات ہیں ان کو ایک بسیط وحدت تصور نہ کیا جائے بلکہ تمام مختلف چیزیں اپنی اختلافی شان کو پورے طور پر محفوظ رکھتے ہوئے کمالات ذاتیہ میں داخل ہیں، ان میں سے ہر چیز کو فلسفہ میں اسم الٰہی کہا جاتا ہے، جن کے مجموعہ کو ''اسماءِ کونیہ'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، رُوحِ اعظم یا نفس کلیہ ان اسماءِ کونیہ کا ایک مرکزی اسم بھی ہے۔

اصل میں فلسفہ نام ہے ذہنی تبدیلی کا جب تک ذہن کو ایک طرف نہ لگایا جائے تو معاشرتی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ فلسفہ کا حاصل یہ ہے کہ عقل کے سامنے ایک چیز بطور مرکزی تصور



toobaa-elibrary.blogspot.com

کے پیش کی جائے اور باقی سب چیزیں اس کے ساتھ وابستہ کر دی جائیں۔ قرآن مجید نے اس مرکزی نقطہ کو ہر جگہ بیان فرمایا ہے اور سورۂ اخلاص میں اس وحدت مرکزیہ کی جن صفات کا ذکر کیا گیا ہے وہ ''اَحد'' یعنی ایک ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور دوسری صفت ''صمد'' ہے صمد اسے کہتے ہیں جس کی تمام چیزیں محتاج ہوں اور وہ کسی کا محتاج نہ ہو۔

یونانی فلسفہ میں حقیقت قصوی یا ذات باری کے لیے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے اس کا عربی ترجمہ ''واجب الوجود'' ہے یعنی جس کی ہستی دوسرے کی محتاج نہ ہو بلکہ وہ از خود موجود ہو، اسی طرح فارسی میں ''خدا'' یعنی خود آمدہ۔ اُستاذ علامہ عبید اللہ سندھی کی رائے میں اسی معنی کو ادا کرنے کے لیے قرآن مجید میں ''صمد'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ طور پر اس کا ترجمہ واجب الوجود ہے۔ [المقام المحمود امالی الاُستاذ علامہ عبید اللہ سندھی تفسیر پارۂ عم۔ طبع حیدر آباد سندھ]

شاہ صاحب کی نظر میں معاشرتی و اقتصادی ترقی اور طاقت عقلی فلسفہ کی پیداوار ہوتی ہے اور اسلام جیسے بین الاقوامی دین کا فلسفہ جملہ دُنیا کی عقلیت پر غالب ہے۔ اس فلسفہ کی رو سے اسلام اور انسانیت لازم و ملزوم ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ جس وقت تک انسانی نوع یہاں باقی رہے گی انسانیت کے لیے خود اسلام کا رہنا بھی ضروری ہے اور انسانیت کی ترقی سے ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفاتِ ذاتیہ کے کمال پر اثر نہیں پڑتا۔

## ذاتی ملکیت

سرمایہ دارانہ نظام کی نصرت و حمایت نہ صرف مالی سرمایہ داروں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے بلکہ سرمایہ داروں کی ایک اور قسم یعنی علمی سرمایہ داروں کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔ ان کا یہ کام ہوتا ہے کہ مالی سرمایہ داروں کی حیا سوز حرکات اور ارتکاز دولت کے جواز میں شریعت کی آڑ لیتے ہیں حالانکہ شریعت مطہرہ کی رُوح نظامِ سرمایہ داری کے ہی خلاف ہے۔ قرآن مقدس کی رو سے تو فرد ہو یا مجتمع دُنیا کی کسی بھی چیز کا ذاتی مالک نہیں ہے۔ ہر چیز کا اصل مالک صرف باری تعالیٰ ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے، انسان اس کی طرف سے نیابت کے فرائض انجام دے رہا



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے اور اس میں ہر چیز معاشرہ کی ملکیت میں داخل ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ کی اس آیت ''هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا'' کی تفسیر کرتے ہوئے سلسلہ ولی اللٰہی کی مشہور علمی شخصیت شیخ الہند مولانا محمود الحسن ارشاد فرماتے ہیں:

جملہ اشیاءِ عالم بدلیل فرمان واجب الاذعان ''خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا'' تمام بنی آدم کی ملک معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی غرض خداوندی تمام اشیا کی پیدائش سے دفع حوائج (حاجات) جملہ ناس (انسان) ہے اور کوئی شئی فی حد ذاتہ (بذات خود) کسی کی مملوک خاص نہیں، بلکہ ہر شئی اصل خلقت میں جملہ ناس (انسان) میں مشترک ہے اور مِن وجہ سب کی مملوک ہے۔ ہاں بوجہ رفع نزاع وحصول انتفاع قبضہ کو علت ملک مقرر کیا گیا اور جب تلک کسی شئی پر ایک شخص کا قبضہ تامہ مستقلہ باقی ہے اس وقت تک کوئی اور اس میں دست درازی نہیں کر سکتا۔ ہاں خود مالک وقابض کو چاہیے کہ اپنی حاجت سے زائد پر قبضہ نہ رکھے بلکہ اس کو اوروں کے حوالہ کر دے۔ کیونکہ باعتبار اصل اوروں کے حقوق اس کے ساتھ متعلق ہو رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مالِ کثیر حاجت سے بالکل زائد جمع رکھنا بہتر نہ ہوا گو زکوٰۃ بھی ادا کر دی جائے۔ اور انبیا وصلحا اس سے بغایت مجتنب رہے، چنانچہ احادیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے بلکہ بعض صحابہؓ وتابعین وغیرہ نے حاجت سے زائد رکھنے کو حرام ہی فرما دیا، بہر کیف غیر مناسب وخلاف اولیٰ ہونے میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ زائد علی الحاجہ (ضرورت سے زیادہ سرمایہ) سے اس کی تو کوئی غرض متعلق نہیں اور اوروں کی مِلک مِن وجہ (ایک لحاظ سے) اس میں موجود، تو گویا شخص مذکور من وجہ (ایک لحاظ سے) مالِ غیر میں قابض ومتصرف ہے اور اس کا حال بعینہ مال غنیمت کا سا تصور کرنا چاہیے، وہاں بھی قبل تقسیم یہی قصہ ہے کہ مالِ غنیمت تمام مجاہدین کا مملوک سمجھا جاتا ہے مگر بوجہ ضرورت وحصولِ انتفاع ''بقدر حاجت ہر کوئی مال مذکور سے منتفع ہو سکتا ہے۔ ہاں حاجت سے زائد جو رکھنا چاہے اس کا حال آپ کو معلوم ہے کہ کیا ہونا چاہیے (یعنی خائن شمار ہوگا)۔ [ایضاح الادلۃ، ص: ۲۶۸]

مولانا محمد قاسم نانوتوی نے بھی اپنی معرکۃ الآرا تالیف آبِ حیات میں جملہ اموال کو مباح



toobaa-elibrary.blogspot.com

الاصل قرار دیا ہے اور بوجہ قبض واستیلا یا غلبہ مملوک کہلاتے ہیں ہر چیز اپنی ذات میں اللہ کی مِلک ہے۔ بیع وشراء، اِجارہ، ہبہ اور میراث وغیرہ اسبابِ حصول قبض ہیں اسباب مِلک بالذات نہیں۔

[مطبوعہ مجتبائی، ص ۷]

مصر کے مشہور محقق عالم مفتی محمد عبدہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''یہ جملہ ''خَلَقَ لَكُم مَّافِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا'' جمیع فقہا کے اس معروف ومشہور قاعدہ پر دلیل ہے کہ مخلوق اشیا میں اصل اباحت ہے اور اس سے مراد تمام اشیا سے کھانے، پینے، اوڑھنے، دوا دارو، سواری اور زینت کا کام لیا جاسکتا ہے، مخلوق کو اپنی دینداری دکھانے کے لیے کسی ایسی شئی کو حرام کہنے کا حق نہیں ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح قرار دیا ہے۔ حلت وحرمت کا تمام تر مدار خدا کی طرف سے وحی اور اجازت پر ہے۔'' [ان هذه الجملة هی نص الدليل القطعی علی الاقاعدة المعرفة عند الفقهاء ان الاصل فی الاشياء المخلوقة الاباحة والمراد بالا باحة الانتفاع بها اكلاً وشرباً ولباساً وتداوياً وركوياً وزينةً الخ، تفسیر المنار جلد:۱،ص:۲۴، طبع دار المنار ۱۳۷۳ھ]

بعض علما مال ودولت کے حقوق کے سلسلہ میں صرف زکوٰۃ کو فرض قرار دے کر سرمایہ داری اور ارتکاز دولت کے جواز کے قائل ہوگئے ہیں حالانکہ اس طرح معاشرہ کو تنگ دستی، افلاس اور بدحالی سے نجات نہیں مل سکتی۔ محققین علما اور ائمہ اسلام کی یہ رائے ہے کہ زکوٰۃ کے سوا مال ودولت میں دوسرے بھی حقوق واجبہ ہیں، قرآن مجید کی سورۂ بقرہ کی تیسری آیت میں متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوا ہے ''وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ'' (ہم نے ان کو جو رزق عطا کیا ہے اس سے خرچ کرتے رہتے ہیں) اس آیت میں انفاق یا خرچ کرنے کے متعلق ائمہ مفسرین کی مختلف آرا ہیں، حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ بن العربی نے ان اقوال کو ذکر کرنے کے بعد اس کو ترجیح دی ہے کہ یہاں صرف زکوٰۃ مراد نہیں ہے لیکن انفاق سے مراد مطلب عام ہے، چاہے زکوٰۃ ہو یا دوسرے حقوق ہوں کیونکہ ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ'' میں



toobaa-elibrary.blogspot.com

''غیب''اور''صلوٰۃ''عموم پر محمول ہے تو یہاں بھی انفاق سے عام معنی مراد ہوں گے۔[احکام القرآن، تالیف حافظ ابوبکر ابن العربی، ج:۱، ص ۱۱،۱۰]

حافظ ابن العربی مالکی نے محققین کے اس قاعدہ پر کہ ہر شئی میں اصل اِباحت (مباح ہونا) ہے یہ اعتراض کیا ہے کہ ''اگر اس قاعدہ کو مان لیا جائے تو اس سے رشتہ داروں اور قریبی اعزہ کا باہمی نزاع پیدا ہوگا، صلہ رحمی منقطع ہوجائے گی اور باہمی جنگ وجدال شروع ہوجائے گا۔''اس کے جواب میں اتنا کافی ہے کہ یہ نزاع اور جنگ وجدال تو تب ہو جب قبض، استیلا اور غلبہ کو ملک ظاہری کا سبب قرار نہ دیا جائے یا اس کو سارے معاشرے کی ملکیت قرار نہ دیا جائے۔

## ضرورت سے زائد مال نہ رکھا جائے

مشہور محدث ابن حزم ظاہری اندلسی نے اس سلسلہ میں اپنی مشہور عالم تالیف المحلیٰ میں جو روایات نقل کی ہیں وہ مولانا شیخ الہند محمود الحسن کی مذکورہ تحقیق کی کھل کر تائید کرتی ہیں کہ ضرورت سے زائد مال محتاجوں میں تقسیم کیا جائے۔

"عن ابی سعید الخدری رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ ﷺ قال: من کا معہٗ فضلُ ظہرٍ فلیعد بہ علی من لاظہر لہ ومن کان لہ فضل من زاد فلیعد بہ علی من لازاد لہ، قال: فذکر من اصناف المال ماذکر، حتی رأینا انہٗ لاحق لاحد منافی فضل۔" [محلی لابن حزم، ج۶، ص ۱۵۷، ۱۵۸]

''حضرت ابوسعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس اپنی حاجت سے زائد سواری ہو تو اسے چاہیے کہ وہ کسی ایسے شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو۔ اور جس کے پاس کھانے پینے کا سامان حاجت سے زائد ہو تو اسے چاہیے کہ زائد از ضرورت سامان حاجت مند کو دیدے۔''ابوسعید خدریؓ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اسی طرح مال کے مختلف انواع کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے یہ سمجھا کہ ہم میں سے کسی کو بھی، اپنے زائد مال پر کسی قسم کا کوئی حق نہیں ہے۔

"قال عمر بن الخطاب رضی اللّٰہ عنہ لو استقبلت من امری ما استدبرت لاخذتُ



toobaa-elibrary.blogspot.com

فضول اموال الاغنیاء فقسمتها علی فقراء المهاجرین وصح عن ابی عبیدة بن الجراح وثلثمائة من الصحابة رضی اللّٰہ عنهم انّ زادهم فنی فامرهم البوعبیدة فجمعوا اوزارهم فی مرودین وجعل یقوتهم ایّاها علی السواء۔"

''حضرت عمرؓ بن الخطاب نے فرمایا: جس چیز کا مجھے اب اندازہ ہوا ہے اگر اس کا پہلے سے علم ہوتا تو میں مالداروں کی زائد از ضرورت دولت اور مال لے کر فقراءِ مہاجرین میں بانٹ دیتا۔ حضرت ابوعبیدہ اور تین سو صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہ روایت صحت کو پہنچتی ہے کہ ان کے کھانے پینے کا سامان ختم ہو رہا تھا، حضرت ابوعبیدہؓ نے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جتنا موجود ہو اس کو حاضر کرے پھر سب نے اپنے اپنے سامان کو دو توشہ دانوں میں جمع کیا۔ اور حضرت ابوعبیدہؓ اس سب کو سب میں برابر تقسیم کرتے تھے۔

"عن محمد بن علی انه سمع علی بن ابی طالبؓ یقول: ان اللّٰہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اقواتهم بقدر مایکفی فقراء هم فان جاعوا اوعزوا وجهدوا فیمنع الاغنیاء وحق علی اللّٰہ تعالیٰ ان یحاسبهم یوم القیامة ویعذبهم علیه۔"

''محمد بن علی سے روایت ہے کہ اُنھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مالداروں کے اموال پر ان کے فقرا کی حاجت کو بقدر کفایت پورا کرنا فرض قرار دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے، ننگے یا معاشی تکلیف میں مبتلا ہوں گے اس لیے کہ مالدار اپنا حق ادا نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کا حق ہے کہ ان سے قیامت کے دن حساب لے اور اس پر اُنھیں عذاب دے۔

اس مسئلہ میں ہم قارئین کی توجہ فقہ حنفی کے ایک عظیم محقق حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص (وفات ۳۷۰ھ) کی تالیف شہیر احکام القرآن کی طرف مبذول کراتے ہیں۔ امام موصوف نے اس کتاب میں ایک عنوان قائم کیا۔ ''باب هل فی المال حق واجب سوی الزکوٰۃ ؟'' (یعنی مال میں زکوٰۃ کے علاوہ کوئی دوسرا بھی حق واجب ہے؟) اس باب کے تحت چند آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ نبویہ کے ذکر کے بعد ''وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی'' کے تحت صاحب موصوف رقم طراز ہیں:

اس آیت میں صدقہ واجب اور صدقہ نفل دونوں کا اجتماع ہے اور نفس آیت میں کوئی



toobaa-elibrary.blogspot.com

ایسی دلیل موجود نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ اس سے مراد صدقہ واجب ہے، اس آیت میں تو صرف ترغیب اور اس پر ثواب کے وعدہ کا ذکر ہے۔ کیونکہ آیت میں برّ کا لفظ ہے اور یہ فرض اور نفل دونوں کو شامل ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ آیت کے سباق اور تلاوت کے نسق سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زکوٰۃ تو مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ "وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ" میں زکوٰۃ کو اس پر عطف کیا گیا ہے۔ عطف کرنے سے معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جس صدقہ کا بیان ہے اس سے مراد و مطلب زکوٰۃ نہیں ہے تو پھر اس سے زکوٰۃ کے سوا دوسرے حقوق واجبہ مراد ہوسکتے ہیں جیسے صلہ رحمی، جب کوئی رشتہ دار شدید تکلیف میں مبتلا ہو، یا بھوکے انسان جن کو بھوک نے ستایا ہو ان کو اتنا دینا ضروری ہے کہ ان کی بھوک کا سد باب ہو جائے۔

شریک ابو حمزہ سے اور وہ عامر سے، عامر فاطمہ بنت قیس سے اور وہ نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی حق ہے اور پھر اس آیت کو پڑھا "لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ ......الخ" اس کے بعد امام ابوبکر جصاص رازی حنفی نے زکوٰۃ کے سوا حقوق واجبہ کی چند مثالیں دے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی اس حدیث کا بھی جواب دیا ہے جس میں زکوٰۃ کو جملہ صدقات کا ناسخ بتایا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت "وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی الخ" کو اگر غور سے پڑھا جائے تو اس سے ہمیں تعلیم ملتی ہے کہ اجتماعیت یا معاشرہ کو اعتدال پر قائم رہنا چاہیے۔ اور یہ تب ہی ہوسکتا ہے جب مذکورہ آیت پر عمل ہو۔ صالح اور متوسط معاشرہ میں اجتماعیت مال و دولت کو ایک جگہ میں جمع ہونے نہیں دیتی بلکہ اس کا یہ کام ہوتا ہے کہ قوم کے افراد کو ان کی ضرورتوں اور حاجتوں سے غنی اور بے پرواہ بنا دے۔ تمدن کے بقا اور طویل مدت تک اس کے چلنے اور زندہ رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ اس آیت میں جس معتدل اور متوسط معاشرہ کا ذکر ہے ایسا معاشرہ مال کے ساتھ محبت رکھتے ہوئے بھی اس کو اپنے رشتہ داروں میں بانٹ دیتا ہے



toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اُن میں سے کسی ایک فرد کو بھی محتاج نہیں چھوڑتا۔

## ضروری تنبیہ

قرابت داروں پر مال کی تقسیم کی دو صورتیں ہیں: اوّل یہ کہ اس میں حکمت اور عقل مندی ملحوظ رہے۔ جس کی یہ صورت ہے کہ اپنے جملہ اقارب کو دیکھنا چاہیے اور اُنھیں ان کی استعداد اور لیاقت کے مطابق کسی کاروبار میں لگا دینا چاہیے۔ اگر ان میں سے کوئی سرمایہ کی قلت کی وجہ سے کوئی کام نہیں کرسکتا تو ضرورت کے موافق اس کی مالی امداد کی جائے تاکہ وہ اپنی روزی کمانے کے قابل ہو جائے۔ حکمت کے اُصول پر قرابت داروں میں صحیح انفاق اور خرچ کرنے کی یہی صورت ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو کسی کاروبار میں نہ لگائے اور اُن کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہو جائے۔ یہ اس کے اور اس کے اقربا اور اعزہ کے حق میں خطرناک اور مہلک طریقہ ہے۔

قرابت داروں پر خرچ کرنے کے ذکر کے بعد مذکورہ آیت میں یہ حکم ہے کہ قوم کے یتامیٰ اور مساکین پر حکمت کے اُصول کے مطابق خرچ کیا جائے۔ اس حکمت کی پیغمبر علیہ السلام نے اس طرح تعلیم فرمائی ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا۔ آپ ﷺ نے اس کو سوال کرنے سے منع فرمایا اور اس کے پاس جو مختصر رقم تھی اس سے اوزار خریدنے اور لکڑی کاٹ کر فروخت کرنے کا حکم دیا۔ وہ شخص آپ ﷺ کے اس حکم کی تعمیل کے نتیجہ میں خود کفیل ہو گیا۔

تیسرے درجے میں غیر قوم کے حاجت مند آزاد افراد ہیں جیسے مسافر یا کسی ضروری چیز کا سائل، پھر غلاموں کو آزاد کرنے میں خرچ کیا جائے، یہاں تک کہ اس انفاق میں کسی مسلمان کی تخصیص نہیں ہے۔ مشرک اور ذمی کفار پر بھی شریعت نے خرچ کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے۔ امام ابوبکر جصاص رازی حنفی نے ''لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰهُمْ'' کے تحت مذکور تحقیق کا بھی ذکر فرمایا



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے: ''الغرض مال اور دولت کو ایک جگہ جمع نہ کیا جائے بلکہ اپنی ضروری حاجت سے زائد مال کو ضرورتمند انسانوں پر خرچ کرنا چاہیے، جب کسی قوم کا مال اور دولت کے سلسلہ میں دستورالعمل مذکورہ تصریحات کے مطابق ہوگا تو وہ تباہی اور انقلاب سے بچ جائے گی۔''

اگر کسی معاشرہ کے چند افراد مال و دولت اور سرمایہ جمع کرنے پر جا لگے اور حاجت مندوں کے معاملہ میں بخل سے کام لیا تو یہ معاشرہ ایک نہ ایک دن ہلاکت اور بربادی کے ایسے گڑھے میں جا گرے گا جس سے اس کی نجات مشکل ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ صالح اجتماعیت اور متوازن معاشرہ میں سرمایہ داری کو کبھی برداشت نہیں کیا جاتا، ایسے معاشرہ کے لیے کوآپریٹو سوسائٹی کی طرح مضاربت کے اُصول اشتراکیت ضروری ہے اور مضاربت اس وقت ہوسکتی ہے جب رِبا کو قطعی طور پر حرام قرار دیا جائے۔ اور لوگوں کو ہر قسم کے رِبا اور سودی معاملات اور مال و دولت کے اکتناز سے روک دیا جائے کیونکہ اکتناز واحتکار سے سرمایہ داری نظام کو مدد ملتی ہے اور سرمایہ داری نظام اسلام کی رُوح کے خلاف ہے۔ اسلام اکتناز کی کسی بھی صورت کو برداشت نہیں کرتا کہ مال و دولت تقسیم ہونے کی بجائے سمٹ کر کسی مخصوص طبقے میں بند ہو جائے۔ اور اس طرح عوام مفلوک الحال ہو جائیں اس ضمن میں سورۂ توبہ کی یہ نص موجود ہے:

"وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍO يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَO"

''اور جو لوگ سونے اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سناؤ جس دن اس مال پر دوزخ کی آگ دھکائی جائے گی پھر اس سے ان کی پیشانیوں، پہلو اور اُن کی پیٹھ کو داغ دیا جائے گا۔ یہ وہ ہے جسے تم نے اپنے واسطے خزانہ بنا کر رکھا تھا۔ اور چکھو مزا اپنے خزانہ جمع کرنے کا۔''



toobaa-elibrary.blogspot.com

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی انفاق کے متعلق اس قسم کی آیات نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

''ان آیات کی تفسیر میں جمہور کا مسلک یہ ہے کہ جس مال سے زکوٰۃ اور دوسرے مالی فرائض ادا نہ کیے گئے ہوں تو وہ مال احتکار و اکتناز کی فہرست میں شامل اور کنز سے متعلق وعید کا مصداق ہے اور اس قسم کی دولت و ثروت کا نام سرمایہ داری ہے اور یہ حرام اور باطل ہے اور تباہ کرنے کے قابل ہے۔ [اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص۵۳]

اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کی وہ خرابیاں جو معاشی عادلانہ نظام کو بگاڑتی اور خراب کرتی ہیں ان سب کو اسلام میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ کی یہ دلیل بڑی مدلل ہے:

"اعلم انّ اللّٰہ تعالیٰ لمّا خلق الخلق و جعل معایشھم فی الارض و اباح لھم الانتفاع بما فیھا وقعت بینھم المشاحۃ و المشاجرۃ فکان حکم اللّٰہ عند ذلك تحریم ان یزاحم الانسان صاحبه فیما اختص به لسبق یدہ الیه اوید مورثه اولوجه من الوجوہ المعتبرہ عندھم الابمبادلة او تراضی معتمد علی علم من غیر تدلیس ورکوب غرر۔"

''جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کو پیدا کیا اور زمین میں ان کی معاشی زندگی کے لیے سب کچھ سامان تیار کیا اور اسے ان سب کے لیے مباح کر دیا تو اس سے نفع حاصل کرنے میں، لوگوں کے درمیان مزاحمت اور جھگڑا پیدا ہو گیا تب اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جب کوئی شخص کسی شئی کو اپنے ہاتھ میں کرنے میں یا مورث کے قبضہ کی وجہ سے اس کی وراثت میں آ جائے یا ان کے سوا دوسرے معتبر طریقوں سے ان کا قبضہ ہو جائے تو ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص کو اس کی مقبوضہ شئی میں مزاحمت نہیں کرنی چاہیے بجز اس صورت کے کہ خرید و فروخت یا معتبر طریقوں سے باہمی رضامندی سے معاملہ طے ہو جائے کہ دونوں کو اس کا صحیح علم ہو اور اس میں دھوکے کو دخل نہ ہو۔''

آگے لکھتے ہیں:



toobaa-elibrary.blogspot.com

"وایضًا لمّا کان الناس مدنیین بالطبع لاتستقیم معایشهم الا بتعاون بینهم نـزل القضاء بایجاب التعاون وان لایخلو احد منهم مماله دخل فی التمدّن الا عند حاجة لا یجدمنها بد۔"

''اور نیز جبکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوئے ہیں تو ان کی معاشی زندگی باہمی تعاون واشتراک کے بغیر ناممکن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے تعاون اور باہمی اشتراک کو واجب قرار دیا ہے اور یہ بھی واجب اور ضروری ٹھہرایا کہ کسی کو بھی ایسی چیز سے الگ ہونے کا حق نہیں ہے جو تمدن میں داخل ہو، مگر کسی ایسی مجبوری کے وقت جس سے چھٹکارا ناممکن ہو۔''

لیکن ایک بات یاد رکھی جائے کہ شریعت نے جو مال مباح سے فائدہ حاصل کرنے کی اجازت دی ہے اس سے اکتناز واحتکار کی صورت میں ناجائز فائدہ حاصل نہ کیا جائے کیوں کہ اس طرح ایک طرف سرمایہ داری کے لیے راستہ صاف ہو جاتا ہے جو اسلام کی رُوح کے سراسر خلاف ہے اور دوسری طرف یہ دوسرے افراد کے لیے تنگی معاش کا سبب اور ذریعہ بن جاتا ہے اور اس سے معاشرہ اور تمدن میں فساد پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے شاہ صاحب نے مال مباح سے فائدہ حاصل کرنے کی کچھ شرائط بھی بیان فرمائیں، وہ یہ ہیں:

"ویشترط ذلك ان لایضیق بعضهم علی بعض بحیث یفضی الی فساد التمدّن۔"

''اور مباح مال سے فائدہ حاصل کرنے کی یہ شرط ہے کہ ایک فرد دوسرے فرد کے لیے معاشی تنگی کا باعث نہ بن جائے اور اس طرح وہ تمدن کو فاسد کر دے۔''

آخر میں فرماتے ہیں:

"فان کان استنماء فیها بما لیس له دخل فی التعاون کالمسیه اوبما متراض یشبه الاقتضاب کالربا فان المفلس یضطر الی التزام ما لایقدر علی ایفاء ہ ولیس رضاء فی الحقیقة، فلیس من العقود المرضیة ولا الا سباب الصالحة وانما هو باطل وصحت باصل الحکمة المدینة۔" [حجة الله البالغة، ابواب ابتغاء الرزق، ج ۲، ص: ۷۷ مطبع الخیریہ، مصر]



toobaa-elibrary.blogspot.com

''ان تمام معاملات میں صحیح تعاون واشتراک عمل ضروری ہے اور اگر یہ مالی ترقی ایسے طریقہ سے کی جائے کہ اس میں تعاون کو بالکل دخل ہی نہ ہو جیسا کہ جوا، یا ایسے طریقے سے عمل میں آئے کہ بظاہر تعاون معلوم ہوتا ہو لیکن وہ حقیقت میں زبردستی کا تعاون ہو تو یہ حقیقی تعاون نہیں ہوتا جیسا کہ ربا کا کاروبار، اس لیے کہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ایک نادار اپنی معاشی پریشانیوں کی وجہ سے ایسی ذمہ داریوں کو اپنے ذمہ لینے کے لیے مجبور ہو جاتا ہے جنھیں پورا کرنے کی اپنے میں طاقت نہیں پاتا اور اس کی اس قسم کی رضا مندی ہرگز رضا مندی نہیں کہلائی جاسکتی ہیں اور نہ ان کو معاشیات کے اسباب صالحہ کہا جاسکتا ہے، بے شک اس قسم کے معاملات حکمت تمدن کی نظر میں باطل اور ظلم ہیں۔

## ایک شبہ اور اس کا جواب

مستشرقین کی طرف سے اسلام پر یہ سوال وارد کیا جاتا ہے کہ اسلام اموال سے نفع حاصل کرنے کو حرام قرار دیتا ہے حالانکہ سود یا ربا متاع تجارت میں نفع کی طرح ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب مال و دولت سے نفع حاصل کرنا حرام ہوگا تو انسانیت اپنی اجتماعیت اور اشتراکیت میں عالی اور بلند تمدن کی طرف کس طرح ترقی کر سکے گی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام مال سے انتفاع کی جملہ صورتوں کو حرام قرار نہیں دیتا وہ تو صرف ایک خاص صورت کو حرام قرار دیتا ہے جو یہ ہے کہ نفع اور نقصان مالدار اور مزدور یا عامل میں مشترک نہ ہو، مثلاً مالدار تو نفع کا مالک ہوگا اور نقصان عامل یا مزدور کو پہنچے تو اس کا نام ربا یا سود ہے، کم یا زیادہ، یہ قطعاً حرام ہے اس میں حیلہ کی کوئی بھی صورت جائز نہ ہوگی، کیونکہ سودی کاروبار سرمایہ داری کی بنیاد ہوتا ہے۔ باقی اس کو مال تجارت سے انتفاع کی طرح سمجھنا ایک دھوکہ ہے۔ عرب کے مشرک بھی اسی طرح کہتے تھے کہ ''اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبَا'' یعنی بیع بھی تو ربا کی طرح ہے۔ اگر ربا حرام ہے تو تجارت کو بھی حرام کہنا چاہیے۔

## زکوٰۃ کی بحث

قرآن حکیم میں نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کو اکثر ساتھ رکھا گیا ہے اور اُن دونوں کا ذکر اکٹھا



toobaa-elibrary.blogspot.com

آتا ہے، یہ دونوں اسلام کے عملی فرائض میں شمار ہوتے ہیں۔شاہ صاحب کے فلسفہ کی رُو سے نماز کے معنی ہیں اسی تجلی باری کی طرف متوجہ ہونا جو کہ مقدس ملائکہ اور ارواحِ طیبہ کی مجلس (حظیرة القدس) پر پڑتی ہے، زکوٰۃ ایک خاص قانون کے تحت مال خرچ کرنے کا نام ہے۔

اسلام میں اس قانون کے دو درجے ہیں: پہلا درجہ مکہ میں تھا، قرآن کی اصطلاح میں اس کا نام عفو ہے یعنی حاجت سے زائد مال کا انفاق یا خرچ کرنا۔اس میں کسی خاص نصاب اور حصے کی تعیین نہیں ہے۔ نبی ﷺ جب مکہ میں اقامت پذیر تھے تو حکومت اجتماعیہ کو یہ حق حاصل تھا کہ اپنے ماننے والوں سے زائد از حاجت مال کے انفاق کا مطالبہ کرے۔اس انفاق میں اجتماعی حکومت نے آنحضرت ﷺ کو اپنا نائب مقرر کیا تھا اس کے لیے کوئی بیت المال نہیں تھا جس میں اس قسم کے اموال جمع کیے جاتے۔

قرآن مجید میں زکوٰۃ کا لفظ مختلف سورتوں میں بتیس (۳۲) آیات میں آتا ہے، وہ سورتیں یہ ہیں:

البقرة، النساء، المائدة، الاعراف، التوبة، الكهف، مريم، الانبياء، الحج، المؤمنون، النور، الروم، لقمان، الاحزاب، فصلت، المجادلة، المزّمل، البينة۔

ان سورتوں سے کچھ تو مکی ہیں اور کچھ مدنی سورتیں ہیں۔زکوٰۃ کے مخصوص حصے کا تعین باتفاقِ علما مدینہ طیبہ میں ہوا تھا۔اس لحاظ سے مکی سورتوں میں جو زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے اس نے مفسرین کرام کو اس تاویل پر مجبور کیا ہے کہ ایسی سورتوں میں زکوٰۃ سے مراد صدقہ نفلی ہے، حالانکہ یہ بھی تسلیم کیا جاتا ہے کہ زکوٰۃ کی فرضیت تو مکہ مکرمہ میں ہوئی تھی اور حصہ کا تعین مدینہ منورہ میں ہوا۔حقیقت وہی ہے جو اُوپر مذکور ہوئی کہ شاہ صاحب کے نظریہ کے مطابق مکہ مکرمہ میں اجتماعی حکومت قائم ہو چکی تھی۔مسلمان اپنے نزاعی معاملات کے تصفیہ کے لیے پیغمبر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔اور اجتماعی حکومت نے انفاق کے معاملہ میں مسلمانوں کو خود اُن کی اپنی صوابدید پر چھوڑ کر اپنا نائب بنا لیا تھا۔معاشرہ کو جتنی امداد کی ضرورت ہوتی تھی اس کے مطابق مالی فرائض میں ان کو یہ حکم تھا کہ حاجت سے زائد مال ضرورت مندوں پر خرچ



toobaa-elibrary.blogspot.com

کیا جائے۔ مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت بیت المال کی کوئی صورت نہ تھی۔ مالِ غنیمت اور دوسرے ذرائع آمدنی نہ ہونے کی وجہ سے حاجت کے مطابق انفاق کا حکم تھا۔ ہجرت کے بعد یہ صورت بدل گئی، مالِ غنیمت آنا شروع ہوا بیت المال بن گیا، بہ نسبت مکہ کے خوشحالی آگئی تو زکوٰۃ میں حدیث کی رُو سے ۴۰/ ا حصہ کا تعین ہوا۔ سورۂ بقرہ اگرچہ مدنی ہے لیکن اس کی آیت ۲۱۹ میں یہ ارشاد ہوتا ہے ''وَيَسْئَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ'' یعنی اے پیغمبر ﷺ تجھ سے یہ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں، تم کہہ دو کہ حاجت سے زائد مال کو خرچ کردو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے خرچ کی مقدار ذکر نہیں فرمائی بلکہ زائد از حاجت کے انفاق کا حکم دے کر ان کی صوابدید پر چھوڑ دیا تا کہ جہاد اور دوسری ضروریات کے معاملہ میں ضرورت کو ملحوظ رکھیں اور اپنی فہم و بصیرت سے کام لیں۔ مفتی محمد عبدہ مصری ''العفو'' کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

> "وهو الفضل والزيادة عن الحاجة وعليه الاكثر، وقال بعضهم انّ العفو نقيض الجهد اى ينفقون ماسهل وتيسّرلهم ممايكون فاضلاً عن حاجتهم وحاجةِ من يعولون۔" [تفسیر المنار، ج:۲،ص:۳۳۷طبع دارالمنار]
>
> ''عفو کے معنی ہیں حاجت سے زائد مال، اکثر علما کا یہی قول ہے۔ بعض علما کہتے ہیں کہ عفو جہد کی ضد ہے۔ معنی یہ ہوں گے کہ ان کے لیے جو سہل اور آسان ہو اس کو خرچ کریں جو اپنی اور اپنے اہلِ وعیال کی حاجت سے زائد ہو۔''

اسلام کے ابتدائی دور میں اس دستور پر عمل رہا کہ اجتماعی خوش حالی کا خیال رکھا جاتا تھا، معاشرہ کے ہر فرد کا معیشت میں مساوی حق سمجھا جاتا تھا۔ وقت کے خلیفہ کا بھی بیت المال میں اتنا ہی حق ہوتا تھا جتنا کہ ایک عام آدمی کا۔

ابوعبید کی کتاب [کتاب الاموال،ص:۲۶۶] الاموال میں خلیفہ عادل حضرت عمرؓ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت کے ابتدائی عہد میں مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ اس مال (بیت المال) سے خلیفہ کے لیے کتنا لینا جائز ہے؟ سب نے مل کر کہا کہ اس کو اپنی ضرورت اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت کے لیے گزارہ لینا چاہیے، جس میں کوئی کمی وبیشی نہ ہو۔ اسی طرح اپنے اور اپنے عیال کے لیے کپڑے لے، تقسیم ۔ ں میں خلیفہ کا



toobaa-elibrary.blogspot.com

سب کے برابر حصہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ تمھارے مال (بیت المال) میں میرا اتنا ہی حق ہے جس قدر کہ یتیم کے ولی کو یتیم کے مال میں۔ اگر مجھے حاجت نہ ہوگی تو کچھ نہ لوں گا اور اگر حاجت مند ہوں گا تو دستور کے مطابق دوسروں کی طرح کھانے کے لیے لوں گا۔

کتاب الخراج میں حضرت عمرؓ سے منقول ہے کہ اللہ کی قسم اگر میں زندہ رہا تو اہلِ عراق کی بیوہ عورتوں کو ایسا چھوڑوں گا کہ میرے بعد وہ کسی امیر کی محتاج نہ ہوں گی۔ [ص:۲۷]

اسی کتاب الخراج میں ایک قصہ نقل کیا گیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنائے گئے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے کہنے لگے:

> ''اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو اپنے ساتھی (ابوبکرؓ) کی رفاقت نصیب ہو تو چاہیے کہ کرتہ کو پیوند لگا ہوا ہو، ازار خستہ ہو، جوتیوں میں پیوند ہوں اور موزے بھی پیوند والے ہوں، اُمید کو کوتاہ کرو اور کھانا بھی پیٹ بھر کر نہ کھاؤ۔ [ص:۱۵]

جس طرح خلیفہ عادل کے لیے بیت المال سے حاجت کے موافق مال لینے کی اجازت ہے اسی طرح حکومت کے اہل کاروں کے لیے بھی حاجت کے موافق بیت المال سے لینے کی اجازت ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> "ثم ان کان الامام لایستطیع بنفسه ان یباشر جبایة الصدقات واخذ العشور وفصل القضاء فی کل ناحیة وجب بعث العمال والقضاة ولما کان اولئك لمشغولون بامر من مصالح العامة وجب ان تکون کفایتهم فی بیت المال۔"

> ''پھر جب کہ امام تنہا یہ قدرت نہیں رکھتا کہ وہ صدقات اور عشر کو خود وصول کرے اور ہر طرف کے جھگڑوں کو خود فیصل کرے، تب ضروری ہوا کہ وہ عمال اور قضاۃ کو ہر جگہ مقرر کرے اور جب کہ قضاۃ اور عمال مصالحہ عامہ کی خدمت میں مشغول رہتے ہیں تو ضروری ہوا کہ ان کی معاشی ضرورت بھی بیت المال سے پوری کی جائے۔''

یہ حقیقت ہے کہ معاشرہ اور اجتماع کی سعادت، نام ہے قومی فلاح اور بہبودی کا۔ فرد کی سعادت اجتماع یا معاشرہ کی سعادت میں پنہاں ہے۔ معاشرہ کے جملہ حقوق اور منافع کو اسلام نے اجتماعیت اور اس کے افراد کے طبقات میں مشترک قرار دیا ہے اس لیے ہر فرد پر لازم ہے کہ بھلائی کے


toobaa-elibrary.blogspot.com

لیے سرگرمِ عمل رہے۔

اجتماعیت کی سعادت نظامِ عدل سے وابستہ ہے اور عدل کے قیام کے لیے کسی قانون کا ہونا ضروری ہے۔ جس طرح اجرامِ سماوی اور نظامِ کائنات میں اللہ تعالیٰ قانون تجاذب اور کشش سے باہمی ربط قائم کیا ہے اسی طرح انسانی اجتماع اور معاشرہ کے باہمی انتظام اور ربط کے لیے قانون احتیاج بنایا ہے۔ جس میں ہر ایک فرد اپنی ضروریات میں دوسرے فرد کا محتاج ہوتا ہے، اسی باہمی احتیاج کی وجہ سے معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلام میں زکوٰۃ کا مرتبہ بھی دین کے ایک اجتماعی رکن کا مرتبہ ہے۔ جس سے اجتماع کی بہتری اور اجتماعی مصلحتوں کا انتظام وابستہ ہے۔ صرف زکوٰۃ ہی نہیں بلکہ اسلام میں جتنے بھی مالی تصرفات ہیں ان سب کی حکمت اسلامی اجتماع اور معاشرہ کی دُنیاوی بہتری اور فلاح ہے۔ لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس سائنسی دور کی دُنیا میں متمدن قومیں صرف ایک لمحہ میں اپنی قومی برتری و ترقی کے لیے لاکھوں روپیہ خرچ کر رہی ہیں لیکن اُمت اسلامیہ کی اس طرف کوئی توجہ نہیں ہے۔ ہم نے جوئے اور ربا کے متعلق تو یہ سمجھا ہے: ''یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا'' تو [۲:۲۷۶] کیا ہم پر یہ واجب نہیں ہے کہ ہم ''وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ'' (یعنی اللہ صدقات کو بڑھاتا ہے) کے مفہوم کو بھی سمجھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

> ترکت فیکم امرین لن تضلوا ماتمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ۔''
>
> ''میں نے تمھارے لیے دو چیزیں چھوڑیں ہیں، جب تک ان دونوں پر تمھارا عمل رہے تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے ایک چیز ہے اللہ کی کتاب اور دوسری چیز اس کے نبی کی سنت ہے۔''

اس حدیث کو شاہ ولی اللہ صاحب نے مسوّیٰ میں ذکر کیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی اپنی اجتماعی زندگی میں یہ سنت تھی کہ قوت لایموت پر کفایت کرتے تھے اور اپنی پوری کوشش اللہ کے کلمے کو بلند کرنے اور خلق اللہ کی تکالیف کو دور کرنے میں صرف کرتے تھے۔ انسانی اجتماع اور تمدن میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا کلمہ ہے اقتصادی ضرورتوں میں عدل کا قیام، اس معنی میں سنت معاشرہ کی خرابی کی اصلاح کے لیے ایک نافع اور بہترین علاج ہے۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

راقم السطور کے اُستاذ علامہ عبید اللہ سندھی رفاہیت بالغہ اور آرام پرستی کی افراط کو حرام قرار دیتے تھے، اسی طرح اتنے کثیر اور وافر مقدار میں سرمایہ جمع کرنا بھی ان کے نزدیک حرام تھا جو رفاہیت بالغہ یا حد سے زیادہ آرام پرستی کا موجب ہو اور اس کی حرمت کو شراب کی حرمت سے بھی زیادہ مضر سمجھتے تھے۔ یہ حرمت قواعد کی حرمت نہ سہی لیکن اخلاقی حرمت میں تو کسی کو بھی شک نہ ہوگا۔ حضرت الاُستاذ مرحوم کے پیش نظر پیغمبر علیہ السلام اور اُن کے برگزیدہ ساتھیوں کی سیرت تھی۔ یہ حقیقت ہے کہ مذکورہ حرمت کی اہمیت تو اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب قوم کے اکثر افراد محتاج اور مالی وسائل سے محروم ہوں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے: ﴿وَاَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّستَخلَفِينَ فِيهِ﴾ [سورہ حدید] ترجمہ: ''جس مال میں اللہ تعالیٰ نے تمھیں نائب بنایا ہے اس میں سے محتاجوں پر خرچ کرتے رہو۔'' ...... اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کے ہر مال میں نائب قرار دیا ہے، اصل ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے: ﴿وَاٰتُوهُم مِّن مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيٓ اٰتٰكُم﴾ ترجمہ: ''اور تم حاجت مندوں کو اللہ کے اس مال سے دیا کرو جس کو اللہ نے تمھیں عطا کیا ہے۔'' ...... اس آیت میں بھی انسان کے مال کو اللہ کا مال بتایا گیا ہے اور اسے حاجت مندوں کی حاجت روائی اور ضرورت میں خرچ کرنے کے لیے حکم دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ نے یقیناً ان آیات پر عمل کر کے دکھایا اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے یہ اُسوۂ حسنہ کا درجہ رکھتا ہے۔ خلیفہ عادل فاروقِ اعظمؓ کے بارے میں مذکور ہے کہ سال کے آخر میں اپنے گھر کو جھاڑو دے کر خالی کرتے تھے تاکہ انسانی معاشرہ کا کوئی بھی فرد محروم نہ رہ جائے۔ [حروف اوائل السور تالیف علامہ موسیٰ جار اللہ، مطبوعہ بھوپال، ص۲۳۴]

## ایک شبہ کا ازالہ

مذکور تحقیق سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ اگر معاشرہ اور اجتماع کا کوئی فرد کسی مادی چیز یا



toobaa-elibrary.blogspot.com

مال کو کسب حلال کے ذریعہ حاصل کرتا ہے تو اس میں وہ تصرف کا حق نہیں رکھتا۔ یہ بات نہیں ہے جو شخص اپنی محنت اور کسب سے کچھ حاصل کرتا ہے اس میں وہ تصرف کا بھی حق رکھتا ہے کیونکہ قبض سے ظاہری طور پر ملک پیدا ہوتی ہے مگر اس میں تصرف کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ اس میں اجتماعی حقوق کی مخالفت نہ ہو ورنہ اس سے ضرور باز پرس ہوگی، کیونکہ اس سے نیابت کے فرائض میں کوتاہی و تقصیر لازم آئے گی، اس سے ارتکاز کی لعنت پیدا ہوگی اور آہستہ آہستہ ایک مخصوص طبقے کے ہاتھ میں دولت سمٹ کر آجائے گی اور دولت کی صحیح تقسیم نہ ہوگی عوام کے مساویانہ حقوق ختم ہوجائیں گے اس سے صرف چند خاندانوں کو عیش و عشرت کا ساز و سامان فراہم ہوگا ایسے معاشرہ کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تالیفات البدور البازغة، حجة اللّٰه البالغة، تفہیماتِ الٰہیہ اور الخیر الکثیر سے اُردو میں کچھ اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں، مزید تفصیل کے لیے اصل کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"زمین کا حقیقی مالک اللہ ہے باشندگان ملک کی حیثیت مسافر خانہ میں ٹھہرنے والوں کی ہے۔ وہ نظام زندگی جس میں چند اشخاص یا چند خاندانوں کے عیش و عشرت کی وجہ سے دولت کی صحیح تقسیم میں خلل واقع ہو اس کا مستحق ہے کہ اس کو جلد ختم کر کے عوام کو مساویانہ نظام زندگی سے فائدہ اُٹھانے کا موقعہ فراہم کیا جائے۔ دولت کی اصل بنیاد محنت ہے، جب تک کوئی شخص ملک و قوم کے لیے کام نہ کرے ملک کی دولت میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ قوم کا عیش پسند طبقہ قوم کے لیے بھاری بوجھ بن جاتا ہے، محنت کشوں کی کمائی پر نہ کمانے والوں کا قبضہ انقلاب کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ جو معاشرہ اپنے عوام کی بنیادی ضرورتوں کا کفیل نہ ہو اس کا برباد ہونا ہی بہتر ہے۔ قوم کے بڑے لوگوں کا دنیوی لذتوں میں انہماک سماج کے لیے مہلک مرض کی حیثیت رکھتا ہے۔ طبقہ واریت اسلام کی رُوح کے خلاف ہے۔ انسانی فرد کی تین بنیادی ضرورتوں خوراک، لباس، مکان کا سب سے پہلے پورا ہونا ضروری ہے۔ جس معاشرہ میں لوگوں کے لیے کھانے پینے کا پورا بندوبست نہ ہو اس کے افراد کی اخلاقی حالت گر جاتی ہے اور اُن کی دماغی اور ذہنی کیفیت



toobaa-elibrary.blogspot.com

پست ہو جاتی ہے۔ اعتدال پسندی اور متوسط رفاہیت معاشرہ کے لیے اہم چیز ہے ہر شخص کے لیے رہنے کی جگہ ایسی ہونی چاہیے جس میں سردی اور گرمی سے بچاؤ اور خاندان کے افراد و اسباب کی حفاظت ہو، اس کا طول و عرض کشادہ، فضا وسیع اور اُونچائی متوسط ہو اور یہ اسے آسانی سے میسر ہو۔ انسان کا کمال اور خوبی اس میں ہے کہ وہ ارتفاقات (معاشرہ کی ترقی کے اُصول) پر چلے اور اقترابات (رُوحانی ترقی کے اُصول) سے فائدہ اُٹھائے۔"

## قرآن کا فکر

شاہ ولی اللہ صاحب کی مذکورہ حکیمانہ تعلیم اور فکر اصل میں قرآن مقدس کی مقدس تعلیم کا نچوڑ ہے۔ یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ قرآن حکیم انسانیت کے لیے جامع فکر پیش کرتا ہے جس سے انسان کو معاشی مصائب سے رہائی مل جاتی ہے جس کے ساتھ خدا پرستی کی راہ بھی کھل جاتی ہے اور اس کی دُنیا اور آخرت دونوں سنور جاتے ہیں۔ اسلامی اجتماعیت اور مادی اشتراکیت میں یہی ایک حد فاصل ہے کہ ماڈی اشتراکیت، انسانیت صرف ایک ماڈی ضرورت کو پورا کرتی ہے لیکن اسلامی اجتماعیت انسان کے لیے دُنیا اور آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کا پیغام ساتھ لاتی ہے۔ قرآن حکیم کے اس فکر کے متعلق راقم کے اُستاد علامہ عبیداللہ سندھی کا یہ وضاحتی اشارہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

"قرآن حکیم انسانیت کی ترقی کے لیے ایک ایسا صالح فکر پیش کرتا ہے، جس میں انسانیت کے سب پہلو آجاتے ہیں، اس کے ذریعے انسانی سوسائٹی کی معاشی اصلاح بھی ہوتی ہے اور معادی (آخرت کی) تیاری بھی۔ اس فکر کو ماننے والی جماعت دُنیا میں سربلند ہو کر انسانی سوسائٹی میں عدل قائم کرتی ہے۔ وہ غریبوں اور بے کسوں کی ہر قسم کی انسانی ضرورتیں پوری کرنے کا ذمہ لیتی ہے اور اُنھیں تمام معاشی مصیبتوں سے بچاتی ہے تاکہ انسان کا خدا تک پہنچنے کا راستہ آسان ہو جائے۔"

"اس انصاف اور خدا پرستی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی میں اس کا راستہ صاف ہو جاتا ہے اور اس کی ترقی میں کوئی رکاوٹ نہیں آتی۔ یہ جماعت اپنی ذمہ


toobaa-elibrary.blogspot.com

داری اس لیے اپنے سر لیتی ہے کہ وہ سمجھتی ہے انسانیت کی یہ خدمت خدا پرستی کا جزو ہے اور خدا پرستی کا لازمی نتیجہ۔ یہی نتیجہ ہے کہ وہ اس خدمت کا بدلہ دُنیا کے مال و دولت یا عزت کی شکل میں لینا اپنے لیے ضروری نہیں سمجھتی۔"

"اب اگر کوئی سرمایہ پرست جماعت اس سرمایہ شکن فکر کو اپنے سرمایہ پرستانہ فائدوں کے خلاف پا کر اس فکر کو فنا کرنے کی کوشش کے لیے اُٹھے تو سرمایہ شکن قرآنی جماعت کی اصطلاح میں اسے کافر کہا جاتا ہے اور یہ قرآنی جماعت اپنا فرض سمجھتی ہے کہ کافر گروہ کے ہاتھ سے طاقت چھین کر اسے اتنا کمزور کر دے کہ وہ سر نہ اُٹھا سکے قرآن حکیم کافروں سے جنگ اس لیے ضروری قرار نہیں دیتا کہ وہ اس کے فکر کو نہیں مانتے بلکہ صرف اس لیے کہ وہ طاقت پیدا کر کے لوگوں کو انسانیت کے راستے پر چلنے سے نہ روکیں، جس کی دعوت قرآن دیتا ہے اور اپنے راستے پر چلنے کے لیے کسی کو مجبور نہ کر سکیں۔" [جنگ انقلاب، تفسیر سورہ قتال، مطبوعہ بیت الحکمۃ، لاہور ص ۲۸]

## معاشرہ کا ہر فرد محنت کر کے کھائے

اسلام کے بتائے ہوئے صالح معاشرہ کے ہر فرد کے لیے ہاتھ کی کمائی سے کھانا اور محنت و مزدوری سے اپنی ضروریات زندگی کو حاصل کرنا اشد ضروری ہے۔ اگر کچھ افراد ہاتھ کی کمائی اور محنت و مزدوری کو چھوڑ کر دوسروں کی کمائی پر نظر جما کر بیٹھ جائیں تو ایسا معاشرہ صالح نہیں کہلاتا اور جس حکومت کی بنیاد ایسے ناقص معاشرہ پر ہوگی تو ایسی حکومت بھی ایک نہ ایک دن تباہ و برباد ہو کر رہے گی اور مفت خور بھی اپنا برا انجام دیکھیں گے۔ شاہ ولی اللہ صاحب اس کی صراحت کرتے ہوئے اپنی مشہورِ عالم تالیف حجۃ اللہ البالغۃ میں فرماتے ہیں:

"اور اس دور میں حکومتوں کی بربادی کا غالب سبب دو (۲) باتیں ہیں پہلی بات تو یہ ہے کہ بیت المال (خزانے) پر (مفت خوروں نے) بوجھ ڈال دیا ہے، بعض ان میں سے اپنے آپ کو غازی اور مجاہد سمجھ کر بیت المال سے مال اُڑانے کے عادی ہو گئے اور بعض اپنے آپ کو علما کی حیثیت سے خزانہ کا مستحق جانتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کو اپنے انعام واکرام سے نوازنا اور اُن کو بخشش اور صلہ دینا سرمایہ داروں کی عادت ہوتی ہے جیسے زاہد اور



toobaa-elibrary.blogspot.com

درباری شعرا بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو بھکاری کہنا مناسب ہے۔ ان کا مقصد صرف مال جمع کرنا اور اپنا پیٹ بھرنا ہوتا ہے، اس سے قطع نظر کہ معاشرہ کی ضرورت اور مصلحت ان سے پوری ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک جماعت دوسری جماعت کا مقابلہ کرتی ہے اور پھر آپس میں ایک دوسرے کے لیے معاشی ناہمواری کا باعث بنتی ہے اور آخر میں یہ لوگ شہر اور معاشرہ پر بوجھ بن جاتے ہیں۔''

''دوسری بات یہ ہے کہ کسان، تجارت اور صنعت کار پر حکومت نے بھاری ٹیکس لگا رکھے ہیں اور اُن کے وصول کرنے میں ان پر سختی اور تشدد روا رکھتی ہے جس کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ حکومت کا وفادار طبقہ بھی ان ٹیکسوں کے بوجھ کے نیچے دبتا اور پیچھے ہٹتا جا رہا ہے اور دوسری طرف ایک اور فریق ہے اس نے اس ناجائز تشدد سے تنگ آ کر بغاوت کی راہ اختیار کی ہے بہر حال معاشرہ کی بھلائی اس میں ہے کہ کم ٹیکس لگایا جائے اور لوگوں کے حقوق کی حفاظت کا خیال رکھا جائے۔'' ["وغالب سبب خراب لبدان فی هذا الزمان شیئان: احدهما تضییقهم علی بیت المال بان یعتادوا التکسب بالاخذ منه علی انهم من الغزاة ومن العلماء الذین لهم حق فیه أو من الذین جرت عادة الملوك بصلتهم كالزهاد والشعراء...... الخ۔ (حجة الله البالغة ، ج:۱،ص:۴۵،طبع مصر منیریة)]

مذکورہ کتاب میں اس قسم کی ایک اور عبارت، سرمایہ دارانہ نظام میں ناکارہ معاشرہ کے متعلق آئی ہے، ملاحظہ فرمائیں، شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''ملک کی اکثریت خلیفہ کی عیال بن جاتی ہے، کبھی وہ یہ کہہ کر رقم وصول کرتے ہیں کہ وہ غازی ہیں اور ملک کے سیاسی مدبر ہیں اور اس سے ان کا کسی ضروری حاجت کا رفع کرنا مقصد نہیں ہوتا بلکہ باپ دادا کی (مفت خوری والی) رسم کو قائم رکھنا ہوتا ہے اور کبھی یہ کہہ کر خزانہ پر بوجھ بن جاتے ہیں کہ وہ درباری شاعر ہیں۔ بادشاہوں کی تو یہ عادت رہی ہے کہ شعرا کو انعام واکرام دیا کرتے ہیں اور کبھی اپنے کو زاہد اور درویش ظاہر کر کے مانگتے پھرتے ہیں اور اس طرح وہ ایک دوسرے کی تنگی کا باعث بن جاتے ہیں اور اُن کی کمائی صرف بادشاہوں (سرمایہ داروں) کی صحبت ان کی چاپلوسی اور مدح



toobaa-elibrary.blogspot.com

سرائی پر منحصر رہ جاتی ہے اور آخر کار یہ ایسا فن بن جاتا ہے کہ ان کے تمام افکار اسی میں لگے رہتے ہیں اور اسی میں ان کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے جب کسی معاشرہ میں اس قسم کے اشغال بڑھ جاتے ہیں تو لوگوں میں گھٹیا خیالات اور پست افکار پیدا ہوتے ہیں اور وہ اخلاق صالحہ سے منہ موڑ لیتے ہیں۔'' ["صار جمهور الناس عيالا على الخليفة يتكففون منه قارة على انهم من الغزاة والمدبرين للمدينة يترسمون برسومهم ولا يكون المقصود دفع الحاجة ولكن القيام بسيرة سلفهم و شعراء الخ" (حجة الله البالغة، ج:اص:۱۰۶طبع منیریہ مصر)]

## انسانی اجتماع

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اجتماعیت پر بحث کے ساتھ ساتھ کچھ انسانی اجتماع اور معاشرہ پر بھی شاہ صاحب کی رائے معلوم کی جائے تاکہ یہ بحث اُدھوری نہ رہ جائے۔

شاہ صاحب انسانی اجتماع کی اساس خود انسان کو مانتے ہیں۔ یہ صلاحیت اس کا فطری اور نوعی تقاضا ہے۔ جہاں تک اس کی ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے مثلاً کھانا، پینا، جنسی میلان، شدید سردی اور گرمی سے بچنا وغیرہ ان سب ضروریات میں انسان دوسرے حیوانات کے ساتھ شریک ہے۔ قدرت کی طرف سے ہر حیوان میں طبعی الہام کے ذریعے یہ سمجھ ودیعت کی گئی ہے کہ وہ ان ضروریات زندگی کو مادی اشیا سے کس طرح حاصل کرے۔ اس طبعی خواہش میں انسان کے جملہ افراد اور اشخاص مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ناقص الخلقت لوگوں کو چھوڑ کر جن میں انسانی صورتِ نوعیہ کا ظہور پورے طور پر نہیں ہوا۔ یہ طبعی الہام صرف انسان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ دوسرے حیوانات کو بھی ہوتا ہے جیسے شہد کی مکھی کو الہام ہوا ہے کہ وہ کس طرح اجتماعی زندگی بسر کرے مثلاً خاص پھلوں اور پھول پتیوں کا انتخاب اور رہائش کے لیے کس طرح چھتہ بنائے، چھتے میں رہنے کا خاص اجتماعی طریقہ، خاص امیر یعسوب کی رہنمائی میں کام کرنا اور شہد جمع کرنا وغیرہ۔ شہد کی مکھی کو یہ سب تعلیم اس کی فطرت سے ملتی ہے۔ اسی طرح پرندوں کو بھی ان کے نوعی تقاضہ کے موافق یہ سکھایا گیا ہے کہ وہ کس دانہ و پانی کی تلاش کریں بلی اور شکاری سے کس طرح



toobaa-elibrary.blogspot.com

بھاگ جائیں اور اُن کی ضروریات زندگی کی طلب میں اگر کوئی مزاحم ہو تو کس طرح اس سے بچیں، نر اور مادّہ کا ایک مخصوص طریقہ پر انڈوں کو سینا اور بچوں کو چوگا دینا، یہ سب باتیں اُنھیں ان کی فطرت نے سکھائی ہیں۔ اسی طرح ہر نوع کے طبعی تقاضے ہوتے ہیں۔ جوان کی طبیعت نوعیہ کی طرف سے ان کے افراد کو ودیعت کیے گئے ہیں۔[''اعلم ان الانسان یوافق ابناء جنسه فی الحاجة الی الاکل والشرب والجماع والا ستظلال ......الخ'' [حجة الله البالغة ،ص:۳۸ طبع مصر]

اسی طرح انسان کو بھی فطرت کی طرف سے اس قسم کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ مادی چیزوں سے کس طرح نفع حاصل کرے اور اُن کو اپنی ضرورت کے لیے کام میں لائے۔ اسی کو فلسفہ ولی اللہی میں ارتفاق کہا جاتا ہے۔

انسان کی صورت نوعیہ، جب کو دوسرے حیوانات کی صُوَرِ نوعیہ پر فوقیت رکھتی ہے۔ انسان کو نفس ناطقہ (علم کی استعداد رکھنے والا نفس) عطا ہوا ہے اور ساتھ ہی انسان زمین پر عادلانہ نظام قائم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اسے علم کی روشنی سے منور بھی کر سکتا ہے، اس لحاظ سے اسے تین مخصوص تقاضے بھی عطا ہوئے ہیں جو دوسرے حیوانات میں نہیں پائے جاتے:

۱۔ انسان کو ظاہری اور باطنی حواس کے علاوہ ذہن جیسی قوت بھی عطا ہوئی ہے جس کے ذریعہ وہ رائے کلی اور فکر و نظر کی صلاحیت رکھتا ہے وہ محسوس چیزوں کا ادراک کر سکتا ہے اور نظر و فکر سے نا معلوم اشیا کو معلوم کر سکتا ہے غرضیکہ انسان کی یہ خاصیت ہے کہ کسی شئے کی طرف اس کا میلان رائے کلی سے بھی ہوتا ہے اور حیوانات میں صرف ان کی طبعیت سے کسی محسوس یا موہوم غرض مثلاً بھوک، پیاس اور جنسی میلان کی طرف شوق پیدا ہوتا ہے اور انسان کسی ایسے معقول نفع کو سامنے رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، جس کے لیے اس کی طبعیت خاموش ہوتی ہے۔ مثلاً اجتماع میں صالح نظام رائج کرنا یا تہذیب نفس اور تکمیل اخلاق کے لیے کوشاں رہنا یا آخرت کے عذاب سے نجات پانے کی فکر وغیرہ۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

۲۔ انسان کی دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ مادی چیزوں سے نفع حاصل کرنے میں لطافت اور ذوق جمال سے کام لیتا ہے، مثلاً بہائم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کو ایسی چیز مل جائے جس سے ان کی ضرورت پوری ہو اور انسان صرف حاجت روائی کا خیال نہیں رکھتا بلکہ حسن وتحسین اور مذاق لطیف کا بھی طالب رہتا ہے مثلاً وہ ایک حسین عورت، لذیذ طعام، عمدہ لباس اور اچھے مکان کو پسند کرتا ہے۔

۳۔ تیسری خاصیت یہ ہے کہ انسانوں کے اندر ذی عقل وفہم افراد پائے جاتے ہیں جو نوعِ انسانی کے لیے مادی وسائل ایجاد کرتے رہتے ہیں یہ بات حیوانات اور بہائم میں نہیں پائی جاتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان دوسری مخلوقات کے برخلاف ایسے اُمور کا بھی اہتمام کرتا ہے کہ جو اسے نہ تو ظاہری حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم ہوتے ہیں اور نہ وہ چیزیں وہم وخیال کے مدرکات سے ہوتی ہیں اور اُن چیزوں کو صرف انسان کی عقل پسند کرتی ہے جیسے اخلاق کو سنوارنا، نفسی کیفیات پر قابو پانا اور بڑی بڑی سلطنتیں قائم کرنا۔ یہ سب باتیں انسانی فطرت کا تقاضا ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ باتیں انسانیت کی تاریخ میں اقوام عالم کے اندر پائی نہ جاتیں کسی نوع کے افراد اگر نوعی تقاضاؤں پر عمل کرنا چھوڑ دیں تو ان کے مزاج میں خلل آجائے گا کیونکہ نوعی تقاضاؤں پر عمل پیرا ہونے سے ان کا مزاج سالم رہتا ہے۔

معاشرہ کا ارتقا شاہ صاحب مخلوقات کے ارتقائی مدارج کی مثال سے اجتماعی اداروں کے مختلف درجات کا باہمی ربط وتعلق بھی سمجھاتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ انسانی معاشرہ میں ارتقا کو اسی طرح کارفرما مانتے ہیں جس طرح کائنات کے دوسرے مظاہر میں۔ البدور البازغة میں فرماتے ہیں:

> "فالارتفاق الادل مبنی علی ارتفاق البهائم فزاء علیه واتصال ولطافة وطرافة کمثل ابتناء المعادن علی المواليد الخ [البدوز الباغة، طبع مجلس علمی، ص ۵۱]



toobaa-elibrary.blogspot.com

"انسانی معاشرہ کے ابتدائی درجہ میں اجتماعی اداروں کی تشکیل جانوروں کے اجتماع سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتی، فرق اتنا ہے کہ حیوانات میں یہ ارتفاق بطورِ اجمال پایا جاتا تھا۔ انسانوں میں آ کر یہ پوری طرح نشو ونما پاتا ہے جس کی وجہ سے انسانی معاشرہ اپنی اس ابتدائی شکل میں بھی حیوانات کے اجتماع کی بہ نسبت زیادہ بہتر اور بلند مرتبہ ہوتا ہے حیوانی معاشرہ کے بعد انسانی معاشرہ کا یہ ابتدائی درجہ بالکل اسی طرح وجود میں آتا ہے جس طرح کائنات کے عناصر سے جمادات پیدا ہوتے ہیں۔ انسانوں میں معاشرہ کا دوسرا درجہ پہلے درجہ کے بعد آتا ہے اس سے پہلے نہیں آ سکتا اس کی مثال بالکل ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے جمادات کے بعد نباتات کا آنا۔ انسانی معاشرہ کے اس درجہ میں پہلے درجہ کی تمام باتیں پائی جاتی ہیں، لیکن اب ان میں لطافت، عمدگی اور بہتر تنظیم پیدا ہو جاتی ہے، دوسرے درجہ کے بعد انسانی معاشرہ کے تیسرے درجہ کا آنا نباتات کے بعد حیوانات کی تخلیق کی مانند ہے جس طرح حیوانات میں نباتات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں اسی طرح اس تیسرے درجہ میں دوسرے درجہ کی صفات بھی ہوتی ہیں لیکن ذرا مختلف شکل میں، حیوانیت کے بعد انسانیت کی منزل آتی ہے۔ ارتفاقات (اجتماعی اداروں) میں اس کی مثال تیسرے اور چوتھے درجہ کو سمجھنا چاہیے۔" [ترجمہ از شاہ ولی اللہ کے عمرانی نظریے، ص:۵۹]

## معاشرہ کی منزلیں

البدور البازغة کی مذکورہ تحقیق کی بنا پر شاہ صاحب کے ہاں انسانی معاشرہ یا اجتماع کو اپنے ارتقا میں چار منازل سے گزرنا پڑتا ہے اور شاہ صاحب کے فلسفہ میں ان کو "ارتفاقات" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے ان میں سے انسانی اجتماع کی پہلی منزل وہ بنیادی منزل ہے جس سے انسانی معاشرہ کا کوئی فرد بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

انسان کی مذکورہ خصوصی صفات سب افراد میں ایک جیسی نہیں پائی جاتیں اس لیے شاہ صاحب نے "ارتفاقات" کی دو(۲) حدیں قائم کی ہیں ایک وہ ہے جس سے انسانوں کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا معاشرہ بھی بے نیاز نہیں ہوسکتا، چاہے وہ انسانی اجتماع پہاڑوں کی چوٹیوں



toobaa-elibrary.blogspot.com

پر بھی کیوں نہ رہتا ہو، یا مہذب ممالک سے دور دراز اطراف میں رہتا ہو، شاہ صاحب کے فلسفہ کی اصلاح میں اس کا نام ارتفاقِ اوّل ہے اس مرتبہ کی ایک بنیادی چیز زبان ہے جس کے ذریعہ انسان اپنے دل کی بات دوسروں کو سمجھاتا ہے اور اپنے خیالات سے دوسروں کو زبان کی وساطت سے مطلع کرتا ہے اگر کسی معاشرہ یا اجتماع میں اپنے دل کی بات دوسروں کو سمجھانے کے لیے کوئی زبان نہ ہو تو ایسا معاشرہ کسی بھی کام کو اجتماعی طور سے سرانجام نہیں دے سکتا۔

شاہ صاحب نے اس منزل میں جس زبان کو ضروری قرار دیا ہے وہ اس کی ابتدائی شکل ہے مثلاً جن چیزوں کا بینائی پر اثر پڑتا ہے یا وہ باتیں جن سے انسان میں بعض وجدانات اور احساسات کی تحریک ہوتی ہے اور پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ کسی مناسب آواز اور الفاظ کے ذریعہ اپنے اس وجدان یا احساس کا اظہار کرے اور دوسرے کو سمجھائے اس قسم کے الفاظ اور عبارات کو کسی زبان کا ابتدائی مرحلہ سمجھا جاتا ہے اس کے بعد اس زبان میں روز بروز وسعت ہوتی رہتی ہے۔

معاشرے کے اس پہلے مرتبے کی دوسری چیزیں یہ ہیں: کھیتی باڑی، کنویں کھودنا، کھانے پکانے کی کیفیت معلوم کرنا، برتن وغیرہ بنانا، چوپایوں کی پرورش کرنا اور اُن کو سواری کے کام میں لانا اور اُن کے گوشت پوست، بال، پشم، دودھ اور نسل سے نفع حاصل کرنا وغیرہ۔ پوشاک اور جائے رہائش بھی اس پہلے مرتبے کی ضروریات میں داخل ہیں۔ اس منزل میں انسان کے لیے ایک رفیقہ حیات کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس میں کوئی دوسرا انسان مزاحمت نہ کر سکے، اس سے وہ جنسی جذبات کی تسکین کے ساتھ بقائے نسل اور گھریلو کاروبار میں مددگار کا کام بھی لیتا ہے۔["ولما كانت هذه الثلثة لاتوجدني في جميع الناس سواء، كان للار تفاق حدان: الاوّل هوالذى لايمكن ان ينفك عنه اهل الاجتماعيات القاصرة كاهل البدر ومدن شواهق الجبال والنواحى البعيدة من الاقاليم الصالحة...... الخ" (حجة الله البالغة، ص:۲۹،طبع منیریہ)]



toobaa-elibrary.blogspot.com

## معاشرہ کی پہلی منزل

انسانی معاشرہ کی پہلی منزل کی پابندی تمام اقوام اور قبائل کے لیے بے حد ضروری ہے اس کی پابندی کیے بغیر ان کا اجتماعی زندگی بسر کرنا دشوار بلکہ ناممکن ہے۔

## معاشرہ کی دوسری منزل

انسانی اجتماع معاشرتی ارتقا میں پہلی منزل عبور کر کے مزید ترقی کا راستہ ہموار کرتا ہوا جب آگے بڑھتا ہے تو انسانی اجتماع کی یہ دوسری منزل کہلاتی ہے اور فلسفہ ولی اللہی میں اس کا نام ارتفاقِ دوم ہے۔

اس میں انسان پہلی منزل کی سادہ شکل پر قناعت نہیں کرتا، بلکہ اپنی ضروریات پورا کرنے کے لیے اچھے ذرائع کی تلاش جاری رکھتا ہے اور اس عرصہ میں اس کے مشاہدہ تجرباتی اور فطری علوم میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اور آگے چل کر معاشرہ کے اجتماع کی دوسری منزل وجود میں آتی ہے۔

ارتفاقِ دوم یا معاشرہ کو ترقی کے راستے پر لے جانے کے لیے کن چیزوں کی ضروریات پڑتی ہے؟ اس کی وضاحت کے لیے شاہ صاحب نے اپنی مشہور عالم تصنیف حجة الله البالغة میں تین ابواب رکھے ہیں: (۱) فنِ آدابِ معاش (۲) تدبیرِ منزل (۳) اقتصادیات یا فنِ معاملات۔

فنِ آدابِ معاش میں زندگی کے ایسے اُصول اور موزوں طریقے بتائے جاتے ہیں جن کی روشنی میں معاشرہ کی پہلی منزل کی ضروریات زندگی کو صحیح تجربات اور مشاہدہ کی کسوٹی پر رکھا جاتا ہے اور پھر ان میں سے وہ باتیں اختیار کی جاتی ہیں جن کا نفع بہت زیادہ اور نقصان بہت کم ہو۔ اور یہ طور طریقے رائے کلی اور مذاق لطیف کے عین مطابق ہوتے ہیں، مثلاً کھانے پینے، رہنے سہنے، اوڑھنے، پہننے اور طرز زندگی کے موزوں طریقے اختیار کرنا اور شائستگی کا خیال رکھنا یہ سب باتیں رفاہیت اور خوش حالی سے حاصل ہوسکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس میں رفاہیت بالغہ (بے حد آرام طلبی) اور باہمی نزاع کی صورت پیدا نہ ہو۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

## تدبیرِ منزل

تدبیرِ منزل ["وهو الحكمة الباحثة عن كيفية حفظ الربط الواقع بين اهل المنزل على الحد الثانى من الارتفاق...... الخ" (حجة الله البالغة ،ص:۱۴۱طبع منیریہ مصر)] حکمت کا ایک فن ہے جس
میں یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ گھر والوں کے باہمی ربط وضبط اور تعلقات میں ارتفاق کی ترقی یافتہ شکل کی حفاظت کی کیا صورت ہونی چاہیے، اس میں حسنِ تدبیر اور رائے کلی کا لحاظ رکھا جاتا ہے تدبیر منزل کا بنیادی اُصول یہ ہے کہ انسان کو بقائے نوع کے لیے توالد وتناسل کی ضرورت تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ میاں بیوی دونوں حسن معاشرت اور خوش اسلوبی سے زندگی بسر کریں جب ان کو اولاد پیدا ہوتی ہے تو فطری طور پر ان کے دلوں میں اولاد پر شفقت کرنے کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور دونوں مل کر اولاد کی تربیت کرتے ہیں۔ مرد اور عورت کی طبعیتیں فطری طور پر کچھ مختلف خاصیتیں رکھتی ہیں، عورت کے اندر اُمورِ خانہ داری کو بہترین صورت پر سرانجام دینے کی قابلیت موجود ہے مرد نسبتاً زیادہ محنت اور مشقت کے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ ان دونوں کا اپنے فطری تقاضوں کے موافق گھر کا کاروبار چلانا، حسن معیشت کی بنیاد ہے اور اس تعلق کو برقرار رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ گھر کے افراد میں مساوات کے احساس کے ساتھ باہمی فرق مراتب کا احترام بھی صحیح طور پر موجود ہے۔ شاہ صاحب نے حجة الله البالغة میں فن تدبیر پر بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے۔ تفصیل کے لیے اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

## اقتصادیات یا معاملات

اجتماع کے دوسرے مرتبہ کی یہ خاصیت تھی کہ ضروریات زندگی کو اچھی صورت میں پیش کیا جائے اور اُن کے حاصل ہونے کے بعد معاشرہ خوشحال کہلائے اس صورت میں معاشرہ کے ہر فرد کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ انسانی زندگی کی جملہ ضرورتوں کو پورا کرنے میں خوب صورتی اور مذاق لطیف کا خیال رکھا جائے جب نوع انسانی کے افراد کی ضروریات زندگی بڑھ گئیں اور



toobaa-elibrary.blogspot.com

اُن میں نفاست اور پاکیزگی کا خیال بھی ملحوظ ہوا تو اس صورت میں یہ ناممکن تھا کہ ایک فرد اپنی ضرورت کی تمام چیزیں خود تیار کرے، اس لیے مختلف افراد ضرورت انسانی کی اشیا کی تیاری میں لگ گئے اور اس طرح مختلف پیشے وجود میں آئے اور پھر ان کے لیے یہ ضروری ہوا کہ ایک دوسرے کے ساتھ لین دین اور معاملہ کر کے اجتماعی زندگی بسر کریں۔

پیشوں کے اس تنوع سے یہ صورتِ حال پیدا ہوگئی کہ ہر شخص انسانی ضرورت کی ایک چیز تیار کرنے لگا حالانکہ اس کو زندہ رہنے کے لیے اور بہت سی اشیا کی ضرورت ہے، اس لیے معاشرہ کے سب افراد کے لیے جملہ ضروریات زندگی سے فائدہ اُٹھانے کی سہل صورت یہ تھی کہ مبادلہ اجناس کے طریقہ کو رائج کیا جائے۔ مثلاً ایک کسان دوسرے کسی پیشہ ور کو غلہ دے کر تبادلہ میں اپنی ضرورت کی چیز حاصل کرے ایک مدت تک لوگوں نے آپس میں تبادلہ کی یہ صورت اختیار کی مگر اس میں ایک طرف طرفین کو تکلیف اُٹھانی پڑتی تھی تو دوسری طرف یہ صورت بھی پیدا ہوگئی کہ مثلاً ایک شخص کے پاس اناج ہے اور اس کو روئی کی ضرورت محسوس ہوئی دوسرے کے پاس روئی تو موجود ہے لیکن سردست اس کو غلہ کی ضرورت نہ تھی غلہ اس کے پاس موجود تھا، جب یہ دشواری پیش آئی تو اس دشواری کا حل یہ تلاش کیا گیا کہ معدنی اشیا (سونے اور چاندی) کو مبادلہ کا ذریعہ بنایا گیا، اس لیے کہ سونا اور چاندی اس غرض کے لیے نہایت موزوں تھے کیونکہ ان کی ضخامت کم تھی اور اُن کے لانے اور لے جانے میں آسانی رہتی تھی اور اُن کے اجزا میں مماثلت اور یکسانی پائی جاتی ہے، گویا سونے اور چاندی کی تخلیق ہی اس غرض کے لیے ہوئی ہے کہ ان کو نقدی کے طور پر استعمال کیا جائے، دوسری کسی چیز میں یہ سب اوصاف ایک جگہ نہیں پائے جاتے۔

معاشرہ کے اس دوسرے درجے میں قدیم دور کے اندر اگرچہ اصلی پیشے محدود تھے مگر انسانی ضروریات بڑھتی رہیں تو کسب اور پیشہ کے مفہوم میں بھی وسعت آتی گئی اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے کے طریقے بھی بدل گئے اب ہر ایسی جدوجہد کو پیشہ کہنے لگے جس سے معاشرہ کی تکمیل ہوتی اور اجتماعی زندگی بسر کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہو، اس لیے معاشرہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

کے ہر فرد کا یہ فریضہ ہے کہ وہ دوسرے افراد سے زندگی کی دوڑ میں الگ تھلگ نہ رہے بلکہ اپنی اور دوسرے انسانوں کی ضروریات زندگی حاصل کرنے کی جدوجہد میں برابر کا شریک رہے، اس کے لیے مضبوط قسم کی تنظیم کی ضرورت پیش آئی جس سے معاشرہ کا تیسرا مرتبہ وجود میں آ گیا۔["والاصل فی ذلك انه لما ازدحمت الحاجات وطلب الار تفاق فیها علی وجه تقربه الاعین تعذراقامتها من کل واحد وکان بعضهم وجد طعاما فاضلا عن حاجته ......الخ"(حجة الله البالغة، ص:۴۳)]

## معاشرہ کی تیسری منزل

معاشرہ کی یہ تیسری منزل دوسری منزل کا فطری نتیجہ ہے جس میں معاشرہ ایک وسیع اور متحد نظام کی شکل اختیار کرتا ہے اور اسی سے مملکت کی بنیاد پڑتی ہے مثال کے طور پر جب ہر شخص کا پیشہ ایک دوسرے سے الگ ہو جاتا ہے اور انھیں باہمی امداد کی زیادہ ضرورت پیش آتی ہے تو اس وقت ایک مضبوط سیاسی نظام کی بہت زیادہ ضرورت پیش آتی ہے، اس قسم کے مضبوط نظام اور مملکت کو شاہ صاحب ارتفاقِ سوم یا معاشرے کی تیسری منزل قرار دیتے ہیں، اس مملکت کے بارے میں شاہ صاحب نے اپنی مشہور تالیف البدور البازغة میں جو وضاحت فرمائی ہے اسے یہاں بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے:

> "بے شک جب انسان باہمی معاملہ کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں متاعِ تجارت کے مبادلہ کی مختلف صورتیں وجود میں آتی ہیں، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ لوگوں کے درمیان مثلاً کاشت کاروں، تاجروں اور کپڑا بننے والوں وغیرہ کا باہمی رشتہ اور اتحاد پایا جاتا ہے۔ حقیقی مملکت چار دیواری، قلعہ اور تجارتی مرکز کا نام نہیں۔ اگر بہت سے شہر ایک دوسرے کے قرب وجوار میں ہیں اور اُن کے باشندوں کا باہمی معاملہ اور لین دین جاری ہے تو یہ بھی ایک مملکت کہلائے گی۔"

## معاشرہ کی چوتھی منزل

شاہ صاحب کی نظر میں یہ منزل سیاست مدنیہ کی ایک شاخ ہے اور معاشرہ کے ارتقا کے



toobaa-elibrary.blogspot.com

دوران جو بین الاقوامی حکومت وجود میں آتی ہے وہ معاشرہ کی چوتھی منزل ہے۔ یہ ایک ایسی وحدت ہے جو مختلف اکائیوں کی ترکیب سے ایک اکائی بن جاتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ہر ایک ملک میں الگ حکومت ہو اور ہر ایک کے ذرائع آمدنی، اس کا خزانہ اور اس کی محافظ فوج علیحدہ ہو تو ان کے مختلف امزجہ اور اُن کی الگ الگ استعداد اس کی باعث بنتی ہے کہ ان میں ظلم رواج پکڑے اور سنت راشدہ کو چھوڑ دیں اور ہر ایک مملکت جذبہ طمع سے تحریک پا کر دوسری مملکت پر غلبہ کی خواہاں ہو۔ مختلف مملکتوں کی یہ نوعیت ایک عظیم طاقتور نظام اور بین الاقوامی مملکت کی ضرورت پیدا کرتی ہے، جس میں یہ صلاحیت ہو کہ دوسری تمام مملکتوں کو پر امن رہنے کے لیے قابو میں رکھے۔ یہ ضرورت ایک اعلیٰ خلافت کی شکل یا ایک بین الاقوامی حکومت سے پوری ہو جاتی ہے۔

ارتفاقِ چہارم یا معاشرہ کی چوتھی منزل کے متعلق شاہ صاحب کی مذکورہ تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک امیر کی اطاعت مرکزیت کے لیے ضروری ہے۔ عصر حاضر کے نوجوان اسے ضروری نہیں سمجھتے۔ اس سلسلے میں علامہ عبیداللہ سندھی کی طرف سے اس مسئلہ کی وضاحت پیش کی جاتی ہے، علامہ اُستاد فرماتے ہیں:

> ''آج کل کے سیاسی نظاموں میں اہلِ علم صرف ایک امیر کی اطاعت کو مرکزیت کے لیے ضروری نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک اس سے خرابیاں پیدا ہونے کے زیادہ امکانات ہیں۔ شاہ صاحب اس کا علاج تجویز کرتے ہیں کہ ایک ''بورڈ'' ہو جس کے ارکان کے ہاتھ میں الگ الگ اختیارات ہوں جہاں تک میری معلومات ہیں میں نے کسی مذہبی عالم کے ہاں اس طرح کا فکر نہیں پایا شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک کامل ریاست میں جس میں بہت سے افراد ہوتے ہیں نظام قائم رکھنے کے لیے ایک ایسا آدمی ہونا چاہیے جو اکیلا سب اُمور کی کفالت کرے اور وہ ''الامام الحق'' ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے: وقلما یوجد ذلك اور ایسا آدمی کم ہی ملتا ہے چنانچہ اکثر دو تین اُمور ایک آدمی کی تحویل میں ہوتے ہیں اور باقی اُمور دوسرے کے پاس۔''
>
> ''شخصی حکومت کے بجائے عقلائے قوم کی حکومت کی یہ تجویز پارلیمنٹری نظام کا نقطہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

آغاز ہوسکتی تھی کاش اس وقت اس کی طرف توجہ کی جاتی۔"

اقترابات جن سے مراد قربِ الٰہی کے حصولِ ذرائع اور "ارتفاقات" جو عبارت ہیں معاشی، سیاسی واجتماعی تدابیر سے، شاہ صاحب کے نزدیک ان دونوں کے لیے اسلام صراطِ مستقیم پیش کرتا ہے۔ اس نے قیصریت وکسریت کو ختم کر کے "ارتفاقات" میں راہِ وسط پیدا کی۔ شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت آفریں طبعیت کا یہ خاص کمال ہے کہ اُنھوں نے یہ بتایا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا ایک مقصد معاشی ناہمواریوں کا خاتمہ کرنا بھی تھا۔ [الرحیم، اُردو، ص ۱۳، اپریل ۱۹۶۴ء]

## ذریعہ پیداوار

معاشرہ کے معاشی نظام کی بہتری کا مدار ذرائع پیداوار پر بھی ہے اور اس کا نہایت اہم ذریعہ زمین ہے قرآن مجید میں زمین کے متعلق ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ...... وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ﴾ ترجمہ: "ہم نے زمین میں تم کو حکومت دی اور زمین ہی میں تمھارے لیے سامان معاش رکھا۔ اور زمین کو حق تعالیٰ نے عام انسانوں کے لیے فائدے کے بنایا ہے۔"

شاہ ولی اللہ صاحب بنیادی معاشی وسائل میں سے زراعت کو اس قدر اہمیت دیتے ہیں کہ جس ملک میں اس کے وسائل موجود ہوں۔ اس جگہ اگر اس سے بے پروائی برتی جائے تو اس ملک کی تمدنی حالت کبھی درست نہیں رہ سکتی اور اس کا فاسد اور برباد رہنا یقینی ہے کیونکہ خام اجناس کی پیداوار کے بغیر نہ تجارت چل سکتی ہے اور نہ صنعت وحرفت بروئے کار آسکتی ہے۔

[اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص ۱۶۸]

چنانچہ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

"پس اگر باشندگان ملک کی اکثریت، صنعت وحرفت اور شہری سیاسیات ہی میں مصروف رہے اور زراعت اور مویشیوں کی حفاظت اور پرورش کی جانب بہت تھوڑے لوگ مشغول ہوں تو ان کی دُنیاوی عدنی زندگی فاسد اور خراب ہو جائے گی۔ ["فانهم



toobaa-elibrary.blogspot.com

ان کان اکثرھم مکتسبین بالصناعات والقلیل مکتسبین بالرعی والزراعۃ فسد حالھم فی الدُنیا......" (حجۃ اللّٰہ البالغۃ، ج:۲،ص۱۰۹)]

اور آگے چل کر زراعت، تجارت اور صنعت کو مدنی حیات کا اہم جز قرار دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"جب قومیں معاشی وسائل کو چھوڑ کر عیش پرستانہ وسائل زندگی اختیار کر لیتی ہیں اور سرمایہ دارانہ سربلندیوں اور مسرفانہ رفاہیت میں باہمی مقابلہ کو معیار حیات بنالیتی ہے تو وہ کبھی مدنی زندگی میں پھل پھول نہیں سکتیں اور اُن کی یہ غیر طبعی عیش کوشی ان کو جلد ہی لے ڈوبتی ہے۔" [اسلام کا اقتصادی نظام، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، ص۱۶۹]

"فاذا قبل جمّ غفیر منھم الی ھذہ الاکتساب اھملوا مثلھا من الزراعات و التجارات واذا تفق عظماء المدینۃ فیھا الاحوال اھملوا مثلھا من مصالح المدینۃ و جر ذلک الی التضیق علی القائمین بالا کتساب الضروریۃ کالزراع والتجار والصناع وتضاعف الضرائب علیھم وذالک ضرر بھذہ المدینۃ یتعدی من عضو منھاالی عضو حتی یعمّ الکل و یتجاری فیھا کما یتجاری الکلب فی بدن المکلوب۔"
[حجۃ اللّٰہ البالغۃ، ج:۲،ص:۱۰۶]

"پس جب باشندگان ملک کی بڑی اکثریت اس قسم کے (غیر طبعی اور غیر مفید) کسب واکتساب میں منہمک ہوجاتی ہے تو زراعت اور تجارت جیسے کسب و ہنر چھوڑ بیٹھتی ہے اور جب شہر کے رؤسا اور اُمرا ایسے غلط وسائل معیشت پر خرچ کرتے ہیں تو ایسے لوگ مدنی مصالح کو برباد کردیتے ہیں اور آہستہ آہستہ یہ غلط انہاک ان لوگوں کی مصیبت کا باعث بن جاتا ہے جو اہم اور ضروری معاشی وسائل کی جانب مشغول ہیں مثلاً کاشت کار، تجار اور صناع، نیز یہ فاسد انہاک ان پیشہ ور افراد پر بھاری ٹیکسوں کا باعث ہوجاتا ہے اور یہ مدنی زندگی کے لیے اس قدر نقصان دہ بن جاتا ہے کہ اعضا جماعت کے ایک عضو (فرد) سے متعدی ہوکر دوسرے عضو (فرد) تک پہنچتا ہے اور آہستہ آہستہ تمام اعضا (افراد) جماعت میں داء الکلب کی طرح متعدی ہوجاتا ہے۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

## زمینداری سسٹم

زمین کی پیداوار کی اہمیت کے بعد ''زراعت'' کی شرعی اہمیت سمجھنی بھی ضروری ہے۔ زراعت دوطرح کی مروج ہے ایک یہ کہ کوئی شخص زمین کو خود کاشت کرے اور دوسرے یہ کہ اپنی زمین کو بٹائی کے طور پر دوسرے کو کاشت کے لیے دے دے۔ اس دوسری صورت کو شرعی اصطلاح میں مزارعۃ کہا جاتا ہے ملک میں اس کی جو ظالمانہ روش جاری ہے جس میں کسان یا ہاری پر بے حد مظالم ڈھائے جاتے ہیں اور کسان زمیندار کا غلام بن جاتا ہے اسے درست تسلیم کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ باقی مزارعۃ کی وہ صورت جو اسلام کے قرن اوّل میں رائج تھی، اس کا بھی حکم سن لیجیے۔

مسند امام ابوحنیفہ میں ''کتاب المزارعۃ'' کے تحت دو روایتیں درج ہیں ایک حضرت جابرؓ سے اور دوسری حضرت رافع بن خدیجؓ سے، ان دونوں روایتوں میں زمینداری کو ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ احادیث اور اُن کا ترجمہ درج ذیل ہے:

"ابو حنیفہ عن ابی الزبیر عن جابرؓ قال نہیٰ رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم عن المخابرۃ"

ترجمہ: ''ابوحنیفہ، ابوالزبیر کے واسطے سے حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے منع فرمایا مخابرہ سے۔''

مزارعۃ ومخابرہ یہ ہر دو قریب المعنیٰ لفظ ہیں اور زمین کو زرعی کرایہ پر دینے کی دو شکلیں ہیں:

١- مزارعہ: یہ کہ پیداوار کے کسی حصہ کے عوض میں مثلاً نصف یا تہائی یا چوتھائی کے بدلہ میں زمین کرایہ پر دی جائے اور بیج مالک زمین کا ہو۔

٢- مخابرہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے مگر اس میں بیج عامل یا کاشت کار کا ہوتا ہے۔

اراضی زرعی کرایہ پر دینے کی یہ ہر دو صورتیں امام ابوحنیفہ، مالک اور شافعی کے نزدیک اس اور اس نوعیت کی دیگر احادیث کے تحت ناجائز ہیں۔

"ابوحنیفہ عن ابی حصین عن رافع بن خدیج عن النبی ﷺ انہ مر بحائط



toobaa-elibrary.blogspot.com

ناعجبه فقال لمن هذا؟ فقلت لی فقال من این هولك؟ قلت استاجرته قال:

''امام ابوحنیفہ سے بوساطت ابی حصین، حضرت رافع بن خدیجؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کا گزر ایک باغ پر ہوا جو آپ ﷺ کو بہت پسند آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کس کا ہے؟ میں نے کہا یہ میرا ہے پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیا؟ میں نے کہا کہ میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے آپ نے فرمایا کہ اس کی پیداوار کے کسی حصہ کے عوض اجارہ پر نہ لینا۔

"وفی روایة ان النبیؐ مر بحائط فقال لمن هذا فقلت لی وقد استاجرته فقال فلا تستاجره۔"

''اور ایک روایت میں یوں ہے کہ: نبی ﷺ ایک باغ پر گزرے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کس کا ہے؟ حضرت رافعؓ کہتے ہیں میں نے کہا یہ میرا ہے اور میں نے اس کو اجارہ پر لیا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو اجارہ پر نہ لے۔ [مسند امام ابوحنیفہ مع ترجمہ مولانا سعد حسن خان، مطبع سعیدی قرآن محل، کراچی، ص ۳۱۲]

امام مسلم نیشاپوری اپنی کتاب صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ والی روایت کو متعدد طرق سے لائے ہیں مسئلہ کی وضاحت کے لیے چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ "عن جابر بن عبداللّٰہ قال نهی رسول اللّٰہ ﷺ عن كراء الارض"

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔''

۲۔ "عن جابر قال قال رسول اللّٰہ ﷺ من كانتله ارض فليزرعها فان لم يزرعها فليزرعها اخاه۔"

''حضرت جابرؓ سے روایت ہے، فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو اس میں خود کاشت کرے اور اگر خود کاشت نہیں کرتا تو اپنے بھائی کو (بلاعوض) کاشت کے لیے دے دے۔''

۳۔ "عن جابر بن عبداللّٰہ قال كان لرجل فضول ارضين من اصحاب رسول اللّٰہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

فقال رسول اللّٰہؐ من کانت لہ فضل ارض فلیز رعھا اولیمنحھا اخاہ فان ابی فلیمسك ارضہ۔"

"حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ایک کے پاس زائد زمین تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر کسی کے پاس زائد زمین ہو تو خود کاشت کرے یا اپنے بھائی کو دے دے اگر ایسا نہیں کرتا تو اپنی زمین کو اپنے پاس روکے رکھے۔ (یہ ایک قسم کی تہدید ہے۔)

۴۔"عن جابر قال قال رسول اللّٰہؐ من کانت لہ ارض فلیز رعھا فان لم یستطع ان یزرعھا وان عجز عنھا فلیمنحھا اخاہ المسلم ولا یو اجرھا اِیَّاہ۔ [مسلم، اصح المطابع، کراچی، ص ۱۱،۱۲]

"حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ جس کے پاس زمین ہو تو اس میں خود کاشت کرے، اگر خود کاشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور عاجز ہے تو اپنے مسلمان بھائی کو یہ زمین (مفت) دے دے اور اس زمین کو اجارہ پر نہ دے۔"

## زمینداری ائمہ مذاہب کی نظر میں

زمین کو بٹائی پر دینے کی جو مروجہ صورت ہے اس کو امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی تینوں ناجائز قرار دیتے ہیں البتہ ایک صورت ایسی ہے جس کو جائز قرار دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ نقد رقم لے کر زمین کو کرایہ یا ٹھیکے پر دیا جائے، اس میں زمین کی پیداوار کی تقسیم نہیں ہوتی۔ حضرت حسن بصری نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے اور امام طاؤس کی بھی یہی رائے ہے جیسا کہ امام نووی نے صحیح مسلم کی شرح میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔

امام مالک نے اس سلسلے میں ایک روایت حضرت رافعؓ بن خدیج سے اس طرح ذکر فرمائی کہ پیغمبر علیہ السلام نے زمین کو کرایہ پر دینے سے منع فرمایا۔ حنظلہ بن قیس جو حضرت رافعؓ سے یہ روایت کرتے ہیں کہتے ہیں کہ میں نے حضرت رافع بن خدیج سے پوچھا کہ کیا سونے اور چاندی کے عوض پر بھی زمین کو کرایہ پر دینا ناجائز ہے؟ حضرت رافع نے فرمایا اس میں کوئی



toobaa-elibrary.blogspot.com

حرج نہیں۔["مالك عن ربيعة بن عبدالرحمن عن حنظلة بن قيس الزرق عن رافع بن خديج ان رسول اللہ ﷺ نهى عن كراء المزارع قال حنظلة فسألت رافع بن خديج بالذهب والورق ؟ فقال اما بالذهب والورق فلا باس به۔ (مؤطا، کتاب المزارعۃ)]

زمین داری کی مروجہ صورت کو امام احمد اور امام ابوحنیفہ کے دو شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد جائز قرار دیتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس اختلاف کی قدرے وضاحت کردی جائے علامہ سمرقندی (وفات ۵۳۹ھ) اپنی مشہور تالیف تحفة العلماء میں فرماتے ہیں:

ترجمہ: ''مزارعت نام ہے زمین کو بٹائی پر دینے کا معاملہ کرنا اور معاملہ بھی اسی طرح ہے، اس میں انگور اور دوسرے پھل دار درختوں کی حفاظت اور پانی دینے کے لیے مزدور اس کرایہ کے عوض لیا جاتا ہے کہ باغ کے پھلوں کا ایک مقرر حصہ اس کو ادا کیا جائے۔ امام ابوحنیفہ دونوں صورتوں کو ناجائز اور غیر مشروع قرار دیتے ہیں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کا قول ہے کہ دونوں صورتیں جائز اور مشروع ہیں۔'' [تحفة الفقهاء، طبع دمشق، ج ۳، ص ۴۴۲]

ملک العلماء علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی نے اپنی مشہورِ عالم تالیف البدائع والصنائع میں امام ابوحنیفہ کی رائے کو ترجیح دیتے ہوئے امام ابو یوسف اور محمد کے استدلال کا مدلل جواب دیا ہے۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں: ''کہ امام ابو یوسف اور امام محمد نے مزارعۃ کے جواز میں خیبر کے معاملہ سے استدلال کیا ہے کہ پیغمبر علیہ السلام نے یہود خیبر کو باغات معاملہ کے طور پر اور اس کی اراضی مزارعت کے طور پر دیے تھے۔ پیغمبر علیہ السلام کے فعل سے کم از کم جواز تو معلوم ہوگیا۔ اور دوسرے کہ سلف اور خلف کا اس پر تعامل رہا ہے اور اس کا انکار نہیں کیا۔''

امام ابوحنیفہ کا یہ فرمانا کہ خیبر کا معاملہ مزارعہ نہیں تھا، بلکہ یہ جزیہ تھا جو اُن سے وصول کیا جاتا تھا اور اس کو مزارعت پر حل کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے یہودیوں سے یہ فرمایا تھا کہ ''اقركم ما اقركم الله ''یعنی ''میں اس وقت تک تم کو ان اراضی پر رکھتا ہوں جب تک اللہ تم کو رکھے۔'' اس میں تو مدت کی لاعلمی ہے معاملہ کی کوئی مقرر مدت نہیں ہے لہٰذا اس کو بالا


toobaa-elibrary.blogspot.com

تفاق ناجائز کہنا چاہیے۔ کیونکہ مزارعت میں جب معین مدت نہ ہوگی تو بالاتفاق ناجائز ہے۔

باقی سلف وخلف کا تعامل اور کسی کا انکار نہ کرنا اِس سے بھی جواز پر دلیل لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ یہ سکوت اس لیے تھا کہ یہ مسئلہ اجتہادی نوعیت کا تھا۔[اماشرعیة المزارعة فقد اختلف فیها، قال ابوحنیفة انها غیر مشروعة ...... الخ (البدائع والصنائع، علامہ کاسانی "کتاب المزارعة")]

## کیفیت نظامِ اجتماع

شاہ صاحب کی نظر["واعلم ان للنظام الانسانی صحة کاملة ودونها صحة ناقصة ودونها مرض مدنف وبالجملة فمقتضی اصل طبیعة الانسان الصحة الکاملة واذا نابت نوائب فی البدن فالصحة الناقصة اوالمرض المد نف، فالار تفاق الاوّل...... الخ" (البدور البازغة،ص:۹۵طبع مجلس علمی ڈابھیل)] میں فرد کی طرح انسانی اجتماع کا نظام بھی تین طرح کا ہوتا ہے:۱۔ کامل صحت ۲۔ ناقص صحت ۳۔ مرض مہلک

انسانی طبیعت کا اصل مقتضا تو یہ ہے کہ وہ اچھی صحت پر رہے۔ اور جب اس میں خلل واقع ہوتا ہے تو (انسانی اجتماع کی) صحت بگڑ جاتی ہے، اس حالت میں یا تو صحت ناقص رہتی ہے یا اسے مہلک مرض لاحق ہوجاتا ہے جو بالآخر (معاشرہ کو) ہلاک کردیتا ہے، (اس کے ساتھ یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ) ارتفاق کی پہلی منزل سے کوئی بھی انسانی فرد خالی نہیں ہوسکتا، چاہے وہ پہاڑوں پر رہتا ہو یا صحراؤں میں بودوباش رکھتا ہو، اسی طرح ارتفاق کی دوسری منزل سے انسانیت کی اکثریت بچ نہیں سکتی، خاص طور پر بڑے شہروں کے رہنے والے اور مہذب لوگ تو اس کو ضرور اپناتے ہیں۔ اگر کسی جگہ یہ دوسرا ارتفاق دیکھنے میں نہ آئے تو اس کا اصلی سبب ان لوگوں کے مزاج کی خرابی ہوگی تیسرے ارتفاق کو بھی اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا رہتا ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد یہ جاننا ضروری ہے کہ انسانی معاشرہ کی صحت کا مدار مال اور دولت کی عادلانہ تقسیم پر رہے۔ تیسرے ارتفاق میں جب ایک حکومت وجود میں آتی ہے تو اس کا بھی اوّلین فریضہ، دولت کی عادلانہ تقسیم ہے، انبیا علیہم السلام نہ صرف انسانوں کی اُخروی فلاح کے لیے



toobaa-elibrary.blogspot.com

تشریف لائے تھے بلکہ ان کی دعوت کا ایک اہم پہلو انسانیت کی دنیوی بہبود اور فلاح بھی تھا۔ یہی سبب ہے کہ یوسف علیہ السلام کی جب مصر کے بادشاہ کے سامنے عصمت اور امانت کھل کر ثابت ہوئی تو اُنھوں نے یہ کہہ کر وزیر خزانہ کا عہدہ طلب فرمایا: ﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ، اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ ترجمہ: ''مجھے زمین کے خزائن کا محافظ بنادو، کیونکہ میں مال و دولت کی حفاظت اور اس کی عادلانہ تقسیم سے باخبر ہوں۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت یوسف علیہ السلام تک اس خاندان کی ثروت اور خوش حالی کا مدار مویشیوں کے ریوڑ پر تھا اور اس میں ہر م کی تعلیم موجود ہے، مثلاً ریوڑ کی بہتری کا خیال رکھنا اور ایسی تدابیر اختیار کرنا جن سے اس کی پیدائش میں اضافہ ہو دوسرے یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تربیت اور نشو ونما ایک امیر گھرانے میں ہوئی تھی اس بنا پر شعبہ مالیات کی ترقی کے وسائل کو خوب سمجھ سکتے تھے، اس لیے بادشاہ سے کہا کہ میں (معاشی معاملہ میں) اچھی خبر رکھتا ہوں۔

شاہ صاحب کی رائے میں تو جتنے بھی انبیا علیہم السلام تشریف لائے تھے ان سب کی نبوت تدبیر الٰہی کا ایک حقہ ہوتی تھی انسان، انسانی اجتماعی اور معاشرہ کو مصائب سے بچانے کے لیے جو طے شدہ تدبیر الٰہی ہے نبوت اس کا ایک جزو تھا یہی وجہ ہے کہ تدبیر الٰہی اسے اختیار کرتی تھی اور انبیا مبعوث ہوتے تھے۔ اس ضرورت کو خاتم الانبیا محمد رسول اللہ ﷺ نے قرآن حکیم جیسی کامل اور وحی کے ذریعہ منزل کتاب اور شریعت حقہ کے قیام سے ختم کر دیا۔

شاہ صاحب کی اصطلاح اقتراب اور ارتفاق سے اصلی مقصد اور مراد انسانی اجتماع فکری وحدت اور اقتصادی اشتراک ہے۔ قرآن مجید کی سورۃ روم میں فکری وحدت کی خلاف ورزی کی مذمت ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ﴾ یعنی ''جن لوگوں نے فرقے بنالیے ہیں تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' (کیونکہ وہ وحدت فکری کو خراب اور برباد کر رہے ہیں۔)

اس آیت کے مضمون کو سمجھنے کے لیے ﴿وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ کے الفاظ پر غور فرمایئے۔ یعنی اللہ سے تعلق پیدا کرو اور نماز اس تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اور یہی اقتراب ہے یعنی ایسی جماعت پیدا کرو جس کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہو ﴿وَلَا



toobaa-elibrary.blogspot.com

﴿ تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے سوا اپنے اپنے سردار بنا کر ان کو مت پوجو،
یعنی ان سرداروں کے احکام اور اشاروں پر چل کر فطرت الٰہی کو مت بگاڑو۔ یہ سردار تم کو آپس میں
لڑا کر فرقہ بازی کا مرض پیدا کریں گے۔

اس لحاظ سے ﴿ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴾ سے مراد ﴿ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا ﴾ ہوگا۔ مطلب یہ کہ وہ اپنے اپنے سرداروں کی طرف داری کرتے ہیں اور اس تفرقہ کی یہ صورت ہوگی کہ کچھ لوگوں نے ایک آدمی کی پیروی قبول کر کے اس کو اپنے لیے معبود کا درجہ دے دیا اور اس کے تابع ہو کر ایک فرقہ بنا لیا۔ اور دوسرے لوگوں نے کسی دوسرے انسان کو اپنا سردار بنا لیا۔ فرقہ پرستی اسی طرح بڑھتی رہی۔ اور یہ فطرت کے خلاف ہے۔ ہر سردار اپنی جماعت کو بڑھا کر اس کو دوسری جماعت سے لڑا دیتا ہے۔ انسانی معاشرہ کی فلاح باہمی کشت وخون کی اجازت نہیں دیتی۔ جب انسانی اجتماع یا ہیئت اجتماعیہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے تو باہمی جنگ وقتال ناگزیر ہوتا ہے اگر سوسائٹی کو فطرت کے مطابق رکھنا منظور ہے تو اس کا دینی سردار ایک ہونا چاہیے اور یہ ایک اللہ ہے۔ اس سے یہ بات صاف صاف سمجھ میں آتی ہے کہ شرک انسانی اجتماع کی فطرت کے خلاف ہے جو اسے دو حصوں میں بانٹ کر لڑا دیتا ہے۔

انسانی اجتماع کے لیے فکری وحدت کے بعد اقتصادی اشتراک اور مالی تعاون ضروری چیز ہے۔ اس سے انسانی معاشرہ مضبوط ہوتا ہے، جب تک کسی معاشرہ میں اس کی تکمیل نہ ہوگی اور تقسیم مال ودولت کا نظام عادلانہ اور مساویانہ نہ ہوگا تو یہ بحرانی حالت سے دوچار ہوگا اور اس سے صحیح اُمور کا صدور نہ ہوگا اور نہ وہ ٹھیک طور پر ترقی کر سکے گا۔

اقتصادی اشتراک رکھنے کے لیے جماعت کے ہر فرد کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ضرورت سے زائد مال ودولت کو اس طرح تقسیم کرے کہ اس سے اوّل اپنے رشتہ داروں کی ضرورت واحتیاج کو پورا کرے اور اُن کو حصہ دے۔ ﴿ فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ ﴾ اسی کی طرف اشارہ ہے اس کے بعد قرآن مجید میں ﴿ وَالْمَسْكِيْنَ ﴾ کہہ کر یہ حکم صادر ہوا کہ رشتہ داروں کے ساتھ مساکین کو بھی اپنے مال میں شریک بناؤ۔ پھر ﴿ وَابْنَ السَّبِيْلِ ﴾ مسافر کا ذکر ہوا اسے بھی اس کا حق دو اور اس کو اپنے مال میں شریک بناؤ۔ ایک خاندان کو دوسرے خاندان سے اور ایک



toobaa-elibrary.blogspot.com

قوم کو دوسری قوم سے ملانے کے لیے مسافروں کی ضرورت رہتی ہے۔سیاحت پیشہ لوگ ہمیشہ قوموں میں آتے جاتے رہتے ہیں اور ایک سوسائٹی کے حالات سے دوسری سوسائٹی کو باخبر کرتے رہتے ہیں۔اس طرح یہ سوسائٹی کا ایک مفید حصہ ہیں سوسائٹی کا ہر فرد جب مسافروں کو اپنی زندگی کی ضرورتوں میں شریک کرتا ہے تو انسانی اجتماع اور سوسائٹی میں ایک قسم کا اشتراک پیدا ہوتا ہے۔یہ ایک ایسا قانون ہے جس سے انسانوں میں بتدریج محبت اور اقتصادی اشتراک اور تعاون پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس طرح انسانی دماغ پر کسی قسم کا بوجھ نہیں پڑتا۔

اسلام نے ایک ایسا اقتصادی نظام پیدا کیا ہے کہ جب اس پر عمل ہوتا تھا تو ایک مسلمان ہسپانیہ سے لے کر چین تک ایک پیسہ لیے بغیر سفر کر سکتا تھا۔نوجوان مسلمانوں کو اپنی طبیعت کے موافق جس فن کا شوق پیدا ہوتا تھا اس کی تکمیل کے لیے بغیر پیسہ سفر کرتے اور دُنیا بھر کی اسلامی سوسائٹی کے ذریعہ اپنے فن کی تکمیل کرتے تھے اس طرح نہ تو کسی آدمی پر بوجھ پڑتا تھا اور نہ مسافر مسلمان مالی امداد لینے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے تھے۔یورپ اپنی ترقی کے دور میں بھی یہ رُوح پیدا نہ کر سکا۔

افسوس ہے کہ یہ اقتصادی اشتراک اور تعاون آہستہ آہستہ مسلمانوں میں سے اُٹھتا گیا، جس کے نتیجہ میں مسلمان اپنی ثقافتی وراثت چھوڑ کر تنزل اور غلامی کی زندگی بسر کرنے لگے۔دُنیا کی اکثر آبادی کے نوجوان اشتراکیت کی طرف مائل ہیں مگر ان کا لائحہ عمل دینی سعادت سے بے بہرہ ہے۔اسی وقفہ میں اگر مسلمان نوجوانوں نے اپنے اقتصادی اشتراک کے ورثہ کو دوبارہ ہاتھ میں لانے کی تھوڑی سی کوشش شروع کر دی تو پھر ان کو کوئی غلام نہیں بنا سکتا۔مسلمانوں کی کسی جماعت یا قوم میں اگر یہ کام شروع ہو گیا تو اُمید ہے کہ مسلمانوں کی دوسری قومیں بھی اس میں بہت جلد شریک ہو جائیں گی اور ایک ایسا زبردست بین الاقوامی اسلامی مرکز بن جائے گا جس کا مقابلہ کوئی طاقت نہ کر سکے گی۔

———[الولی: نومبر ۱۹۷۲ء+جنوری، فروری، مارچ ۱۹۷۳ء/ یہ مضمون ۴/اقساط میں طبع ہوا۔]

❁.....❁.....❁



toobaa-elibrary.blogspot.com

# افکارِ شاہ ولی اللہ پر تحقیقی مقالات

اس جدید اور سائنسی دور میں شاہ ولی اللہ صاحب کے فلسفہ اور فکر کی اہمیت اس سے کی جاتی ہے کہ کئی مغربی یونیورسٹیوں میں شاہ صاحب کے علوم اور فلسفہ پر ریسرچ کی جا رہی ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اور ولی اللہی علوم کے عظیم ماہر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے ہمیں بتایا کہ شکاگو یونیورسٹی میں جلد شاہ صاحب کے فلسفہ اور فکر کی تعلیم اور ریسرچ کے لیے ایک مستقل شعبہ کھولا جا رہا ہے۔ یورپ اور مغربی ممالک میں شاہ صاحب کے فلسفہ کی مقبولیت کا اثر مشرق بعید کے ممالک پر بھی ہوا ہے۔ ہمارے دوست پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب نے بتایا کہ ادارہ یادگارِ غالب کراچی میں ۱۵؍ستمبر ۱۹۷۳ء کو ڈاکٹر پروفیسر ابوالخیر کشفی کا ایک لیکچر بعنوان ''جاپان اور اُردو'' ہوا۔ کشفی صاحب تقریباً دو سال جاپان کی اوساکا یونیورسٹی میں تدریسی فرائض انجام دے کر تشریف لائے ہیں، اُنھوں نے اپنے لیکچر کے دوران انکشاف کیا کہ اوساکا یونیورسٹی کے پروفیسر کان کا گایا (Kan Kagaya) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شہرہ آفاق تصنیف حجة اللّٰه البالغة کا ترجمہ جاپانی زبان میں کر رہے ہیں وہ اس کتاب کا ایک اچھا خاصا جاپانی زبان میں ترجمہ کر چکے ہیں۔ ابھی کام مکمل نہیں ہوا ہے، ان شاء اللہ جلد مکمل ہو جائے گا۔

شاہ صاحب کی شخصیت علوم اور فلسفہ سب سے پہلے ہمارے اُستاد علامہ عبید اللہ سندھی نے کرایا تھا۔ علامہ مرحوم سالہا سال فلسفہ ولی اللہی کا مطالعہ کرتے رہے اور درس دیتے رہے۔ آپ نے اس فلسفہ کی تعلیم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن سے حاصل کی اور شاگردی کے زمانہ ہی میں آپ کو شاہ صاحب کی کتابیں ازبریاد تھیں۔ جس کا اظہار اُستاذ حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی ایک تحریر میں کیا ہے اس کے بعد ہی برصغیر میں شاہ صاحب کی تعلیمات کی طرف علمی حلقوں میں توجہ بڑھی مجلّہ الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر نکلا۔ اور اس طرح اس فلسفہ اور حکمت سے دلچسپی بڑھتی



toobaa-elibrary.blogspot.com

گئی۔ علامہ اُستاذ سندھی نے ایک طرف جامعہ ملیہ میں ولی اللٰہی فلسفہ اور حکمت کی تعلیم کے لیے ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے تعاون سے بیت الحکمۃ کی بنیاد رکھی تو دوسری طرف سندھ میں بھی مظہر العلوم کھڈہ کراچی اور پیر جھنڈا میں بیت الحکمۃ کی شاخیں قائم کیں۔ اُستاذ علامہ سندھی پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود دورہ کر کے مختلف مراکزِ علمیہ میں شاہ صاحب کے فلسفہ اور فکر کی تعلیم دیتے رہے۔ اس طرح کافی نوجوان حکمتِ ولی اللٰہی سے شناسا ہو گئے۔ اور یہ کام آگے بڑھتا گیا۔ حیدر آباد سندھ میں شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا قیام بھی اسی علمی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ حضرت اُستاذ علامہ سندھی کے متعلقین کی پیہم کوشش سے شاہ صاحب کی حیات، علوم اور فلسفہ پر تحقیق کے لیے یہ تحقیقی ادارہ قائم ہوا جس نے تقریباً چالیس پچاس چھوٹی بڑی، علمی کتابیں شاہ صاحب کے فکر اور فلسفہ پر شائع کیں۔ اور اس کے کام کی شہرت اور مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ یورپ اور دوسرے ممالک سے اس ادارہ کے علمی روابط قائم ہیں۔ ادارہ کے مجلّات اور کتابیں یورپ اور مغربی ممالک کی یونیورسٹیوں میں جاتی ہیں۔ اور کئی ایک مستشرق نے حیدر آباد میں قیام کر کے اکیڈمی کے اساتذہ سے علمی استفادہ کیا ہے۔

اُستاذ علامہ عبید اللہ سندھی سے برصغیر میں جن نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے علمی استفادہ کیا تھا، ان میں پروفیسر محمد سرور صاحب کے علاوہ برصغیر کے مشہور دانشور ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور محترم ڈاکٹر عبد الواحد صاحب ہالے پوتا کے نام سرفہرست ہیں۔ ڈاکٹر ہالے پوتا صاحب برصغیر کے پہلے عالم ہیں جنھوں نے آکسفورڈ یونیورسٹی سے حضرت شاہ صاحب کے فلسفہ اخلاق اور عملی علمِ کلام پر تحقیقی مقالہ لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اور پھر سالہا سال جامعہ سندھ میں شعبہ اسلامیات کے صدر رہے اور فلسفہ ولی اللٰہی کی نوجوان نسل کو تعلیم دیتے رہے اس سے شاہ صاحب کے فکر کی اشاعت میں بڑی مدد پہنچی۔ اور پھر موصوف کئی سال تک شاہ ولی اللہ اکیڈمی کے انتظامیہ بورڈ کے ڈائریکٹر رہے۔ اکیڈمی نے شاہ صاحب پر آپ کے انگریزی علمی مقالے کا اُردو اور سندھی دونوں زبانوں میں ترجمہ کرایا ہے۔ سندھ ترجمہ تو چھپ کر شائع ہو گیا ہے اور اُردو ترجمہ زیرِ طبع ہے وہ بھی ان شاء اللہ جلد چھپ جائے گا۔ اس سے شاہ صاحب کو سمجھنے میں اور



toobaa-elibrary.blogspot.com

آسانی پیدا ہوگی۔ شاہ صاحب کی حکمت سے دلچسپی رکھنے والوں کو یہ خبر بھی باعثِ مسرت ہوگی کہ ہم نے شاہ صاحب کے کچھ نایاب کتابوں اور رسائل کے عکس یورپ کے بعض جامعات سے حاصل کیے ہیں، ان کی ترتیب اور تحقیق کا کام بھی جاری ہے، اُمید ہے کہ وہ بھی جلد چھپ کر منظر عام پر آجائیں گی۔ ——[الولی: اکتوبر ۱۹۷۳ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# معاشرتی مسائل اور فکرِ ولی اللٰہی

آج کل پاکستان میں تاجر طبقہ ہو یا کارخانے دار، ہر ایک میں حصولِ زر کی دوڑ میں بازی لگی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وقت کی عوامی حکومت اپنی طرف سے سرتوڑ کوشش کر رہی ہے کہ عوام کو سہولت کے ساتھ کم قیمت اور بغیر ملاوٹ کے روزمرہ کی ضروری اشیا بآسانی ملتی رہیں، چور بازاری، ملاوٹ اور سمگلنگ ختم ہو، مگر تاجروں میں کچھ طبقہ ایسا ہے کہ جس کے اندر انسانی ہمدردی مفقود معلوم ہوتی ہے کبھی کسی چیز کی باہر کمی محسوس ہوئی تو اس کے دام آسمان سے باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ تاجر لوگ مزارعوں اور زمین داروں سے معمولی نرخ میں موسم میں ضروری اشیا بکثرت خرید کر کے رکھ لیتے ہیں پھر گاہکوں سے جو چاہیں دام وصول کرتے ہیں اور وہ چیز بڑھتے بڑھتے عوام کی خرید کی وسعت سے بڑھ جاتی ہے۔ دولت اور سرمایہ کے جمع کرنے کی یہ لگن عوام کے لیے باعث مصیبت بن جاتی ہے۔ مگر کوئی رحم نہیں کرتا۔ حالانکہ انسانی معاشرہ میں اسلام نے جو اُصول ارتفاقات کے مقرر کیے ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو یہ مسئلہ بآسانی حل ہوسکتا ہے۔ انسانی معاشرہ فلسفہ اسلام کی رو سے ایک فرد کی حیثیت رکھتا ہے اور بقول شاہ ولی اللہ صاحب ہر انسان کھانے، پینے، دھوپ اور بارش سے حفاظت اور سردی سے بچنے کی غرض سے گرمی پیدا کرنے کے اسباب تلاش کرنے، وغیرہ میں اپنے ابنا جنس کا ہم نوا ہے اور انسان کے حال پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس نے ان ضروریات کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے اس کی صورت نوعیہ کے اقتضا کے موافق اس کو ''الہاماتِ طبعیہ'' سے نوازا ہے اور یہ یقینی اُمر ہے کہ ان اُمور میں تمام افراد انسانی مساوی درجہ رکھتے ہیں۔ البتہ وہ انسان اس سے مستثنٰی ہے جو ناقص الخلقت ہے اور اس کے مادّہ نے خلاف ورزی کی ہے۔

''الہاماتِ طبعیہ'' میں انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے، ان سے حیوانات کو بھی نوازا گیا



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے۔شہد کی مکھیوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح پھولوں پھلوں کو چوستی پھرتی ہیں؟ کس طرح اپنا گھر اور چھتہ بناتی ہیں؟ جس کے اندر وہ اور اس کے ابنا جنس مجتمع ہوتے اور رہتے ہیں اور پھر کس طرح وہ اپنے قائد کی اطاعت کرتی ہیں اور پھر کس طرح وہ مل کر شہد بناتی ہیں؟ مگر انسان کو بقول شاہ ولی اللہ صاحب تین چیزیں مزید عنایت کی گئی ہیں۔

اوّل یہ کہ انسان جب کسی شے کا قصد کرتا ہے تو کسی رائے کلی کے ماتحت کرتا ہے۔یعنی انسان میں اجتماعی فکر اور سوچ بچار موجود ہے۔وہ اگر کوئی کام کرتا ہے تو اس میں سارے انسانی معاشرہ کے رفاہ عام کو خیال میں رکھتا ہے اور صرف غرض محسوس کو سامنے نہیں رکھتا اور چوپائے اپنے ''داعیہ طبعیہ'' کی بنا پر صرف کسی غرض محسوس کی وجہ سے کام کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، مثلاً بھوک، پیاس وغیرہ کی خواہش ان پر سوار ہوئی اور وہ کر گزرے، بخلاف انسان کے کہ وہ بسا اوقات کسی منفعت معقول کی بنا پر اقدام کرتا ہے۔یا اس لیے وہ کسی کام کا ارادہ کرتا ہے کہ لوگوں کے دلوں میں اپنی جاہ وعظمت کا سکہ بٹھائے اور اپنی وجاہت اور اثر ورسوخ استعمال کرے۔

انسان کی حیوانات سے دوسری امتیازی چیز شاہ صاحب کی تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ انسان اپنی ضروریات زندگی کو پورا کرتے وقت ''ظرافت'' اور ''لطافت'' کا بھی خیال رکھتا ہے اور دوسرے حیوان صرف اپنی خواہشات پوری کرتے ہیں۔انسان بسا اوقات یہ چاہتا ہے کہ اپنی ضروریات سے بھی زیادہ کسی چیز کو حاصل کرلے اور اس میں نفاست پیدا کر کے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا اور اپنے نفس کو لذتوں کی کیفیتوں سے بہرہ ور کرے اور اسی بنا پر وہ خوبصورت رفیقہ حیات، لذیذ وخوش ذائقہ کھانے، عمدہ لباس، بلند وبالا ایوانوں اور حویلیوں کا خواہش مند ہوتا ہے۔مگر ان چیزوں میں بھی اس کا یہ فرض ہوتا ہے کہ رفاہیت بالغہ اور نہایت آرام پرستی کی حد کو نہ پہنچے۔اپنے سماج کی ضروریات میں ان کا مددگار ومعاون ہو، ان کی تکالیف اور ضروریات کو اپنی تکالیف اور ضرورت تصور کرے تب ہی وہ صحیح معنیٰ میں انسان ہوگا۔

حیوانوں سے تیسری امتیازی چیز یہ ہے کہ انسانوں میں کچھ لوگ ایسے صاحبِ عقل وبصیرت



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہوتے ہیں جو ضروریات زندگی کے لیے معید تدبیریں نکال لیتے ہیں اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے دلوں میں یہی اُمور اسی طرح کھٹکتے رہتے ہیں جس طرح اربابِ عقل وبصیرت کے دلوں میں میں کھٹکتے رہتے ہیں، لیکن ان میں اخذ واستنباط کی قابلیت نہیں ہوتی۔ مگر جب وہ حکما سے ملاقات کرتے ہیں اور اُن کے استنباط کیے ہوئے مفید طریقوں کے سنتے ہیں تو ان کے قلوب ان چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں۔

شاہ صاحب ان امتیازات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان ''الہامات ضروریہ'' کا تعلق ان اشیا ثلاثہ کے ساتھ ایسا ہے جیسا کہ تنفس کا کہ انسان کے لیے اصل تنفس کا ہونا لازمی ہے، جس طرح کہ حرکت نبض ضروری ہے۔ نبض ہوگی تو وہ حرکت کرے گی اور حسب قوت وعوارض تیز یا سست ہوگی۔ اسی طرح تنفس کا ہونا ضروری ہے۔ لیکن تنفس کا چھوٹا بڑا کرنا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔

بہر حال انسان میں اگر انسانیت، اخلاق اور حبّ الوطنی کا جذبہ پیدا ہو جائے، ایک انسان کی تکلیف اپنی تکلیف تصور کرے تو یہ اُونچ نیچ اور اقتصادی بے راہ روی معاشرے سے ختم ہو جائے۔ اصفیاءِ کرام اسی لیے دُنیا سے دور رہنے کی اپنے متعقدین کو تلقین کرتے تھے کہ جب ان کے دلوں میں دُنیا کی محبت نہ ہوگی تو وہ اس کے جمع کرنے میں ناجائز طریقوں سے کام نہ لیں گے اور اُن میں انسانی ہمدردی کا جذبہ اُبھرے گا، کیونکہ دُنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے۔ــــــــ [الولی: نومبر ۱۹۷۵ء]

✿......✿......✿



toobaa-elibrary.blogspot.com

# شرک اور افکارِ شاہ ولی اللہ

اسلام کے ظہور کے زمانے میں جن لوگوں کو اس کی دعوت دی جاتی تھی وہ مشرکانہ عقائد اور رسومات میں مبتلا تو ضرور تھے۔ لیکن خالق کائنات کا انکار وہ بھی نہیں کرتے تھے۔ قرآن حکیم میں مکہ اور عرب کے غیر مسلم معاشرے کے متعلق آیا ہے:

ترجمہ: ''اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ (جواب میں) کہیں گے کہ اللہ نے پیدا کیا ہے۔''

اس طرح وہ خالقیت کا تو اقرار کرتے تھے لیکن ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اللہ کی صفات کبھی کسی غیر اللہ کی شخصیت میں پائی جاتی ہیں اور پھر وہ ایسے غیر اللہ کی اس لیے عبادت کرتے تھے کہ ان کی عبادت کے ذریعہ خدا پاک کا قرب حاصل کریں قرآن حکیم نے اس کو شرک فی العبادہ قرار دیا ہے۔ موجودہ دور میں بھی ایسا ہی شرک نہ صرف غیر مسلموں میں پایا جاتا ہے بلکہ مسلمانوں میں بھی بیسیوں افراد ہیں جو شرک میں مبتلا ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اپنی مشہور عالم تالیف حجة الله البالغة میں شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''شرک کی حقیقت یہ ہے کہ کسی بڑے بزرگ آدمی کی نسبت یہ اعتقاد قائم کرلیا جائے کہ اس سے آثارِ عجیبہ اس لیے صادر ہور ہے ہیں کہ وہ ان صفاتِ کاملہ سے متصف ہے جن سے دوسرے انسان متصف نہیں اور وہ صفات ایسی ہیں جو واجب تعالیٰ جلی مجدہ کے ساتھ مخصوص میں غیر میں نہیں پائی جاسکتیں۔ ہاں غیر میں اس وقت پائی جاسکتی ہیں جب کہ واجب تعالیٰ اسے الوہیت کے لباس سے نوازے اور وہ ذات واجب میں فنا ہوکر اس کی ذات میں باقی ہو جائے اور اس قسم کے دوسرے اعتقادات اور خرافات اپنے خیالات میں قائم کیے جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ مشرکین حج کا تلبیہ اس طرح پڑھا کرتے تھے: ''لبيك لبيك لا شـريـك لك الا شـريـكـا''



toobaa-elibrary.blogspot.com

ھولك تملکه وماملك۔'' ترجمہ: ''ہم تیری بارگاہ میں حاضر ہیں ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر ہاں وہ تیرا شریک ہے جس کا تو مالک ہے اور اس کی ملکیت کا بھی تو مالک ہے۔''

اس قسم کے اعتقاد کی بنا پر لوگ ایسے آدمی کے سامنے انتہا درجہ کی عاجزی ظاہر کرتے ہیں اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتے ہیں جو بندے اپنے خدا کے ساتھ کرتے ہیں۔

اس معنی کی بہت سی صورتیں اور قالب ہیں اور شریعت انھی صورتوں اور قالبوں سے بحث کرتی ہے جن پر لوگ شرک کی نیت سے عمل کیا کرتے ہیں اور یہی صورتیں اور قالب درحقیقت شرک حقیقی کا مظنہ اور اس کے مشابہ بن کر رہ گئے اور عادتاً شرک ان صورتوں اور قالبوں کے لیے لازم ہو گیا اور جس طرح شریعت نے مصالح و مفاسد کے علل واسباب کو اصل مصالح ومفاسد کا قائم مقام گردانا اس کے بعد شاہ صاحبؒ مواقع شبہات بتاتے ہوتے فرماتے ہیں: ''ہم تمھیں یہاں ان اُمور سے آگاہ کر دینا چاہتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے شریعتِ محمدیہ میں مظنہ شرک اور مواقع شبہات گردانا ہے اور مخلوق کو اس سے روکا ہے۔''

ان مواقع شبہات میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ بتوں اور ستاروں کے سامنے سجدہ کیا کرتے تھے پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنے کی ممانعت اُتری۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ترجمہ: ''نہ آفتاب کو سجدہ کرو نہ چاند کو اور اس اللہ کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔''

سجدہ میں شریک گردانا درحقیقت تدبیر عالم میں شریک گردانا ہے کیونکہ شرک فی السجدہ اور شرک فی اللہ پر دونوں باہم لازم وملزوم ہیں اور یہ اَمر اس طرح نہیں ہے جس طرح کہ بعض متکلمین کا خیال ہے کہ توحید و عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اختلاف ادیان و ملل کی بنا پر مختلف ہوتا رہتا ہے اس کے لیے کسی دلیل برہانی کی یہاں ضرورت ہی نہیں۔

حق یہ ہے کہ مشرکین کو اُمورِ عظیم میں توحیدِ تخلیق اور توحید تدبیر کا کامل اعتراف تھا اور یہ بھی ان کے نزدیک مسلم تھا کہ عبادت ان دو صفات ہی کے ساتھ لازم ہے اور یہی وجہ ہے جو


toobaa-elibrary.blogspot.com

اللہ تعالیٰ نے ان اُمور وصفات ہی کی بنا پر مشرکین پر الزام قائم کیا ہے۔

شرک کے ان مواقع شبہات میں سے یہ بھی ہے کہ مشرکین اپنی احتیاجوں کو غیر اللہ کے سامنے پیش کرتے اور اُن سے مدد چاہتے تھے وہ مریض کے لیے شفا چاہتے اور غنا کی درخواست کرتے اور اس بنا پر وہ منتیں مانتے اور اسی طرح اپنی مرادیں پوری ہونے کی اُمیدیں رکھتے تھے۔ خیر و برکت کی اُمید میں ان کے نام لیا کرتے تھے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر لازم کر دیا کہ وہ اپنی نمازوں میں ایاك نعبد وایاك نستعین (ترجمہ: ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں'') پڑھا کریں۔ دُعا کے معنی عبادت کے نہیں جیسا کہ بعض مفسرین نے کہا ہے بلکہ دُعا کے معنی استغاثہ اور طلب اعانت کے ہیں۔ اس معنی کے تائید میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے۔ ترجمہ: ''تم خدا ہی سے اپنی حاجت طلب کرو وہی تمھاری حاجت پوری کرے گا۔''

آگے چل کر شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: اور انھی مواقع میں سے ایک یہ ہے کہ لوگ اپنے احبار و رہبان علما، مشائخ، عباد اور زہاد کو ''اربابا من دون اللّٰہ'' یعنی ''اپنے پروردگار اور حاکم بنائے ہوئے تھے۔'' اس معنی میں کہ ان لوگوں نے یہ اعتقاد قائم کر لیا تھا کہ جو چیز اُنھوں نے حلال کی ہے وہ واقع میں حلال ہے اور جو چیز حرام کی ہے وہ نفس الامر میں حرام ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے شرک کے جن اقسام کا ذکر فرمایا ہے وہ اب بھی مسلمانوں میں پائے جاتے ہیں جب تک ان سے مسلمانوں کا معاشرہ پاک وصاف نہ ہوگا تب تک صحیح اسلامی معاشرہ کی بنیاد بے معنی ہے۔ ـــــــ[الولی:

اپریل ۱۹۷۹ء]

❀……❀……❀



toobaa-elibrary.blogspot.com

# افکار شاہ ولی اللہ اور ہمارا کردار

مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین شیخ الجامعہ نے پاکستان کی تشکیل سے بھی پہلے جامعہ ملیہ میں بیت الحکمۃ کے قیام کی اپیل کرتے ہوئے فرمایا کہ: ہمارے فکر مرکزی نے جو تمدن پیدا کیا تھا جو ادارے قائم کیے تھے وہ اسی جمود کے عالم میں ہیں۔ حکومت، معیشت، قانون، علوم وفنون جو ہم نے پیدا کیے تھے وہ حوادث زمانہ سے افکار بنیادی کی مرکزی حرارت سرد پڑ جانے سے سب کے سب مٹ گئے اور مٹ رہے ہیں اور ایسا کیوں ہوا؟ بقول مرحوم ڈاکٹر صاحب کے ''قومی زندگی کا مرکز اس کے بنیادی افکار ہوتے ہیں، اس کے عقیدے اس کا نظام اقدار اس کے معیار کردار اس کی معیاری زندگی کے نمونے اور اس کی اجتماعی زندگی کے ولولے ان کے لیے قوم کی انفرادی اور اجتماعی زندگی وقف ہوتی ہے تو قومی زندگی کا نشو ونما ہوتا رہتا ہے جب اس مرکز پر زندہ اور زندگی بخش افکار باقی نہیں رہتے محض عادتیں اور لفظ بن جاتے ہیں تو حیات قومی پر جمود طاری ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ زندہ اور زندگی بخش افکار سے ہم کیوں محروم ہوئے؟ اس لیے کہ ہم نے اپنی قوم کے عقلی اور وجدانی سرمایہ علم سے قطع تعلق کر لیا اگر ہم اپنے عقلی اور وجدانی علوم سے واقف ہوتے تو لامحالہ نئے حقائق زندگی کی کرید بھی ہم کر سکتے اور اپنی علمی وفکری کوتاہیوں کو بھی جان لیتے اور اس طرح جمود ہمیں لاشۂ بے جان نہ بنا دیتا!

جس طرح جامعہ ملیہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت اور فلسفہ کی تعلیم اور تحقیق کے لیے بیت الحکمۃ کا علمی ادارہ قائم ہوا اسی طرح سندھ میں بھی مظہر العلوم کھڈہ کراچی پیر جھنڈہ، شہداد کوٹ، پیر بخش بھٹو اور دوسرے مقامات پر بیت الحکمت کی شاخیں قائم ہوئیں، قیام پاکستان کے بعد حالات کی اچانک تبدیلی اور وطن کی آزادی سے ایسے نئے مسائل پیدا ہو گئے کہ یہ ادارے کمزور پڑ گئے۔ البتہ ۱۹۶۳ء میں محکمہ اوقاف کی اعانت سے شاہ صاحب کی حکمت کی



toobaa-elibrary.blogspot.com

اشاعت کے لیے حیدر آباد سندھ میں ایک علمی ادارہ شاہ ولی اللہ اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا اور اس کے مصارف کے لیے بھی سندھ کے ایک مخیّر بزرگ سیّد عبدالرحیم شاہ سجاولی نے جو اپنی کافی زرخیز زمین وقف (صرف اسی مدد کے لیے وقف) فرمائی تھی۔ اس علمی ادارہ نے حتی الوسع شاہ صاحب کی حکمت اور فلسفہ کی اشاعت میں بڑی خدمت ادا کی ہے اس نے حکمت کی بنیادی کتابیں تحقیق اور تقدمہ سے چھپوائی ہیں اور مقامی علما کے لیے اس فلسفہ کی تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ یہ کتابیں اکثر یورپ، انڈونیشیا، ملائشیا اور دوسرے ملکوں میں خریدی جاتی ہیں، باہر کے کئی مستشرقین اور علما نے یہاں آ کر اس علمی ادارہ سے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح ہمارے لاہور کے کچھ احباب نے بھی اس حکمت کی اشاعت میں اہم خدمت انجام دی ہے، گوجرانوالہ پنجاب کے دو بزرگ بھائی بھی اس سلسلہ میں اچھی علمی خدمت کر رہے ہیں۔

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ قومی جمعیت کے ٹوٹنے کے بعد ہم جدید اور قدیم کی جن دوراہوں پر پڑ گئے تھے اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ان دو گروہوں میں کوئی مصالحت نہ ہو سکی اور دونوں مل کر قوم کی نئی وحدت تشکیل نہیں دے سکے بلکہ روز بروز یہ خلیج اور اجنبیت بڑھتی رہی، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ہم روز بروز ترقی کے بجائے زوال اور تنزل کی طرف جا رہے ہیں کیونکہ یہ کام جدید اور قدیم کے اشتراک سے ہی ممکن ہے۔

آج کے زمانہ میں مسلمانوں کے پرانے علمی طبقوں اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں جو خلیج حائل ہے اس کو اس طرح دور کیا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی حکمت کی طرف دونوں گروہ رجوع کریں اور وہ اس کے ذریعہ قوم کی ذہنی میراث سے واقف ہوں پھر مل کر آگے بڑھیں اور اس طرح وہ اپنے آپ کو لادینی انقلاب سے بچا سکتے ہیں۔

——[الولی: اگست ۱۹۷۹ء]

❀ ❀ ❀



toobaa-elibrary.blogspot.com

# سیرتِ صحابہؓ اور فکرِ ولی اللہی

سیرتِ نبویؐ کا صحیح مطالعہ اور احاطہ تب ممکن ہے جب کہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت کے مطالعہ کے ساتھ آپ ﷺ کے صحابہ کرام کی سیرت کا بھی مطالعہ کیا جائے۔ کیونکہ جس طرح نبی اکرم ﷺ کے اخلاق وآداب قرآن حکیم کی تعلیمات کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے، اسی طرح آپ کے صحابہ کا کردار ہوبہو حضور ﷺ کے کردار کے مطابق تھا۔ آنحضرت ﷺ جس انقلابی کام اور تعلیم سے انسانیت کو روشناس کرانا چاہتے تھے اور کسریٰ اور قیصر کی شہنشاہیت کو ختم کر کے وہاں عدل وانصاف کا قانون اور اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے، آپ ﷺ کے اس کام کی تکمیل صحابہ کرام کے عہد میں ہوئی اگر ہم ان بزرگ ہستیوں کو حضور ﷺ کی بنیادی تبلیغ اور مشن سے نکال دیں تو پھر آپ ﷺ کی تعلیم معاذ اللہ بے اثر رہ جاتی ہے اور آپ ﷺ کا کام اُدھورا رہ جاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ کے ہاں صحابہؓ کے مناقب کا مرجع چند اُمور ہیں:

اوّل یہ کہ خود آنحضرت ﷺ کو بعض صحابہ کی کچھ ایسی نفسانی ہیئتیں اور کیفیتیں معلوم ہوئیں جو جنت کی موجب تھیں جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے حالات آپ پر روشن ہوئے کہ ان کے اندر فخر وغرور، ریا ونمائش نام کو نہیں ہے اور وہ تمام فضائل ان کے اندر بدرجہ اتم موجود ہیں جن کی بنا پر وہ جنت کے دروازوں کی تمثال قرار دیے جاسکتے ہیں تو آپ نے فرمایا: ''لا رجوان تكون منهم'' ترجمہ ''میں اُمید کرتا ہوں کہ تم انھی لوگوں میں ہوں گے۔'' یعنی تم ان لوگوں میں سے ہو جنھیں جنت کے تمام دروازوں سے پکارا جائے گا۔ اور حضرت عمرؓ کی شان میں فرمایا: ''ما لقيك الشيطان سالكا نجا الا سلك نجا غير نجك'' ترجمہ: ''عمرؓ! تمھیں شیطان جس راستہ پر چلتے دیکھتا ہے وہ تمھارا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔'' آپؐ نے مزید فرمایا: ''ان يك من امتی احد من المحدثين فانه عمر'' ترجمہ: ''میری اُمت میں سے اگر کوئی محدث (ملہم بالغیب) تو وہ عمرؓ ہے۔''



toobaa-elibrary.blogspot.com

دوم یہ کہ آپ کو بذریعہ خواب یا بذریعہ القا کسی کے متعلق کوئی ایسی بات بتلائی جائے جس سے اس کا راسخ فی الدین والا یمان ہونا معلوم ہو جائے مثلاً حضرت بلالؓ کو آپ نے دیکھا کہ وہ جنت میں آپ کے آگے آگے چل رہے ہیں اور جنت میں آپ نے حضرت عمرؓ کا ایک محل دیکھا نیز دیکھا کہ وہ لمبی قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ نیز دیکھا کہ آپ نے ان کو اپنا جھوٹا دودھ عطا فرمایا، جس کی تعبیر آپ نے دین وعلم سے کی۔

سوم یہ کہ آنحضرت ﷺ کو ان سے محبت ہو اور آپ نے ان کی توقیر وعزت فرمائی ہو اور اُن سے مواسات وہمدردی برتی ہو یا وہ تمام سے سابق الاسلام ہوں یہ تمام باتیں ایسی ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کے قلوب نور ایمانی سے معمور اور لبریز تھے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بعض قرنوں کی بعض قرنوں پر فضیلت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر ہر فضیلت کے اعتبار سے وہ افضل وبرتر ہیں اور یہ بات خود آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے واضح ہوتی ہے: "مثل امتی مثل المطر لایدری اوله خیر ام آخره" ترجمہ: "میری اُمت کی مثال بارش کی سی ہے نہیں معلوم کہ پہلی برسات اچھی ہے یا آخری۔" اور اس حدیث سے بھی اس کی وضاحت ہوتی ہے: "انتم اصحابی واخوانی الذی یاتون بعدی!" ترجمہ: "تم میرے صحابہ ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے۔" اور اس کی یہ وجہ ہے کہ اعتبارات اور وجوہات مختلف ہوا کرتی ہیں۔ نیز یہ بھی ناممکن ہے کہ "قرن فاضل" کا ہر ہر آدمی اور ہر ہر فرد "قرن مفضول" کے ہر ہر آدمی اور ہر ہر فرد سے افضل وبرتر ہے۔ شاہ صاحب آگے چل کر فرماتے ہیں:

> "ہر دین وملت کا ثبوت توارث کے ذریعہ ہوا کرتا ہے اور یہ توارث ایسے وقت ممکن ہے جب کہ ان لوگوں کی عظمت وتوقیر کی جائے جنھوں نے مواقع وحی کا خود مشاہدہ کیا ہو، ر وحی کی تاویل وتفسیر کو سمجھے اور آنحضرت ﷺ کی سیرت کا اپنی آنکھوں سے مطالعہ کیا اور دین وملت کے اندر کسی قسم کا تعمق اور غلو نہیں کیا۔ نہ دین کے بارے میں کسی قسم کا تعاون اور بے پروائی برتی۔"

اُمت کے ایسے لوگ جن کی بات قابلِ اعتماد اور قابلِ اعتبار کہی جاتی ہے ان تمام کا اجتماع واتفاق ہے کہ ساری اُمت میں افضل ترین ذات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے اس کے بعد حضرت عمرؓ کی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ثبوت دین کے دو بازوں اور دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ ذاتِ الٰہی سے علم کی تحصیل کی جائے



toobaa-elibrary.blogspot.com

دوسری یہ کہ لوگوں میں دین کی اشاعت و تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کرنے میں صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات ہے۔ اس میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے دوسری بات یعنی دین وملت کی اشاعت و تبلیغ کی جائے تو ظاہر ہے کہ دین کی اشاعت و تبلیغ وسیاست و تنظیم اور تالیف قلوب اور اس قسم کے ذرائع ووسائل بغیر ناممکن ہے اور اس اَمر میں کسی کا تردد نہیں کہ عہد نبویؐ میں بھی اور آپ کے بعد یہی باتیں ساری اُمت سے زیادہ حضرات شیخین یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھیں۔

——[الولی: مارچ ۱۹۸۰ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# فلسفۂ زکوٰۃ [فکرِ ولی اللٰہی کی روشنی میں]

اسلام جو کہ ایک بین الاقوامی دین ہے اگران کی تعلیم کا خلاصہ بیان کیا جائے تو دولفظوں میں آجاتا ہے خدا پرستی اور انسان دوستی، نماز اور اس قسم کی جتنی عبادات ہیں یہ سب خدا پرستی کے لیے مظہر ہیں، زکوٰۃ اور دوسری مالی عبادات سے انسان دوستی کا ثبوت ملتا ہے۔ محققین کی رائے میں زکوٰۃ کی فرضیت مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت ہوئی تھی۔ اس دور میں کوئی بیت المال نہ تھا اور مسلم معاشرہ کی حالت تنگ تھی، لہٰذا اس دور میں معاشرہ کی ضرورت کا زیادہ خیال رکھا جاتا تھا۔ ہجرت کے بعد حالات بدل گئے فتوحات کا سلسلہ بھی شروع ہوا، بیت المال کا انتظام کیا گیا۔ مہاجرین کو انصار کے اراضی اور باغات میں شریک بنایا گیا۔ تجارت کا کاروبار بھی بلا کسی رکاوٹ کے ہونے لگا، تب مسلم معاشرہ کی وہ حالت نہ رہی جو مکہ مکرمہ میں قبل از ہجرت تھی۔ زکوٰۃ کا مقدار سونے چاندی میں ۴۰ چالیسواں حصہ مقرر ہوا۔ مگر جب کبھی ضرورت بڑھ جاتی تھی جیسے غزوات میں تو صحابہ کرام کے ایثار کا یہ عالم تھا کہ ان میں سے بعض حضرات جو کچھ گھر میں پاتے تھے وہ سب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر کرتے تھے۔ اموالِ باطنہ میں بھی کوئی چھپانے کا ڈر نہ تھا، اکثریت ایسے لوگوں کی تھی جن کے دلوں میں خوف خدا کا غلبہ تھا، افسانی ہمدردی کے جذبے سے سرشار تھے لہٰذا زکوٰۃ آسانی سے جمع ہو جاتی تھی۔ آئندہ چل کر جیسے جیسے ملوکیت کا دور آیا، مال اور دولت کی محبت لوگوں میں بڑھنے لگی تو اس کے لیے قواعد وضوابط بھی سخت بنائے گئے۔

موجودہ دور میں حبِ جاہ ومال کا اتنا غلبہ ہے کہ معاشرہ کی اکثریت اپنے آپ کو غنی اور سرمایہ دار دیکھنا چاہتی ہے، کوشش یہ کی جاتی ہے کہ واجب الادا رقم کو چھپایا جائے دوسری طرف غربت اور افلاس اتنا بڑھ گیا ہے کہ لوگ تنگ آکر مادی فلسفہ کی طرف مائل ہو کر لادین بن



toobaa-elibrary.blogspot.com

رہے ہیں۔ ایسی حالت میں ضروری ہے کہ غربت کا ازالہ کیا جائے۔ محتاج اور مساکین لوگوں کی خبر گیری کی جائے۔ اس کی ابتدا اپنے ملک میں نظامِ زکوٰۃ کے اجرا سے ہوئی ہے جو خوش کن ابتدا ہے لیکن یہ نیا تجربہ ہے اور پھر شرعی نظام کے ایک اہم رکن کا اجرا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے صحیح تفقہ اور فقہی بصیرت رکھنے والے پانچ، چھ علما کا ایک پینل بنایا جائے جن سے مشکل مسائل اور عوام کی شکایات میں مشورہ لیا جاتا رہے تاکہ کسی کو شکایت کا کوئی موقعہ نہ ملے۔ عام طور پر اس قسم کے انتخاب میں سیاسی اثر ورسوخ کارفرما ہوتا ہے اور صحیح لوگ جو بسا اوقات گمنام رہتے ہیں ان کی علمی بصیرت سے فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن صاحب رئیس مشاورتی بورڈ ماشاء اللہ خود بھی فقہی بصیرت رکھنے والے دانشور ہیں ان سے اُمید کی جاتی ہے کہ صاحب موصوف اس شکایت کی طرف توجہ فرما کر اس کا خاطر خواہ تدارک فرمائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس نظام کے اجرا کے ساتھ زکوٰۃ کی فرضیت، اسرار وغیرہ کے سلسلہ میں عوام کو ترغیب دلانے کے لیے چھوٹے پمفلٹ مفت شائع کیے جائیں اور لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ تاکہ لوگوں کو ایک بہانہ ہاتھ نہ آجائے۔ مال اور دولت کی محبت کی وجہ سے حیلے بہانے پیش کیے جاسکتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس قسم کے حیلے بہانے علم والے ہی بناتے ہیں لہٰذا اس نظام کے اجرا میں اکثریت کی رائے کو فیصلہ کن بنایا جائے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اسرارِ زکوٰۃ میں لکھتے ہیں:

"کہ کسی مسکین کو جب کوئی حاجت پیش آجاتی ہے اور وہ زبان حال یا زبان مال سے بارگاہِ خداوندی میں تضرع وزاری کرنے لگتا ہے تو اس کی یہ عجز وانکساری جودِ الٰہی کے دروازے کھٹکھٹانے لگتی ہے اور بسا اوقات مصلحت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ کسی ذکی القلب انسان کے قلب کو الہام والقا کیا جائے کہ وہ اس کی حاجت پوری کرے۔ پھر یہ الہام والقا اس کو آمادہ کردیتا ہے اور رضاءِ الٰہی اس کے ساتھ ہوجاتی ہے اور اس پر ہر جانب سے اُوپر سے، ہر



toobaa-elibrary.blogspot.com

طرف سے گھیر لیتا ہے اور اس مقدس عمل کے لیے اس کو نیچے سے دائیں جانب سے، بائیں جانب سے برکاتِ الٰہیہ کا فیضان ہونے لگتا ہے اور وہ کامل طور پر رحمتِ الٰہی کا حق دار ہو کر مرحوم و مغفور ہو جاتا ہے۔"

آگے لکھتے ہیں:

"بسا اوقات کسی مصرف خاص میں خرچ کرنا رحمتِ خداوندی کا موجب ہوتا ہے مثلاً یہ کہ ملاء اعلیٰ میں کسی دین وملت کی سر بلندی قرار پا چکی ہے اور اس لیے جو شخص بھی اس کی سر بلندی کے لیے اقدام کرتا ہے اس پر رحمتِ الٰہی چھا جاتی ہے اور ایسے وقت میں اس کا راہِ خدا میں خرچ کرنا غزوۃ العسر یعنی انتہائی بے سروسامانی کے وقت میں غزوہ وجہاد کے لیے خرچ کرنے کے مثل ہو جاتا ہے۔"

یا مثلاً قحط سالی کا زمانہ ہے اور مخلوقِ الٰہی میں سے کوئی ایک قوم اس بارے میں انتہا درجہ کی ضرورت مند ہے اور اس وقت اس قوم کو زندہ رکھنا عین مقصود ہے۔ ایسے وقت میں خرچ کرنا رحمتِ خداوندی کا باعث ہو جاتا ہے۔

حاصلِ کلام یہ کہ اس قسم کے حالات وواقعات کے پیش نظر مخبر صادق ﷺ ایک با قاعدہ کلیہ بنا لیتا ہے اور فرماتا ہے جو شخص ایسے اور اس قسم کے فقیر ومحتاج کی ایسی اور اس قسم کی حالت میں صدقہ وخیرات کے ذریعے دستگیری کرے گا اس کا یہ عمل نہایت مقبول ہوگا سننے والا مخبر صادق ﷺ کی اس آواز کو سنتا ہے اور قلبی شہادت کے ساتھ اس کے حکم کی تعمیل کرتا ہے تو وہ یقیناً اس دعوے کو سچا پاتا ہے جو اس کے لیے کیا گیا ہے۔

———[الولی: اپریل ۱۹۸۰ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# فلسفہ فکرِ ولی اللٰہی

اُمتِ محمدیہ کے عظیم مجدد اور حکیم شاہ ولی اللہ صاحب کی تعلیمات اور فلسفہ اس سائنسی دور میں ہماری دینی اور اخروی رہنمائی کے لیے مشعلِ ہدایت ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ سارا مواد ایسی زبانوں میں موجود ہے کہ ہمارے عوام یا جدید تعلیم یافتہ طبقہ ان سے صحیح طور پر استفادہ نہیں کرسکتا۔ شاہ ولی اللہ اکیڈمی نے اپنے محدود وسائل کے باوجود اس فلسفہ کے تعارف اور تراجم کے سلسلہ میں اپنی بساط سے زیادہ کام کیا ہے اور یہ کوشش اب بھی جاری ہے اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے۔

علم اسرارِ شریعت میں شاہ صاحبؒ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ خود شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں سن لیجیے جو آپ نے اپنی مشہور عالم تالیف حجة الله البالغة کے آخر میں فرمایا ہے:

"اس کتاب کے اندر ہم نے جن اُمور کے بیان کا قصد وارادہ کیا تھا اور اپنے لیے جو شرائط لازم کی تھیں اس سے ہم نے آج فراغت حاصل کرلی۔ لیکن شریعت کے تمام اسرار وحکم جو ہمارے سینے میں موجود ہیں یہاں ان کا احاطہ اور بیان ناممکن ہے کیونکہ ہر وقت اور ہر موقعہ ایسا نہیں ہوتا کہ قلب اپنے مخفی ومستور اسرار وحکم کو صاف صاف پیش کردے اور نہ ہی یہ بات ممکن ہے کہ ہر بات عامة الناس کے سامنے صاف صاف پیش کی جاسکے اور نہ ہی یہ بات ممکن ہے کہ ہر چیز بلا تمہید ومقدمات لوگوں کے سامنے کی جائے اور نہ ہی یہ بات ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آنحضرت ﷺ کے قلب مقدس پر اتار دیا ہے وہ سب کا سب ہم اپنے اندر سمیٹ لیویں۔ کیونکہ یہ وہ ذات بابرکات تھی جس پر قرآن حکیم اُترا ہے اس ذات سے اُمت کے معمولی اور ادنیٰ فرد کو کیا نسبت ہوسکتی ہے اس قسم کی نسبت کا خیال بھی دماغ میں لانا قابلِ افسوس ہے اور پھر یہ بھی ناممکن ہے کہ احکامِ الٰہیہ کے اندر جس قدر مصالح وحکم، اسرار وغوامض عند اللہ موجود



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہیں وہ سب کے سب آنحضرت ﷺ کے سینہ میں جمع ہو جائیں اور یہ حقیقت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے نہایت مناسب پیرایہ میں واضح کر دی تھی اُنھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا تھا کہ: "ما نقص علمی و عملك الا کما نقص هذا العصفور من البحر" ہمارے تمھارے علم کی کمی کی نسبت علمِ خداوندی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی کہ چڑیا نے سمندر کے اندر چونچ مار کر پانی لیا ہے۔"

اسی واقعہ سے احکامِ شرعیہ کے مصالح وحکم اور اسرار ورموز کی عظمت واہمیت اور اُن کی روایت کی جلالت شان کا بھی پتہ چل سکتا ہے نیز اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ احکامِ شرعیہ کے مصالح وحکم اور اسرار ورموز کی کوئی انتہا اور پایاں سفر نہیں ہے۔ نیز یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ مصالح وحکم کے متعلق جو کچھ اور جس قدر بھی کہا جائے وہ مصالح وحکم کے واجب وضروری حق کو پورا نہیں کر سکتا اور کسی طرح بھی ان کی حقیقت اور جلالت شان کے لیے کافی وافی نہیں ہو سکتا ہے لیکن یہ بھی ایک مشہور قاعدہ ہے کہ مالا یدرك كله لا یترك كله (جو چیز پوری پوری حاصل نہیں کی جا سکتی اسے سب کا سب ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔"

—[الولی: جنوری ۱۹۸۱ء]

✿......✿......✿



toobaa-elibrary.blogspot.com

# فلسفہ معراج ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی تحقیق کی روشنی میں

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغۃ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

''آپ ﷺ کو معراج میں مسجد اقصیٰ میں لے جایا گیا، پھر سدرۃ المنتہیٰ اور جہاں خدا نے چاہا اور یہ تمام جسم مبارک کے لیے بیداری کی حالت میں ہوا، لیکن اس مقام میں جو عالمِ مثال اور عالمِ ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے، اس لیے جسم پر رُوح کے احکام ظاہر ہوئے اور رُوح پر معاملات رُوحانی جسم کی صورت میں نمایاں ہوئے اور اسی لیے ان واقعات میں ہر واقعہ کی تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے واقعات حضرت حزقیل اور موسیٰؑ وغیرہ علیہم السلام کے لیے ظاہر ہوئے تھے اور اولیائے اُمت کے سامنے ظاہر ہوئے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجے کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رؤیا میں ان کو معلوم ہوتی ہے۔...... واللہ اعلم۔''

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں اسے ایک ایک کی تعبیر کی ہے اور احادیثِ صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے، کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کیے گئے، تو آپ نے دودھ کا پیالہ اُٹھایا۔ اس پر فرشتہ نے کہا کہ: ''آپ نے فطرت کو اختیار کیا۔ اگر شراب کا پیالہ اُٹھاتے، تو آپ کی تمام اُمت گمراہ ہو جاتی'' اس تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

شاہ صاحب معراج کو عالم برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں فرماتے ہیں:

''لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کے قبول کرنے کے لیے جو حظیرۃ القدس سے خدا اس پر فائض کرتا ہے۔ لیکن آپ کا براق پر سوار ہونا تو



toobaa-elibrary.blogspot.com

اس کی حقیقت آپ کے نفس ناطقہ (بشری) کا اپنے اندر رُوح حیوانی پر استیلا حاصل کرنا ہے، جو کمالِ حیوانی ہے، تو آپ براق پر اسی طرح سوار ہو گئے جس طرح آپ ﷺ کی رُوح بشری کے احکام آپ کی رُوح حیوانی پر غالب آگئے اور اس پر مسلط ہو گئے۔ لیکن آپ کا رات کو مسجد اقصیٰ لے جانا، تو وہ اس لیے کہ یہ مقام شعائرِ الٰہی کے ظہور کا مکان ہے اور ملاء اعلیٰ کے ارادوں کے تعلق گاہ ہے اور انبیا علیہم السلام کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہے گویا وہ ملاء اعلیٰ کی طرف ایک روشندان ہے، جہاں سے روشنی چھن چھن کر اس روشندان کے ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتی ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی انبیا علیہم السلام سے ملاقات اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی حقیقت تو ان کا اجتماع ہے بحیثیتِ اس کے کہ وہ سب ایک ہی رشتہ میں حظیر القدس سے مربوط ہیں اور آپ کی ان حیثیاتِ کمالیہ کا ظہور رہے، جو ان تمام پیغمبروں میں آپ کی ذات سے مخصوص تھیں۔ لیکن آپ کا آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے ملاقات، تو اس کی حقیقت درجہ بدرجہ وہ تحت کی منزلوں سے کھینچ کر عرشِ الٰہی تک پہنچنا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتہ متعین ہیں وہ کامل انسان میں سے جو جہاں جس جس درجہ پر پہنچ کر ان کے ساتھ مل گیا ہے، ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اور اس مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتوں کی جماعت میں ہوتا ہے۔ آگاہی ہے۔ لیکن حضرت موسیٰ کا رونا تو از راہِ حسد نہ تھا، بلکہ اس بات کی تمثیل تھی کہ ان کو دعوت عام نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا ان کو عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے حاصل ہوتی ہے۔ لیکن سدرۃ المنتہی تو وجود کا درخت ہے اس کا ایک دوسرے پر مرتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت اپنی شاخوں کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے۔ سدرۃ المنتہی حیوان کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا، اس لیے کہ اجمال اور مجموعی تدبیر اس طرح ہے کہ جس طرح کل اپنے افراد کی سیاست اجمالی کرتی ہے اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت ہے، نہ کہ حیوان۔ کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قوانین طبعی سے زیادہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

مصرح صورت میں ہوتا ہے، لیکن نہروں کی جڑوں اور صورتوں کا وہاں نظر آنا، تو وہ رحمت وحیات ونشر کا منبع ہے جو عالم ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم ظاہر میں، اس لیے وہاں بھی بعض وہ پرفیض اُمور نظر آئے، جو یہاں اس عالم میں ہیں، جیسے دریائے نیل اور نہر فرات۔ لیکن وہ انوار جو اس درخت کو ڈھانکے ہوئے تھے، تو وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات رحمانیہ ہیں، جو اس عالم ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں، جہاں جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے۔ لیکن بیت تو اس کی حقیقت وہ تجلی الٰہی ہے، جس کی طرف انسانوں کی تمام مسجدیں اور بندگیاں متوجہ ہوتی ہیں۔ وہ گھر کی صورت میں اس لیے نمایاں ہوا کہ ان قبلوں کی طرف ہو جو انسانوں کے درمیان کعبہ اور بیت المقدس کی صورت میں ہیں۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک شراب کا پیالہ لایا گیا۔ آپ ﷺ نے دودھ پسند فرمایا، تو جبرئیلؑ نے کہا کہ: فطرت کی طرف سے آپ ﷺ نے ہدایت پائی۔ اگر شراب پسند فرماتے تو آپ کی اُمت گمراہ ہو جاتی، آپ کے پسند وقبول کو اُمت کا پسند وقبول کہنا اس لیے تھا کہ آپ ﷺ اپنی اُمت کے جامع ومرکز اور اس کے ظہور کے منشا اور مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا تھا اور شراب کو لینا دُنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپ ﷺ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا تھا، کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو واضح کیا کہ ۵۰ وقتوں سے ۵۰ وقت مقصود ہیں، بدفعات اور تبدریج اس لیے ظاہر کیا تا کہ یہ معلوم ہو کہ ۵۰ وقت ۵ کر دینے میں تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰؑ کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لیے ظاہر ہوئی کہ تمام پیغمبروں میں اُمت کی سیاست کی آگاہی انھی کو سب سے زیادہ تھی۔"

——[الولی: دسمبر ۱۹۸۹ء]

❁......❁......❁



toobaa-elibrary.blogspot.com

# امام شاہ ولی اللہ کا (براستہ سندھ) سفرِ حج اور علما سے علمی ملاقاتیں: ایک تاریخی انکشاف

مولانا محمد عاشق پھلتی امام ولی اللہ صاحب کے قریبی رشتہ دار، خلیفہ مجاز، تلمذ خاص اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے اُستاد تھے۔ جو حضر و سفر میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ساتھ ہوتے تھے۔ حال ہی میں شاہ صاحب پر ان کی ضخیم کتاب القول الجلی فی ذکر آثار الولی فارسی میں بٹر پیپر پر قلمی نسخہ سے چھپ کر ہندوستان میں شائع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے ہم نے اس کتاب کا نام تو سنا تھا لیکن اس سے کوئی حوالہ حضرت شاہ صاحب کی سوانح پر نہ آیا تھا یہاں تک کہ علامہ عبیداللہ سندھی جن سے میں نے فلسفہ ولی اللہی پڑھا تھا۔ اور وہ برصغیر میں حضرت شاہ صاحب کے علوم پر سب سے زیادہ مہارت اور دسترس رکھتے تھے اور شاہ صاحب کے علوم و فلسفہ کی اشاعت میں ان کا بڑا دخل تھا، ان سے بھی میں نے صرف اس کتاب کا نام سنا تھا اور حضرت سندھی کی طرف سے کوئی حوالہ نہ سنا تھا۔

تقریباً تین سال ہوئے پٹنہ میں اُردو مخطوطات پر ایک کانفرنس ہوئی تھی، جس میں مجھے بھی مدعو کیا گیا تھا اور یہ اجلاس خدا بخش لائبریری پٹنہ میں رکھا گیا تھا اور اس کے بعد دوسرا اور تیسرا اجلاس ہمدرد دہلی اور علی گڑھ یونیورسٹی میں ہونا تھا۔ میں جب پٹنہ والے اجلاس میں شریک ہوا تو کاکوری ضلع لکھنو کا ایک نوجوان بھی اجلاس میں شریک ہوا تھا جو نہایت وجیہہ، ہوشیار اور علمی نوجوان تھا، جو علی گڑھ میں ڈی۔فل کر رہا تھا۔ مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں۔ اُنھوں نے مجھے بتایا تھا کہ: کاکوری میں ان کے خاندان کے ہاں مولانا محمد عاشق کی کتاب القول الجلی مکمل موجود ہے اور وہاں ان کے خاندان کے کسی عالم نے اس کا اُردو ترجمہ کیا ہے اور وہ ترجمہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کو بھی دکھایا گیا تھا۔ اس صاحبزادہ صاحب کی خواہش یہ تھی کہ اس کو شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ کی طرف سے شائع کیا جائے اور اس کے



toobaa-elibrary.blogspot.com

مصارف شاہ ولی اللہ اکیڈمی برداشت کرے۔ اس میں کچھ قانونی موشگافیاں حائل تھیں، لہٰذا ہم شائع نہ کر سکے اور سنا ہے کہ یہ کتاب بھارت میں شائع ہو چکی ہے۔

مجھے بڑا اشتیاق تھا کہ یہ کسی صورت میں مجھے مل جائے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ امریکا کی ایک مستشرقہ ڈاکٹر مارسیا مجاہد خانم یہاں پاکستان میں علمی دورہ کے خیال سے آئی تھیں اور یہاں شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد میں بھی ان کا آنا ہوا۔ موصوفہ بڑی عالمہ تھیں اور حضرت شاہ ولی اللہ کے فلسفہ اور علوم سے ان کو بڑا شغف تھا اور اس نے بھارت جانے کا ارادہ بھی میرے ساتھ ظاہر کیا تھا۔ میں نے اُردو ترجمہ القول الجلی کے لیے ان سے گزارش کی تھی کہ بھارت سے لے کر میری طرف روانہ فرمادیں۔

اب کوئی تین دن ہوئے کہ جناب اویس صاحب مدیر مجلّہ سہرورد میکلوڈ روڈ لاہور سے ایک پارسل آیا، جس میں القول الجلی اصل فارسی کا بٹر کے ذریعہ چھپا ہوا نسخہ موصول ہوا۔ جو ان کو محترمہ ڈاکٹر مجاہدہ خانم نے میرے لیے بھیجا تھا۔ اس امانت کو دیکھ کر میری مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی اور بار بار ڈاکٹر صاحبہ کو خیر کی دُعائیں دیتا رہا۔ اس کتاب کے پڑھنے سے شاہ صاحب کی زندگی کے کئی گوشے واضح ہوگئے ہیں جو اس سے پہلے پردہ راز میں تھے۔ ہمارے صوبہ سندھ کے بارہویں صدی کے علما کا کچھ نظریاتی اختلاف تھا اور دونوں فریقوں کی طرف سے علمی کتابیں لکھی گئیں۔ سب سے پہلے حکیم وقت محدث دوراں مخدوم معین ٹھٹوی نے حدیث اور سنت کے اتباع کے سلسلہ میں دراسات اللبیب فی الاسورۃ الحسنہ بار بیب کتاب لکھی جو علمی دُنیا میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ایک مرتبہ علما اہلِ حدیث لاہور کی طرف سے یہ کتاب لیتھو پر چھپی تھی۔

ٹھٹھہ سندھ کے دوسرے بڑے فقیہ اور محدث مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی وفات ۱۱۷۵ھ جو مخدوم محمد معین صاحب کے مدمقابل تھے، لیکن وہ جب کہ اُنھوں نے مخدوم محمد امین سے کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں اس لیے اکثر براہِ راست سامنے آنے سے اجتناب بھی کرتے تھے اور کچھ چھوٹی، سائل ان کے ردّ میں بھی لکھیں، مگر آگے چل کر ان کا بیٹا مخدوم عبداللطیف صاحب



toobaa-elibrary.blogspot.com

بڑا عالم وفاضل ہوا اور اس نے اپنے والد بزرگوار محمد ہاشم سے تکمیل لوم کی تھی۔ اس نے دراسات پر ذب ذبابات الدراسات نام کی ایک صد ہا صفحات کی کتاب لکھی، جس میں میرے فہم کے مطابق اُنھوں نے اپنے والد صاحب سے ہی زیادہ استفادہ کیا ہوگا۔ یہ کتاب دو جلدوں میں سندھی اَدبی بورڈ حیدرآباد سے چھپ چکی ہے جس پر میرے محترم بھائی اور دوست مولانا عبدالرشید نعمانی نے تحقیق فرمائی ہے۔ اور دراسات بھی ان ہی فاضل کے مقدمہ اور حواشی سے سندھی اَدبی بورڈ سے چھپی ہے۔

دراسات میں مخدوم محمد معین صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب سے بالمشافہ ملاقات کی خبر دی ہے، جس پر ذب ذبابات میں یہ ردّ کیا گیا ہے کہ مخدوم معین سراسر جھوٹ بول رہے ہیں وہ دہلی نہیں گئے وغیرہ وغیرہ، ٹھٹھہ سے نکلے ہی نہیں۔ ہمارے اساتذہ کی یہی روایت ہے کہ مخدوم محمد معین صاحب دہلی گئے تھے، وہ اگرچہ شاہ ولی اللہ صاحب سے بیس برس بڑے تھے لیکن پھر بھی اُنھوں نے شاہ ولی اللہ صاحب کی حدیث میں سند عالی ہونے کی وجہ سے حدیث کی سند حاصل کی تھی اور اُن دونوں کی باہمی خط وکتابت بھی ہوتی تھی۔ شاہ صاحب کی مشہور زمانہ تالیف تفہیماتِ الٰہیہ میں بھی مخدوم محمد معین ٹھٹھوی کی طرف خطوط موجود ہیں۔

بہرحال اب جو یہ کتاب القول الجلی چھپ کر آئی ہے اس سے عجیب انکشاف ہوئے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب سندھ کے راستے دوران سفرِ حج خود سندھ آئے۔ نصرپور سندھ اور ٹھٹھہ کے سندھی علما اور فضلا سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ جن میں مخدوم محمد معین صاحب کا خاص طور پر نام لے کر ذکر کیا گیا ہے اور خبر دینے والی وہ عالم فاضل شخصیت ہیں جو شاہ صاحب کے سفر کے ساتھی اور خاص خلیفہ مجاز اور شاگرد ہیں۔ میرا اندازہ ہے کہ اس وقت یہ ناممکن ہے کہ دہلی جیسے دور دراز شہر سے آئے ہوئے شاہ ولی اللہ صاحب کا ٹھٹھہ سندھ میں ورود ہوا اور ٹھٹھہ کے دوسرے اس دور کے علما مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی وغیرہ سے ان کی ملاقات نہ ہوئی ہو اسی طرح نواحی نصرپور میں آنا اور وہ بھی لاہور اور ملتان کے راستے سے تو وہی ہالا کا راستہ ہوگا اور درمیان میں بھٹ شاہ بھی پڑتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کی شاہ بھٹائی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی ہوگی۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

لیکن مورخ نے احوال میں اجمال سے کام لیا ہے اور اُن کا مقصد بھی صرف علمی باتوں کا لکھنا تھا، کوئی یہ کتاب سفرنامہ نہ تھی، تا کہ تفصیل سے احوال دیا جائے۔

اب حضرت شاہ ولی اللہ کے سفرِ حج کا احوال اسی کتاب القول الجلی فی ذکر آثار الولی فارسی کے حوالے سے لکھا جارہا ہے:

جب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا حرمین شریفین (اللہ ان دونوں کو شرف اور تعظیم میں بڑھائے) کے سفر مبارک کا داعیہ پورا ہوا۔ اور اس کام کا عزم مصمم ہوا تو ۸ ربیع الثانی ۱۱۴۳ھ تھا بڑے ماموں قدوہ اصحابِ معرفت اور انتباہ، عمدہ اربابِ حقیقت اہل اللہ میں سے شیخ عبداللہ سلمہم اللہ تعالیٰ کے اتفاق سے لاہور کے راستہ روانہ ہوئے اور اس سفر کے دوران جہاں کہیں اللہ کے ولی کا مزار ہوتا تھا۔ تو وہاں سے گزرتے تھے اور کچھ ساعت وہاں بیٹھتے تھے، پھر ان کو جو نسبت باقی ہوتی تھی۔ وہ آپ پر منکشف ہوتی تھی۔ اس کو مفصل بیان فرماتے تھے۔

جب آپ پانی پت شہر میں پہنچے تو شاہ مشرف بوعلی قلندر، شاہ شمس ترک اور شاہ جلال قدس اللہ اسرارہم کے مزارات سے گزرے پھر سہرند میں حضرت مجدد شیخ احمد سرہندی کی زیارت فرمائی، پھر لاہور میں پیر علی ہجویری کے مرقد کو دیکھا۔ پھر ملتان میں مخدوم بہاؤالدین شاہ رکنِ عالم قدس اللہ اسرارہم کے مزارات پر گئے اور ہر ایک کے حالات کو مزارات کے متعلقین سے معلوم کیا اور ملتان کے شہر میں اکثر علم کے طلبہ حضرت شاہ صاحب سے بیعت کا شرف حاصل کر کے طریقت کے شغل کا استفادہ کیا، ان میں سے بعض ایک ہی توجہ سے بے خودی کے مرتبے کو پہنچ گئے اور مدت کے بعد افاقہ اور ہوش میں آئے اور بعضے بے اختیار نعرے لگاتے تھے۔ ملتان سے روانہ ہونے کے وقت لوگ جن کے گھروں میں صحبت کے جذبہ کا کمند پڑا تھا، اُنھوں نے چاہا کہ اس سفر میں شاہ صاحب کی معیت اختیار کریں، لیکن حضرت شاہ صاحب نے وقت کی مصلحت کو دیکھتے ہوئے ان شائقین کو تسلی دیتے ہوئے موقوف رکھا۔ جب حضرت شاہ ولی اللہ نے ملک سندھ کو عبور فرمایا تو بہت سے علما اس خبر سرور والی کو سنتے ہی اپنے شہروں سے نکل کر دوڑتے تھے اور ملاقات کی بڑی کوشش کرتے تھے۔ کچھ قسمت کے مطابق دیدار فیض



toobaa-elibrary.blogspot.com

بار کی دولت سے فائز ہوتے تھے اور کچھ محروم رہتے تھے۔

جب نصر پور کے نواح سے جو کہ ٹھٹھہ کے مضافات میں سے ہے، شاہ صاحب نے گزر فرمایا، تو بہت سے علما اس سرور والی خبر کو سن کر اپنے وطنوں سے باہر نکلے اور دوڑے اور پانچ چھ کوس کی مسافت میں رات کے وقت پہنچے اور ملازمت کا شرف حاصل کیا اور اسی وقت حضرت شاہ صاحب کی بیعت کے مسلک میں پرو دیا۔ مشعل لے کر اپنی اپنی استعداد کے مطابق بہرہ ور ہوئے۔

جس وقت شہر ٹھٹھہ میں شاہ ولی اللہ صاحب نے نزول فرمایا: تو اس شہر کے جمیع علما صوفیہ حضرت شاہ صاحب کی ہدایات سے مشرف ہوئے اور ایک جماعت بیعت کی سعادت سے مستفید ہو کر طریق تصوف کے آداب کے استفادہ میں مشغول ہو گئی۔

مخدوم محمد معین جو وہاں کے بڑے علما میں سے تھا اور تمام علوم خندہ اور علوم کتاب وسنت، معقول و منقول میں تبحر تام رکھتا تھا اور اور قوم (اصفیاء) کی اصطلاحات سے اچھا واقف تھا اور علم حقائق کے ادراک کے لیے ذہن ثاقب پایا تھا انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی صحبت کو غنیمت شمار کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب کے جمال باکمال پر شیفتہ ہو کر بہت سے فیوض حاصل کیے اور اجازت کا شرف پایا۔

اس درمیان قافلہ کی رفاقت کے باعث جب سفر میں وقفے واقع ہوتے تھے اور (عرب کی طرف) کشتیوں کے چلنے کا موسم قریب آرہا تھا۔ ہم خادموں کو اکثر اوقات اضطراب لاحق ہوتا تھا کہ کہیں سمندر کے ساحل پر پہنچنے سے پہلے کشتیاں روانہ نہ ہو جائیں اور اس سال حج کی دولت نصیب نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحب نے کرامت والی زبان سے بیان فرمایا کہ: اس سال حج کریں گے اور پھر ٹھٹھہ سندھ سے روانہ ہو کر سورت بندر کو پہنچے اور ایک کشتی آپ کو ہاتھ آ گئی، اس پر سوار ہو کر چلے گئے۔ شاہ صاحب نے اس سفر میں دو حج کیے اور درمیانی سارا عرصہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں فیوضات لیتے اور دیتے رہے۔

شاہ صاحب حج سے واپسی میں جب سورت بندر کو پہنچے تو دکھن کے راستے وطن کی طرف روانہ ہوئے اور واپسی میں سندھ کا سفر اختیار نہ کیا۔ واپسی میں گوالیار سے گزرے اور جب شہر



toobaa-elibrary.blogspot.com

گوالیار کو پہنچے تو خواجہ فاقو اور شیخ محمد غوث کے مزارات کی زیارت کی اور ہر ایک کی نسبت معلوم کی اور مستقر الخلافہ اکبر آباد کو پہنچے، تو امیر ابو علی کی پُر اسرار مزار کی زیارت کی اور اُن کے فیوضات کے احوال کو بیان کیا اور زبان غیب سے اس کا اظہار بھی فرمایا۔ ۱۴ر تاریخ ماہ رجب ۱۱۴۵ھ کو خیر خوبی سے دارالخلافہ شاہ جہاں آباد (دہلی) میں شرف نزول فرمایا اور اس ملک کے لوگوں کو زیارت سے مشرف فرمایا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب حج کی ادائیگی کے ارادہ سے اپنے وطن سے نکلے اور پھر وطن لوٹنے کی تاریخ کو خود نظم فرمایا تھا، وہ یہ ہے:

ز دہلی برآمد ولی بہر حج — بہشتم صباح از ربیع دوم
ہزار وصد و چہل وسہ سال بود — کہ این داعیہ گشت بافعل ضم
ولی چوں پس از حج بدہلی رسیّد — سرآمد سفر گشت رنج
بتاریخ رابع عشر از رجب — زسال وہزار وصد وچہل پنج

ایک دوسری تاریخ جو شاہ ولی اللہ کے چھوٹے بھائی شاہ اہل اللہ نے نظم فرمائی وہ یہ ہے:

بدل می داشتم کہ وراحرام حج کوشم — بحمد اللہ والمنۃ بدان مقصد ہم آغوشم
مرا ہاتف سال تاریخ نخستین طرف می جستم — وقیلت منک طاعاتک وعید از غیب درگوشم



toobaa-elibrary.blogspot.com

# فلسفہ روزہ ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی روشنی میں

معلوم ہونا چاہیے کہ بسا اوقات انسان الہامِ خداوندی کے ذریعہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کی طبیعت بہیمیہ کا جوش و ہیجان اسے کمال مطلوب تک پہنچنے سے روک رہا ہے، جو اسے قوتِ ملکیہ کی اطاعت و انقیاد سے حاصل ہو سکتا ہے اور اس لیے وہ طبیعتِ بہیمیہ سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اس کے جوش و ہیجان کو توڑنے اور ٹھنڈا کرنے کی راہ تلاش کرتا ہے اور اس بارے میں اس کی بہترین معاون ہیں۔ بھوک، پیاس، ترک جماع، ترک مباشرت اور زبان و قلب اور دیگر اعضا جسم کو قابو میں رکھتا ہے، یہ اُمور اس بارے میں اس کے لیے بہترین معاون اور مددگار ہوتے ہیں اور اس لیے وہ انھی اُمور کو اپنے مرض نفسانی کے علاج کے لیے اختیار کرتا ہے اور پوری مستعدی سے ان اُمور کو انجام دیتا ہے۔

اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہے جسے انبیاءِ کرام از راہِ شفقت اس حالت کی طرف کشاں کشاں لے جاتے ہیں اور اس طرح لے جاتے ہیں کہ اس شخص کو اس کا علم بھی نہیں ہوتا اور اس طور پر اس کی قوت بہیمیہ کے جوش و ہیجان کے ٹوٹنے سے اس کو فائدہ اور نفع ہوگا وہ اسے آخرت میں دیکھے گا۔

بسا اوقات انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کا کمال اور سخاوت اسی میں ہے کہ اس کی طبیعت اس کی عقل کی اطاعت گزار ہو جائے لیکن اس کی طبیعت کا اُٹھان کچھ اس نہج پر ہوتا ہے کہ کبھی وہ عقل کی مطیع اور فرمانبردار ہو جاتی ہے اور کبھی اس سے بغاوت کر جاتی ہے یا اس لیے ضرورت ہوتی ہے کہ اسے کسی عمل شاقہ کی طرف توجہ دلائی جائے اور اس کی مشق کرائی جائے جیسا کہ روزہ۔ وہ اس عمل کے لیے اپنی طبیعت کو مجبر کرتا ہے اور اس بارے میں وفاءِ عہد کو لازم سمجھتا ہے چنانچہ وہ پے در پے اس کے لیے اپنی طبیعت کو مجبور کرتا چلا جاتا ہے اور وفاءِ عہد کا التزام کرتا رہتا ہے اور پوری طرح کا اہتمام کرتا ہے تا آنکہ اصل مطلوب کو حاصل کر لیتا ہے۔

بسا اوقات انسان سے کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور اس لیے وہ مدتوں تک روزے رکھتا ہے



toobaa-elibrary.blogspot.com

اور یہ روزے اس کے لیے زیادہ شاق ہوتے ہیں بمقابلہ گناہ سے بچنے کے اور اس لیے وہ آئندہ اس قسم کے گناہ کے ارتکاب سے دور رہتا ہے اور ہمیشہ باخبر رہتا ہے کہ پھر کبھی وہ ایسا کام نہ کرے۔

بسا اوقات انسان کے اندر عورتوں کی طرف میلان جوش کر جاتا ہے اور اس کے پاس اس قدر فراخی نہیں ہوتی کہ وہ شادی کرے اور گناہ میں مبتلا ہونے کا اسے خوف رہتا ہے، ایسا شخص روزے کے ذریعے اپنے مشہوت کو ٹھنڈا کر لیتا ہے اور یہی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شادی کی طاقت نہ رکھتا ہو اس پر لازم ہے کہ روزہ رکھا کرے کہ روزہ اس کی شہوت کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

روزہ ایک ایسی زبردست نیکی ہے کہ انسان کی قوتِ ملکیہ کو طاقتور بنا دیتی ہے اور قوت بہیمیہ کو کمزور کر دیتی ہے۔ رُوح کو صیقل کرنے اور اس کو مزین کرنے اور قوت بہیمیہ کو مغلوب کرنے کے حق میں روزہ سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں اور اسی کو حدیث قدسی کے اندر بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''الصوم لی ونا اجزی بہ'' روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔

روزہ اس قدر گناہوں کا کفارہ کرتا ہے جس قدر طبیعت کے جوش و ہیجان کو توڑتا ہے، روزہ انسان کو فرشتوں کے مشابہ کر دیتا ہے، فرشتے روزہ دار سے محبت کرنے لگتے ہیں اور فرشتوں کے ساتھ محبت کا تعلق اس کی قوت بہیمیہ کے اثرات کو بالکل ضعیف کر دیتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے، فرمایا: روزہ دار کے منہ کی بدبو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔

اگر انسان بطور ایک مشہور رسم کے بھی روزہ رکھتا ہے تب بھی بہت سی رواجی خرابیوں سے وہ بچ جاتا ہے اور بہت سی چیزوں میں روزہ اسے مفید اور سودمند ثابت ہوتا ہے۔

اگر کوئی قوم روزوں کا التزام کر لیتی ہے تو اس قوم کے شیاطین پابہ زنجیر مقید کر دیے جاتے ہیں، جنت کے دروازے اس پر کھول دیے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔

جب کوئی انسان اپنے نفس کو مغلوب کرنے اور نفس کو برے اخلاق سے پاک کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے لیے عملی اقدام کرتا ہے تو عالمِ مثال میں اس کے عمل کی مقدس صورت متمثل ہو جایا



toobaa-elibrary.blogspot.com

کرتی ہے۔ پھر بعض اذکیا عارفین اس صورت کی طرف توجہ کرتے ہیں اور عالم غیب سے اس کی اعانت کرتے ہیں اور اس طرح وہ پاکی اور صفائی کے ذریعے ذاتِ الٰہی تک پہنچ جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے یہی معنی ہیں ''الصوم لی ونا اجزی به ''یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: روزہ میرے لیے ہے اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں اور میں ہی اس کی جزا اور بدلہ دوں گا۔

بسا اوقات اپنے دنیوی مشاغل سے مضرت رساں اثرات محسوس کرتا ہے اور اُن مشاغل کی وجہ سے اس کے حواس بیرونی اثرات سے متاثر ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات ان اثرات سے لبریز ہو جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں اس کے لیے ایک نفع بخش عمل ہوتا ہے کہ وہ ان مسجدوں میں جو نمازوں کے لیے بنائی گئی ہیں چلا جائے اور دنیوی مشاغل سے یک سو ہو کر عبادت کرے لیکن ظاہر ہے کہ اس حالت میں اس کی مداومت ناممکن ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیز کامل طور پر حاصل نہیں کی جاسکتی اسے بالکل ترک بھی نہیں کیا جاسکتا، اس لیے انسان اپنے حالات کو پیشِ نظر رکھ کر فراغت کا کچھ وقت نکال لیتا ہے اور وہ حسب مقدور اعتکاف و یک سوئی کر لیتا ہے اور یکسوئی کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس شخص کا درجہ ہے جس نے اس چیز کو مخبر صادق ﷺ کے ذریعہ سمجھا اور قلبی شہادت کے ساتھ اسے قبول کیا اور اس پر عمل پیرا رہا۔

پھر اس شخص کا درجہ ہے جو عامی آدمی ہے لیکن زبردستی مجبور کر کے اس سے اعتکاف کرایا جائے اور پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان روزہ تو رکھ لیتا ہے لیکن وہ اپنی زبان کی حفاظت نہیں کرسکتا اس لیے زبان کی حفاظت کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ اعتکاف کرے۔

[حجة الله البالغة]

____[الولی: مارچ ۱۹۹۲ء]



toobaa-elibrary.blogspot.com

# فلسفہ حج ''حجۃ اللہ البالغہ'' کی روشنی میں

حج کے مصالح مرعیہ چند اُمور ہیں، ان میں سے بیت اللہ کی تعظیم ہے اور یہ شعائر اللہ میں سے ہے اور بیت اللہ کی تعظیم اللہ پاک کی تعظیم ہے اور اُن میں سے (عرضۃ) اجتماع اسلامی ہے کیونکہ ہر مذہب اور ملت کے لیے اجتماع ہوتا ہے جس میں دور اور قریب کے لوگ جمع ہوتے ہیں تاکہ اس میں پہنچ کر بعض بعض کو پہنچائیں اور ملت کے احکام سے استفادہ کریں اور وہ لوگ ملت کے شعائر کی تعظیم کریں، حج مسلمانوں کا اجتماع اور اُن کے شوکت کا ظہور، جنود کا اجتماع اور اُن کی ملت کی تنویہ ہے اور یہی اللہ تعالیٰ کے قول کا مطلب ہے: ﴿وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا﴾ [البقرہ:۱۲۵]

اور حج کی مصلحت سے اس کی موافقت ہے جس کو لوگوں نے سیّدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام سے متوارث کیا ہے کیونکہ یہ دونوں ملت حنفیہ کے امام تھے اور عرب کے شارع تھے اور نبی علیہ السلام اس لیے مبعوث ہوتے تھے کہ اس سے ملت حنفیہ ظاہر ہو اور اس کا کلمہ بلند ہو اور یہ مطلب ہے قول اللہ تعالیٰ کا: ﴿مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ﴾ [الحج:۷۸] تب وہ دو اماموں کے بعد مشہور ہوا ہے، اس کی حفاظت واجب ہوگئی جیسے فطرت کے خصال اور حج کے مناسک اور یہ مطلب ہے رسول اللہ علیہ السلام کے اس قول کا ''اپنے مشاعر پر کھڑے رہو کیونکہ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کے وارث ہو۔''

اور مصلحتِ مرعیہ سے ہے اتفاق کرنا ایسے حال پر جس سے ان کے عوام اور خواص کے لیے وفق ثابت ہو جیسا کہ منی میں اُترنا اور مزدلفہ میں رات بسر کرنا اور اگر اس پر اتفاق نہ کیا جاتا تو لوگوں پر تکلیف گزرتی اور اُن پر مہر نہ کی جاتی تو ان کا کلمہ مجتمع نہ ہوتا باوجود ان کی کثرت اور انتشار کے اور اُن خصائل میں سے وہ اعمال ہیں جو یہ اعلان کرتے ہیں کہ ان کا صاحب موحد ہے اور حق کا تابع ہے اور ملت حنیفہ کا متدین ہے اللہ کا شاکر ہے اس پر جو اس ملت کے اوائل پر اس کا انعام ہو جیسا کہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

اور اُن خصائل میں سے ہے کہ اہلِ جاہلیت بھی حج کرتے تھے اور حج ان کا اصل دین ہوتا لیکن اُنھوں نے اعمال کو ملا دیا تھا ان میں سے کچھ تو اعمال کے ساتھ ماثور تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اور یہ ان کا اختلاف تھا اور اُن میں سے غیر اللہ سے شرک کرنا تھا۔ جیسا کہ اصاف اور نائلہ (یہ دونوں بت تھے ان کا گمان تھا کہ ان دونوں نے کعبہ میں زنا کیا تھا پھر مسخ ہو گئے۔) کی تعظیم کرنا یا مناۃ طاغیہ کے لیے تکبیر کہنا یا لبیک میں یہ کہنا کہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک جو تیرے لیے ہے ان اعمال کا حق یہ ہے کہ ان سے روکا جائے اور اس میں تاکید کی جائے اور کچھ اعمال تھے جن میں فخر اور تکبر کی وجہ سے منسوب کیا تھا، جس طرح ان کا یہ کہنا کہ ہم اللہ کے بہادر ہیں اس لیے ہم اللہ کے حرم سے باہر نہیں نکلیں گے (پھر ان سے کہا گیا) تم وہاں سے نکلو جہاں سے لوگ نکلتے ہیں۔ [البقرہ:۱۹۹]

جس طرح ان کا منی کے دنوں میں اپنے آبا کا ذکر کرنا، ان سے قرآن مجید میں کہا گیا

(پھر تم اللہ کا ذکر کرو جس طرح اپنے آبا کو ذکر کرنا یا اس سے زیادہ ذکر یں) [البقرہ:۱۸۹]

ان خصائل میں سے یہ ہے کہ دین میں گہرائی کی وجہ سے فاسد قیاسات کو گھڑا تھا اور اُن میں لوگوں کے لیے حرج تھا اور اُن کا حق یہ تھا کہ ان کو فسخ کیا جائے اور چھوڑ دیا جائے۔ جیسے ان کا یہ قول کہ محرم کو گھروں میں داخل ہونے میں دروازہ سے پرہیز کرنا چاہیے اور وہ گھروں کی پیٹھ سے چھلانگ لگا کر داخل ہوتے تھے اس سے ان کا یہ گمان تھا کہ گھر کے دروازہ سے اندر داخل ہونا ارتفاق ہے جو کہ حرام کی ہیئت کے منافی ہے پھر نازل ہوا: اور نیکی اس کا نام نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پیٹھیں سے آجاؤ۔ [البقرہ:۱۸۹] اور جیسا کہ حج کے موسم میں تجارت کو مکروہ سمجھنا، اس سے ان کا یہ گمان تھا کہ یہ اللہ کے لیے عمل کے اخلاص کے لیے مخل ہے پھر نازل ہوا: تمھارے لیے یہ گناہ نہیں کہ تم اپنے ربّ کے لیے تجارت کی طلب کرو! [البقرہ:۱۹۸] یا زاد کے سوا حج کرنے کو مستحب قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل کرنے والے ہیں جو لوگوں کو تنگ کرتے ہیں اور تجاوز کرتے ہیں پھر نازل ہوا: اور سفر میں زاد اٹھاؤ کیونکہ بہتر زاد تقویٰ ہے۔ [البقرہ:۱۶۷] اور اُن کا کہنا کہ ایام حج میں عمرہ کرنا زیادہ جور ہے اور اُن کا کہنا کہ جب صفر گزر جائے اور اونٹ کی پیٹھ ٹھیک ہو جائے اور اثر مٹ جائے تو عمرہ کے



toobaa-elibrary.blogspot.com

لیے سفر کی تجدید کی جائے اس کے لیے جو عمرہ کرنے اور اس میں آفاقی کے نیچے حرج ہے کیونکہ وہ عمرہ کے لیے نئے سفر کرنے کے محتاج ہوتے ہیں تو نبی ﷺ نے ان کو حجۃ الوداع میں عمرہ کے لیے احرام کا حکم فرمایا ہے اور اس کے بعد حج کرنے کا اور اس میں اس کو متشدد فرمایا ان سے ان کی عادت پر کلام فرمائے تھے اور جو ان کے دلوں میں مرکوز ہوا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے لوگوں تم پر اللہ تعالیٰ نے حج کو فرض کیا ہے پھر حج کرو۔'' تو ایک شخص نے کہا کہ ہر سال حج کریں تو آپ ﷺ خاموش رہے حتیٰ کہ اس شخص نے تین مرتبہ اس سوال کو دہرایا، تو اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں ہاں کہتا تو ہر سال حج فرض ہوتا اور تم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ میں کہتا ہوں کہ اس کا راز یہ ہے کہ وہ اُمر جو اللہ کی وحی کے نزول کے لیے تیار ہوتا ہے خاص فوقیت کے ساتھ تو وہ قوم کو اس پر لے آتا ہے اور اُن کے علوم تمھیں قبول کرنے کے لیے حلاقی ہوتے ہیں اور وہ قدر دہی ہوتا ہے جو ان میں مشہور ہوتا ہے اور متداول ہوتا ہے پھر نبی ﷺ کی عزیمت اور اللہ تعالیٰ سے طلب کرنا جب یہ دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو اس کے موافق وحی کا نزول ہونا ضروری ہو جاتا ہے یہ عبرت ہے اس کے لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب کو نازل نہیں کیا۔ مگر اس کی قوم کی زبان کے لیے اور اس سے جو اس کو سمجھیں میں اس پر کسی حکم کا القا نہیں کرتا اور نہ کسی دلیل کا مگر وہ جو ان کی سمجھ کے قریب ہوتا ہے یہ کیسے نہ ہوگا اللہ کے وحی کا مبدا لطف ہے اور لطف وہاں اجابت کے لیے ممکن کا اختیار کرنا اقرب ہوتا ہے۔

## مناسک کی صفات

جاننا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ، تابعین اور باقی مسلمانوں سے جو مشہور ہیں، چار ہیں: حج مفرد، عمرہ مفرد، تمتع اور قرآن۔ حج مکہ میں حاضر کے لیے ہے کہ اس سے احرام میں جماع اور اس کے دواعی سے پرہیز کرے اور بالوں کے لینے سے پرہیز کرے اور ناخنوں سے پرہیز کرے، سلے ہوئے کپڑے اور سر ڈھانپنے سے پرہیز کرے۔ خوشبو لگانے اور شکار کرنے سے پرہیز کرے اور ایک قول پر نکاح کرنے سے بھی پرہیز کرے پھر عرفات کے لیے نکلے اور وہاں عرفہ کی شام رہے پھر اس سے سورج کے غروب کے بعد رجوع کرے اور مزدلفہ میں رات گزارے اور اس سے سورج کے نکلنے



toobaa-elibrary.blogspot.com

سے پہلے دفع ہو پھر منیٰ میں آجائے اور عقبہ کبریٰ کو کنکریاں مارے اور ہدی دے اگر اس کے پاس ہو اور حلق کرے یا قصر کرے پھر منیٰ کے ایام میں طواف افاضہ کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور آفاقی کے لیے یہ ہے کہ میقات سے احرام کرے اگر مکہ میں وقوف سے پہلے داخل ہوا ہو تو طواف قدوم کرے اور اس میں رمل کرے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرے اور اپنے احرام میں باقی رہے تا کہ عرفات میں کھڑا ہو اور رمی کرے اور حلق کرے اور طواف کرے اس میں رمل نہ کرے اور نہ اس وقت سعی کرے اور عمرہ یہ ہے کہ رمل سے احرام کرے اگر آفاقی ہے تو میقات سے کرے پھر آفاقی ہے تو میقات سے کرے پھر طواف کرے اور سعی کرے اور حلق کرے یا قصر کرے اور تمتع یہ ہے کہ آفاقی عمرہ کے لیے اشہر الحج میں احرام کرے پھر مکہ داخل ہو اور عمرہ کو پورا کرے اور اپنے احرام سے نکلے، پھر حج تک حلالی ہو تا کہ حج کرے اور اس پر لازم ہے کہ ہدی جو آسان ہو اس کو ذبح کرے اور قران یہ ہے کہ آفاقی حج اور عمرہ کا ایک ساتھ احرام کرے پھر مکہ میں داخل ہو اور اپنے احرام میں باقی رہے تا کہ حج کے احرام سے فارغ ہو اور اس پر لازم ہے کہ ایک طواف کرے اور ایک قول پر ایک سعی کرے اور دوسرے قول پر دو طواف اور دو سعی ہو پھر جو ہدی آسان ہو وہ ذبح کرے پھر جب مکہ سے نکلنے کا ارادہ ہو تو وداع کا طواف کرے۔ [حجة الله البالغة]

## مسائل حالتِ احرام

مَیں کہتا ہوں حج و عمرہ میں احرام ایسا ہے جیسے نماز میں تکبیر ہوتی ہے اس میں اخلاص اور تعظیم کی تصویر ہے اور فعل ظاہر سے عزیمت حج کا ضبط ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے لیے نفس کو ذلیل اور خاشع کرنا ہے، جاء پناہ اور عادت مالوفہ اور انواع تجمل سے اور اس میں تحقیق ہے اللہ کے تکلیف اور پریشانی اور تغیر کی۔ یہ اس لیے شروع ہوا کہ محرم ان اشیا سے پرہیز کرے، ذلیل ہونے کی تحقیق اور ترک زینت اور پراگندگی کا اور اللہ کے خوف اور اس کی تعظیم سے استشغار کی تنزیہ کا اور اپنے نفس کا مواخذہ کہ اس کی خواہش میں استرسال نہ کرے۔ شکار ایک کشادگی اور توسع ہے اور اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا ہے ''جو شکار کے پیچھے چلا'' اور نبی ﷺ کا فعل ثابت نہیں ہوا اور نہ ان کے اصحاب کا، اگرچہ اس کو فی الجملہ جائز رکھا ہے۔ جماع بہیمی شہوت میں انہماک ہے جب یہ باب جائز نہ ہوا کلی طور پر کیونکہ یہ شروع کے قانون کے خلاف ہے تو بعض احوال



toobaa-elibrary.blogspot.com

سے اس سے روکنے کی نہی کی جاتی ہے جیسا کہ احرام، اعتکاف اور فرہ اور بعض مواضع میں جیسا کہ مساجد، سوال ہوا کہ محرم کون سے کپڑے پہنے؟ تو فرمایا، قمیص نہ پہنو، پگڑیاں نہ پہنو اور شلواریں نہ پہنو، لمبی ٹوپی نہ پہنو اور موزے نہ پہنو اور اعرابی سے فرمایا لیکن خوشبو جو تیرے ساتھ ملحق ہے اس کو تین بار دھوڈالو اور جبہ کو نکال لو! سلے ہوئے کپڑے اور اس کے معنی میں اور اس کے غیر میں فرق یہ ہے کہ پہلا ارتفاق تجمل اور زینت ہے اور دوسرا عورت کا ستر ہے اور پہلے کا چھوڑنا اللہ کے لیے تواضع ہے اور دوسرے کا چھوڑنا بے اَدبی ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ''محرم کو نکاح نہیں کرنا چاہیے'' ......اور مروی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے بی بی میمونہؓ سے احرام کی حالت میں شادی کی۔

میں کہتا ہوں کہ اہلِ حجاز کے صحابہؓ تابعین اور فقہا نے یہ اختیار کیا ہے کہ محرم کے لیے سنت یہ ہے کہ نکاح نہ کرے اور عراق کے علما اس کو جائز قرار دیتے ہیں، تیرے اُوپر مخفی نہیں ہے کہ احتیاط کو اخز کرنا افضل ہے اور اوّل پر راز یہ ہے کہ نکاح اور ارتفاقات مطلوبہ میں سے ہے شکار کرنے سے اکثر ہے انشا کو ابقا پر قیاس نہیں کیا جاتا۔ اس لیے شادی میں اس باب کے اَندر مثل بیان کیا جاتا ہے اور بقا نہیں پھر صید کا ضبط کرنا ضروری ہے کیونکہ انسان کبھی اس کو قتل کرتا ہے جس کے کھانے کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی اس کو قتل کرتا ہے جس کے کھانے کا ارادہ نہیں کرتا اور وہ شکار کرنے سے صرف تمرن اور استعمال کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی اس کو اس لیے قتل کرتا ہے کہ اس کے شر کو اپنے سے دفع کرے یا اپنے بنی نوع سے دفع کرے اور کبھی بہیمی انعام کو قتل کرتا ہے تو پھر ان میں سے صید کون سا ہوگا؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ حرم اور احرام میں پانچ چیزوں کے قتل کرنے سے کسی پر کوئی گناہ نہیں ہے چوہا، کوا، سرن، بچھو، مجنون کتا اور جامع موذی جو کہ انسان پر حملہ کرتا ہے یا اس کے سامان پر حملہ کرتا ہے اور پھر جب عرف کی استقرا کی طرف رجوع کیا جائے گا تو اس کو صید نہیں کہیں گے اسی طرح بہیمۃ الانعام، مرغی اور اُن جیسے جانور جن کے گھروں میں پالنے کی عادت ہوئی ہے اس کو شکار نہیں کیا جائے گا لیکن دوسرے اقسام ان میں ظاہر یہ ہے کہ وہ شکار ہیں۔

مدینہ والوں کے لیے ذوالحلیفہ میقات ہے اور شامیوں کے لیے جحفہ اور نجدیوں لیے قرن اللنازل اور یمن والوں کے لیے یلملم یہ سب میقات ہیں اور اُن کے لیے اور جن کا ان جگہوں سے



toobaa-elibrary.blogspot.com

گزرہوا ہے اور وہاں کے نہ ہوں اس کے لیے جو حج وعمرہ کا ارادہ رکھتا ہو اور جو ان میقاتوں سے اندر رہتا ہو تو ان کا میقات اس جگہ سے ہوگا جہاں ان کا قیام ہے یہاں تک مکہ والے، ان کا میقات مکہ ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میقاتوں میں اصل ہے کہ جب مکہ کی طرف آنا پراگندگی اور میل کا باعث ہے اس میں اپنے نفس کا غلو مطلوب ہوتا ہے اور انسان اس تکلیف میں رہتا ہے کہ اپنے شہر سے محروم رہنے سے ظاہر حرج لاحق ہوتا ہے کیونکہ بعض کا قطر ایک ماہ کے سفر پر ہوتا ہے اور دو ماہ اس سے اکثر پر ہوتا ہے اس لیے واجب ہوا کہ مکہ کی روگرد کچھ میقات ان سے حرم بنائی جائیں اور اُن کے بعد احرام کو موخر نہ کیا جائے اور ضروری ہے کہ وہ جگہیں ظاہر اور مشہور ہوں اور کسی ایک شخص پر اور اُن مکانات پر اہلِ آفاق کا گزرنا مخفی نہ ہو۔

تب یہ قرار پایا اور اُن مواضع کو حکم دیا گیا، مدینہ والوں کے لیے بہت دور میقات رکھا گیا ہے کیونکہ مدینہ وحی کا محیط ہے اور ایمان کے پناہ کی جگہ ہے اور ہجرت کی جگہ ہے اور پہلا قریہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے تو اس کے رہنے والے اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اعلاء کے کلمہ میں مبالغہ کیا جائے اور اللہ کی اطاعت کے زیادتی کے ساتھ مخصوص ہوں اور یہ بھی اس میں خصوصیت پائی جاتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان سے زیادہ قطر والا حصہ ہے اور اس شہر کا ایمان خالص ہو بخلاف جواثی اشہر کے اور طائف کے اور یمامہ وغیرہ کے تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

عرفات میں کھڑے رہنے کا یہ راز یہ ہے کہ مسلمانوں کا اجتماع ایک زمانہ اور ایک مکان میں اجتماع اس حال میں کہ وہ اللہ کی رغبت کے داعی ہوں اور اس کے لیے تضرع کرنے والے ہوں برکات کے نزول اور روحانیت کے انتشار میں بڑی تاخیر ہے اور اس لیے شیطان ان دنوں میں بڑا ذلیل اور حقیر ہوتا ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کا اس مکان میں اجتماع انبیا علیہم السلام سے متوارث ہے جیسا کہ آدم علیہ السلام اور اس کے بعد سے اخبار میں ذکر کیا جاتا ہے اور اس میں لینا ہے اس کا جس نے سلف صالح کی سنت جاری ہوئی ہے اور توقیت کے بارے میں یہ اصل اصیل ہے۔

منیٰ کے اندر اترنے میں یہ راز ہے کہ یہ جاہلیت کے بازاروں میں ایک بڑی بازار تھی جیسے عکاظ، فجہ، ذوالمجاز وغیرہا، منیٰ میں اتفاق کیوں کیا اس لیے کہ حج اطراف بعیدہ کی بہت سی



toobaa-elibrary.blogspot.com

قوموں کی جمع کرتا ہے، تجارت میں احسن اور اوفق اس میں نہیں ہے کہ اس کا موسم اس اجتماع کے لیے ہو اور دوسری بات یہ ہے کہ مکہ اس بڑے لشکر کے لیے تنگ ہوتا ہے، اگر ان کا حاضر، بادی اور اُن کا نا اُمید ہونا اور اُن کا نبی منیٰ جیسے بیابان میں نزول کے لیے مصطلح نہ ہوتا تو ان کو بڑا حرج ہوتا اور اگر ان کا بعض نزول میں مختص ہوتا تو اپنے نفسوں کو پاتے اور جب ایک مکان میں نزول کی عادت جاری ہوئی تو عرب کا دستور اور عادت جاری ہوئی کہ ہر ایک قبیلہ تفاخر اور تکاثر میں کوشش کرے اور اپنے آبا کے تاثر اور قوت کا ذکر کرتے اور اپنے مددگاروں کی کثرت بتاتے تا کہ اس کو دور قریب والوں کو بتاتے اور اطراف بعیدہ میں ان کا ذکر چلتا اور اسلام کو اس جیسے اجتماع کی ضرورت تھی جس سے مسلمانوں کی شوکت ظاہر ہو اور اُن کا شمار اور تیاری ظاہر ہوتا کہ اللہ کا دین ظاہر ہو اور اس کی آواز دور تک جائے اور اقطار پر ان کا غلبہ ہو تو نبی ﷺ نے اس کو باقی رکھا اور اس پر برانگیختہ کیا اور اس کی طرف جانے کو مستحب قرار دیا۔ اور تفاغر اور آبا کے ذکر کو منسوخ فرمایا اور اس کو اللہ کے ذکر سے بدل دیا۔ جیسا کہ ان کی ضیافیوں اور ولیموں کو اور نکاح کے ولیمہ اور بچے کے عقیقہ کو باقی رکھا کیونکہ ان میں منازل کی تدبیر کے بڑے فوائد ہیں۔

——[الولی: اپریل، مئی ۱۹۹۲ء/ یہ مضمون ۲/اقساط میں طبع ہوا۔]

❁……❁……❁



toobaa-elibrary.blogspot.com

# ''سطعات'' از شاہ ولی اللہ [مقدمہ]

حکمت کی پرانی تاریخ میں تین ملک ہم فکر رہے ہیں: ہند، ایران اور یونان، حکمت کا مطلب فقط یہ ہے کہ ہم جو چیزیں اپنے گرد وپیش دیکھتے ہیں ان کی حقیقت سمجھنا۔ یہ علم حضرت ابراہیمؑ سے پہلے کی نبوتوں میں اساسی چیز تھی۔ مثلاً ایک نبی آکر حساب کا قاعدہ سکھا دیتا ہے۔ یہی اس کا کمال ہے۔ چنانچہ جواھر المضیئة فی تراجم الحنفیة میں ایک متقی عالم کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ وہ کہا کرتے تھے کہ حساب میں خطائیں کا قاعدہ دوغلطیاں کر کے نتیجہ صحیح نکالنا ایک نبی نے آکر سکھایا ہے۔ یہ قاعدہ آج کل جبر ومقابلہ کی وجہ سے متروک ہے۔

حکمت کی بعض چیزیں تمام انسانیت یکساں طور پر مانتی ہے مثلاً حساب کے قواعد اور علم ہیئت کے اُصول سب قوموں میں یکساں مانے جاتے ہیں۔ ہیئت فلکی سے ترقی کر کے علم نجوم پیدا ہوا اور اسی طرح ارضی اشیا کی تاثیرات ضبط کرنے سے علم طب پیدا ہو گیا۔ طب اور نجوم کو ماننے والا آدمی آخر خدا کو مانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی سے انکار نہیں کر سکتا۔ پہلے زمانہ میں یہ طب اور نجوم انسان کی دینی اور دُنیاوی ضرورتوں کے لیے کافی سمجھے گئے ہیں۔ چنانچہ امام غزالی نے لکھا ہے ''من لم یعرف الھیئة والتشریح وھو عنین فی معرفة اللہ '' اگر ثابت ہو جائے کہ انسانیت کا کوئی طبقہ کسی علم سے خالی نہیں رہا ہے تو وہ علم اس طبقہ کے لیے بہت محترم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ کا ماننا اس درجہ کا علم ہے اس لیے نہایت ہی محترم ہے۔ جیسے بعض انسان اندھے پیدا ہوتے ہیں، ایسے ہی بعض اس معرفت ﴿قَدْ جَاءَ فِی الْقُرْآنِ الْحَکِیْمُ مَنْ کَانَ فِیْ ھٰذِہٖ اَعْمٰی فَھُوَ فِی الْاٰخِرَۃِ اَعْمٰی﴾ الٰہی سے خالی اور نابلد ہوتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کو انسانیت کا معیار قرار دیا جائے تو معاملہ ہی اُلٹ جائے گا۔ بھلا ایسوں کو انسانیت سے کیا تعلق ہے، حکمت کی اشاعت یا تو ہند سے ہوئی ہے، جیسے ریاضی اور نجوم یا ایران سے جس کا مرکز بابل تھا۔ پھر اس سے آگے یونان ہے، یونان کا چونکہ جلد ہی مسیحوں سے تعلق جڑ گیا، اس



toobaa-elibrary.blogspot.com

لیے وہ جلد ہی ممتاز ہوگیا۔ اور وہاں کے حکما دُنیا میں مشہور ہوگئے۔ ورنہ دراصل بعض چیزوں میں تو واقعی ممتاز ہے۔ لیکن بعض میں ایران اور بعض میں ہندوستان بہت ہی آگے ہے اور یہ سب فلسفہ حضرات ابراہیمؑ سے پہلے کے ہیں۔ اس دور کی ترقی دو مرحلوں پر ختم ہوتی ہے۔

۱- یہ کہ سارے عالم کا مادّہ ایک ہی ہے۔ جس چیز کا حیات سے تعلق ہے وہی مادّہ ہے اور تمام مادی قوتیں ایک مرکز سے نکلی ہیں چاہے وہ آسمان کے ستارے ہوں یا زمین کا پانی۔ جو حکیم اس درجہ پر پہنچے گا وہ طبعیات، نجوم اور ریاضی میں اُستاد مانا جائے گا۔

۲- یہ کہ مادی اشیا کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں جو مادّہ کی تعریف کے ذیل میں نہیں آتیں مگر عقل اُنھیں قدرتی طور پر ادراک کرتی ہے۔ مثلاً فرشتہ اور برق وغیرہما، جنھیں بعض حکما نے اپنے مرکز کی تلاش میں تحرک کر کے بذاتِ خود ملاحظہ بھی کرلیا ہے جہاں مادی اور غیر مادی چیزیں جا کر جمع ہوجاتیں ہیں۔ کیونکہ کسی چیز کی تنظیم مرکز کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ حکما کے نزدیک مادیت اور غیر مادیت کا جو مشترک مرکز ہے اس کا نام وجود ہے اُنھیں اس وجود کی وحدت بھی ایسے ہی ماننی پڑے گی جیسے کہ مادّے کو مانتے ہیں۔ مٹی سے نباتات پیدا ہوتی ہیں۔ کسی کو تردّد نہیں کہ یہ مٹی سے نکلی ہیں اور اجڑنے کے بعد گل سڑ کے پھر مٹی مل میں گھل جائیں گی، مادّے کی وحدت میں ان تغیرات سے کوئی فرق نہیں آتا۔ اس طرح متفرق چیزوں کو مرکز سے وابستہ کرنے کا نام وحدت ہے۔

ایک حکیم جب تمام وجودی چیزوں مادّی خواہ غیر مادّی کا ایک مرکز سے تعلق پیدا کر کے اس میں سے سب کی تشریح کرسکا اور اس میں ان سب کا وجود ولیہا ہی الآن کما کان غیر متغیر ہے تو اس حکمت کا نام ''وحدت الوجود'' ہے، یہ ایک حقیقت اور سائنس ہے، فلسفہ نہیں کیونکہ ایک انسان جب اس وجود کو سوچتا ہے لیکن احاطہ نہیں کرسکتا اور صرف اپنے محسوسات کے مطابق چیزوں کے نام اور شکلیں مقرر کرتا ہے تو یہ فلسفہ بن جاتا ہے اور اس تجلی کے ذریعہ سے حقیقت سے آشنا ہوگا اور جو حکیم وجود کی معرفت ماہر ہوتا ہے اسے الٰہی حکیم کہا جاتا ہے۔ حکمت کے یہ دونوں درجہ کہ مادّہ کو مرکز بتایا جائے یا وجود کو وحدۃ المعادہ اور وحدۃ الوجود انسانیت کے



toobaa-elibrary.blogspot.com

لوازم میں سے ہیں۔ انسانیت ان خیالات سے خالی نہیں رہ سکتی۔ بعض اوقات زمین کے بعض حصے ایسے مردم خیز واقع ہوئے ہیں کہ جمع اوصاف حکمت پر بحث کرنے والے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں اور وہ ایسا خطہ دُنیا میں انسانیت کے لیے مرکز بن جاتا ہے جس زمانہ کا ہم ذکر کررہے ہیں، اس زمانہ میں بابل اور سوریا انسانیت کے مرکز تھے چنانچہ سوریا میں انسانیت کے حکیم زیادہ ہوئے ہیں اور بابل میں طبعیات کے زیادہ ہوئے ہیں۔ ابنیا علیہم السلام کا درجہ جیسے کہ طبقات کے مطالعہ سے سمجھا جاتا ہے، ان حکما کے معلمین کا ہے اور اُن میں سے اچھے حکیم نوت کے بہترین شارح ہیں ان ہی کو صدیق کہا جاتا ہے یہ ان مسائل کو جو انبیا علیہم السلام نے پیش کیے ہیں، اپنے عقل سے صحیح مانتے تھے اس لیے اُنھوں نے جھٹ تصدیق کردی، الٰہی حکیم وہ چیز کبھی نہیں مان سکتا جسے نبی ردّ کردے۔

انبیا علیہم السلام کے گرد ایسے حکما یعنی صدیقین کی ایک جماعت جمع ہو جاتی ہے جن کے زور سے انبیا علیہم السلام کی حکمت انسانیت میں پھیلتی ہے۔ انبیا علیہم السلام کی تعلیم میں حکمتِ الٰہیہ ہمیشہ مرکز رہتی ہے اور باقی اجتماعی حکمتیں، گاؤں بسانا شہر بسانا اور جوار تفاقات بڑھیں گے یہ سب نبوت کی تعلیم میں دوسرے درجہ پر ہیں۔ لیکن حکیم کے ہاں یہ سوشل اجتماعات پہلے درجہ کی چیزیں ہیں۔ صدیقین کے اس علم کا نام ہے ''الحکمۃ'' حکما کی حکمت کے بعد انسانیت میں نظام قائم کرنے کے لیے حکمرانوں کی ضرورت ہے کیونکہ انسانیت کے تمام طبقے حکمت کو خود ٹھیک طرح نہیں سمجھ سکتے اس لیے ایک طبقہ جوار تفاقات میں زیادہ مصروف رہتا ہے۔ اپنے اچھے اُستاد پر اعتماد کر کے حکمت کو مان لیتا ہے یہ لوگ اصل میں حکم ماننے والے ہوتے ہیں، اُستاد جو حکم دیتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں ان لوگوں کے سردار کا نام ''شہدا'' ہے یہ نبی کے گرد دوسری صف میں جمع ہو جاتے ہیں یہ خود حکمت کو سمجھتے ہیں اور عوام تک حکم کی صورت میں پہنچاتے ہیں۔ اس حکم کا اصطلاحی نام 'الکتاب' ہے یعنی لکھی ہوئی چیز نوشتہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ اس طرح حکم میں تبدیلی نہیں اُنھیں یعنی عوام کو اپنی عقل کو اس حکم کے تابع کرنا پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ سے پہلے جن قوموں کا تعلق انبیا سے ہے وہ سب الحکمۃ کی حامل ہیں۔



toobaa-elibrary.blogspot.com

ملک کے کسی حصے میں کوئی نبی پیدا ہوا، اس کے شاگردوں نے اپنے گرد کے لوگوں میں حکمت پھیلادی۔ بس حضرت ابراہیمؑ سے پہلے یہ حکمت کی حامل جماعتیں آرین قوم ہیں جو ہند میں ہوئیں یا ایران اور روم میں یونان میں سب کا ایک ہی سائیکولوجی ہے اور سمجھنے کا ایک ہی طریقہ انسانیت ان میں غصور ہوگئی۔ اس حکمت میں غلطیاں واقع ہوئی ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ سوچنے میں واسطے بڑھ جانے سے بعد والوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں ہیں۔ اس بات کو واضح کرنے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔

یہ واقعہ لوگوں نے ہمیں سنایا تاریخ میں نہیں پڑھا۔ ایک بادشاہ ہے جس کے دربار میں عوام، ہر کہ ومہ براہِ راست پہنچ سکتے ہیں اور اس کے احکام سیدھے سن سکتے ہیں اور ایک اور بادشاہ ہے جس کے احکام کئی ایک محکموں کے توسط سے دس بیس درجوں میں نیچے اُتر کر عوام بیچاروں تک پہنچتے ہیں۔ اور اُن عوام کو کبھی بادشاہ کے روبرو اپنی فریاد کرنے کا موقع نہیں ملتا تو جتنا انصاف اوّل الذکر کی رعایا کو اس طور پر حاصل ہوگا اتنا ہی دوسرے والے نہایت اقل قلیل درجہ پر رہ جاتے ہیں۔

استنبول کے ایک سلطان کو اطلاع پہنچی کہ حرم کے کبوتروں کے لیے اناج نہیں ہے۔ قاعدہ تھا کہ کبوتروں کے لیے غلہ سیدھا استنبول سے بھیجا جائے فرض کرو کہ ایک سومن غلہ کافی تھا اُنھوں نے دس ہزار من بھیجنے کا حکم دیا۔ ایک وزیر نے پوچھا کہ اتنا غلہ کبوتروں کے نام کا مطلب، سلطان نے کہا بتاؤ۔ یہ غلہ کتنے امیروں کے ہاتھوں سے گزرے گا وزیر نے چند کے نام گن لیے۔ سلطان نے کہا کہ اگر سومن بھی وہاں منزل مقصود پر پہنچ گیا تو غنیمت ہے ایک حاکم مکہ میں گیا اسے قسم دلائی گئی کہ رشوت نہیں لے گا جب مکہ پہنچا تو کسی نے اسے رشوت نہ دی کہنے لگا اجی میں نے تو قسم کھائی ہے رشوت نہ دینے کی۔

افسوس یہ ہے نظام حکومت جسے مسلمان زندہ رکھنا چاہتے ہیں۔ اسی میں کوئی شک نہیں کہ حکمت کی ترقی شاخیں بننے سے ہوتی ہے لیکن حقیقت سے دوری بھی اس قدر ہو جاتی ہے۔ پہلی سب حکمتوں کے مراکز ایسے ہی تباہ ہو چکے ہیں اب ہمارے ہاں اس کی مثال فقہ حنفی ہے یہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہارون کے زمانہ میں مسلمانوں کو منظم کرنے کا بہترین نظام تھا۔ ہارون کے تمام قاضی ایک ہی قانون پر فیصلہ کرتے تھے اور اُن قضاۃ کی اپیل دربار میں ہوتی تھی اور انصاف فی الجملہ سب ہی کو مل جاتا تھا۔ ہارون کے بعد اب تک فرض کرو کہ ایک ہزار سال سے اس قانون کی شرح اور حاشیہ لکھتے لکھتے ہم اتنے دور تک پہنچ گئے کہ جب مجھے خواہش ہوئی کہ امام صاحب کے اصلی نصوص مجھے ملیں تو تمام کتابیں پڑھ کر یقین ہو گیا کہ یہ ناممکن ہے کیونکہ ان کے اقوال کی شرح، شرح اور اُصول کے اندر اُصول سب آپس میں مل جاتے ہیں اور اصل چیز نہیں ملتی۔

مثلاً ترکِ نماز کرنے پر کیا سزا ہو؟ غیر حنفی اسے کافر کہتے ہیں ''اسے قید کر دو'' مجھے شک ہوتا ہے کہ قرآن وحدیث میں کسی جگہ اس قید کا ذکر نہیں ہے فقہ میں کیسے پیدا ہو گیا۔ حنفی پر اعتراض ہوتے ہیں اس لیے میں اصل معلوم کرنے کا شوق رکھتا تھا۔ بہت عرصہ کے بعد فتاوی عالمگیری میں دیکھا اس میں ''کتاب الزکوٰۃ'' کے شروع میں لکھا ہے کہ زکوٰۃ اسلام کا فرض ہے اس کا منکر کافر ہے اور اس کا چھوڑنے والا قتل کیا جائے گا۔ زکوٰۃ نہ دینے والوں پر قتل کا فتویٰ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس کی مخالفت کی تو جواباً کہا گیا کہ جو شخص زکوٰۃ اور نماز میں فرق کرے گا ہم اسے قتل کریں گے کیونکہ دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ نماز کے ترک پر دونوں کا اتفاق ہے اس لیے اُنھوں نے نکالا کہ زکوٰۃ کا بھی یہی حکم ہونا چاہیے اور میں حیران کن تھا کہ صحابہ کے زمانہ تک صرف ترکِ نماز کے فعل پر قتل کا اتفاق تھا اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں زکوٰۃ بھی شامل کر لی گئی اس سے کسی کو خبر نہیں ہے۔ اب فقہا حنفیہ نے جو قید کی شرط لگائی اور زکوٰۃ پر قتل کی اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے سب کتابیں پڑھیں اور اس کا حل کہیں نہ ملا۔ ایک فارسی کتاب جس کا نام ہے ترغیب الصلوۃ بخارا کے کسی عالم کی لکھی ہوئی ہے، قلمی ہے سندھ میں ملی، پھر اس طرح کی عبارت مخدوم محمد ہاشم سندھی کے فتویٰ میں پڑھی اس میں لکھا ہے کہ ''یُحبَسَ تَارِكَ الصَّلٰوۃِ ثَلٰثَةُ اَیَّامٍ ثُمَّ یُقتَلُ'' یہ چیز معقول ہے کہ تین دن قید کر کے بعد میں قتل کیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک امام کی بات شارحین کے جھمگٹے میں کیسے گم ہو گئی۔

اسی طرح حکمت جیسے پھیلتی ہے اور اصلی اجزا نیچے اُترتے ہیں تو اصل سے دور ہو جاتی



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہے صحیح بات کتابوں میں نہیں ملتی۔ علم نجوم پورا پڑھ جاؤ خدا کی یاد تک نہیں آتی۔

طب ساری پڑھ جاؤ خدا کا نام کہیں نہ ملے گا۔ حساب اور ریاضی کی دوسری شاخوں کا بھی یہی حال ہے کہ کہیں خدا کا نام تک نہیں آتا اس لیے کہ یہ بات انبیا علیہم السلام اور صدیقین سے بہت ہی دور ہوگئی۔ اس لیے اب ابراہیمؑ آتے ہیں اور یہ تمام طریقے منسوخ کر دیتے ہیں اور انسان کے اندر کی امانت کو خدا کی معرفت کا ذریعہ بناتے ہیں۔ توئی آنکہ تا من منم بامنی (نظامی)

یہ ابراہیمی معرفت کا خلاصہ۔ انبیا کے ہاں طریقہ یہی تھا۔ مگر حکمت کی شاخیں پھوٹتی پھوٹتی کہیں کی کہیں پہنچ گئیں اور حضرت ابراہیم نے سب کی سب کاٹ ڈالیں۔ اب ان کے ذریعے سے جو حکم پھیلے گا زیادہ تر حکم کے تابع ہوں گے۔ وہ حکمت کو اپنے حکم میں حکومت ملا لیں گے یہ الکتاب کے مالک ہوں گے۔ یہ علم اکتساب سامی قوموں کا ہے۔

اب رسول کو الحکمۃ اور الکتاب دونوں چیزوں کا جامع بنایا گیا ہے: ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اس لیے وہ ساری دُنیا کی امامت کریں گے وہ جو الحکمۃ ہے وحدۃ الوجود کا نام ہے اور یہ وحدۃ الوجود کا جو حجربحت ہوگا اور اس انسانی حجربحت کا جو تجلیِ اعظم سے ربط ہوگا۔ یہ ہوگی ابراہیمی طریقہ کی حکمت اس حکمت میں وحدۃ الوجود کا خاص مقام ہے۔ اس میں عقلِ انسانی کا تعلق تجلیِ اعظم سے قائم کیا جاتا ہے۔ یعنی تھیوری اور نظریہ وہی قائم رہے گا کہ وجود ایک ہے تمام اشیا اس میں سے نکلتی ہیں اور اس کی طرف واپس جائیں گی اس وجود کا نام ہے اللہ، اس وجود کو سمجھنا تجلی کے ذریعہ ممکن ہے تجلی کے ذریعہ کے بغیر سمجھنا ناممکن کیونکہ انسانی دماغ اس وجود اللہ کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ جن لوگوں نے تجلی کو چھوڑ کر خدا کو سمجھنے کی کوشش کی وہ بہت سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہوگئے۔ ابراہیمی طریقہ کی حکمت میں تجلیِ اعظم سے معرفت کا مسئلہ ابتدا ہی میں الف بے کے درجہ پر رکھا گیا ہے اور اس حکمت میں تجلیِ اعظم اور انسانی حجربحت کا ملنے کا آپس کے باہمی تعلق کا مرکز ملأ اعلیٰ اور وہ جگہ جہاں ملأ اعلیٰ میں جمع ہوتے حظیرۃ القدس ہے یعنی حکمت کا کمال ہے۔ یہ ہے کہ انسان حظیرۃ القدس کا رکن، ممبر بن جائے۔ پس ساری کی ساری حکمت ان کی تعلیم میں آگئی۔ پوچھا سمجھ گئے،



toobaa-elibrary.blogspot.com

میں نے کہا ہاں جی سب کچھ۔ [دار الفوائد]

فرمایا: اب ایک اور چیز بتاتے ہیں، آخری مرتبہ اب ساڑھے دس بجنے والے ہیں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ عید مسیح کے موقع پر حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں کے ساتھ آخری مرتبہ کھانا کھایا، مولانا نے تلاش کر کے یوحنا کی انجیل سے باب ۱۶ کی آیت نکال لی:

''ہم جان گئے کہ تو سب کچھ جانتا ہے اور اس کا محتاج نہیں کہ کوئی تجھ سے پوچھے اس سب سے ہم ایمان لاتے ہیں کہ تو خدا سے نکلا ہے، یسوع نے جواب دیا، کہا کہ تم اب ایمان لائے ہو؟ دیکھو وہ گھڑی آئی ہے۔ بلکہ آپہنچی ہے کہ تم سب پراگندہ ہو کر اپنے اپنے گھر کی راہ لو گے اور مجھے اکیلا چھوڑ دو گے، تو بھی میں اکیلا نہیں ہوں، کیونکہ باپ میرے ساتھ ہے۔''

پھر باب نمبر ۱۶ کی آیت پڑھی:

''میں نے تیرے نام کو ان آدمیوں پر ظاہر کیا جنھیں تو نے دُنیا میں مجھے دیا وہ تیرے تھے اور تو نے اُنھیں مجھے دیا اور وہ آیت تیری ہی طرف سے ہے جو کلام تو نے مجھے پہنچایا وہ میں نے اُنھیں پہنچا دیا اور اُنھوں نے اسے قبول کیا اور سچ سچ جان لیا کہ میں تیری طرف سے نکلا ہوں اور وہ جو ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا ہے۔''

پھر فرمایا اسی باب ۱۶ کی آیت ۱۶۔۲۵ میں ہے:

''جس طرح میں دُنیا کا نہیں وہ بھی دُنیا کا نہیں، اُنھیں سچائی کے وسیلہ سے مقدس کر یہ تیرا کلام سچائی ہے۔ جس طرح تو نے مجھے دُنیا میں بھیجا، اسی طرح میں نے بھی اُنھیں دُنیا میں بھیجا اور اُن کی خاطر میں اپنے آپ کو مقدس کرتا ہوں تا کہ وہ بھی سچائی کے وسیلہ سے مقدس کیے جائیں، میں صرف اُنھیں کے لیے درخواست نہیں کرتا۔ بلکہ ان کے لیے بھی جو ان کے کلام کے واسطے سے مجھ پر ایمان لائیں گے تا کہ وہ سب ایک ہوں۔ یعنی جس طرح اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں، وہ بھی ہم میں ہوں اور دُنیا ایمان لائے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا اور وہ جلال جو لوگوں نے مجھے دیا ہے میں نے اُنھیں دیا تا کہ وہ ایک ہوں جیسے ہم ایک ہیں۔ میں ان میں اور تو مجھ میں تا کہ وہ قابل



toobaa-elibrary.blogspot.com

ہو کر ایک ہو جائیں اور دُنیا جانے کہ تو نے ہی مجھے بھیجا اور جس طرح کہ تو نے مجھ سے محبت رکھی ہے ان سے بھی محبت رکھ۔"

یہ جو جملہ ہے، کہ "تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں" یہ حجر بحت اور تجلیِ اعظم کے تصور سے حل ہو سکتا ہے تجلیِ اعظم کبھی کسی کے حجر بحت پر غلبہ کر لیتی ہے تو اسے تجلی میں فنا حاصل ہو جاتی ہے تو کہا جاتا ہے کہ وہ خدا میں ہے، معرفت الٰہی میں ترقی کا جو طریقہ مسیح علیہ السلام کو فطرۃً نصیب ہوا ہے وہ اس طریقہ پر اپنے حواریوں کو اور اُن کے واسطے سے جو ان کی تعلیم کو قبول کرے سب اس درجہ پر لانا چاہتے ہیں۔ یہ وہ حکمت ہے جس کا نام انجیل رکھا جاتا ہے اور یہ پہلی حکمت کی رُوح ہے اور جو ابراہیمؑ سے پہلے رائج تھی۔ ہم شاہ ولی اللہ دہلوی کی حکمت اس لیے بڑھانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اس میں الکتاب اور الحکمۃ دونوں جمع ہیں اور یہ حکمتِ ولی اللہی اس فلسفہ وحدت الوجود پر مبنی ہے، جس کو تمام آرین قومیں حکمت کی بنیاد مانتی ہیں۔ اب اگر ہم اس بنیاد سے کام شروع کریں تو ان اقوام کو بھی اپنے ساتھ شامل کر سکتے ہیں اور اُن کو تجلی کی دعوت دے کر خطیرۃ القدس سے تعلق پیدا کرنے کے بعد الکتاب کا علم بھی دے سکیں گے۔

پھر مختصر لفظوں میں ہم یوں کہتے ہیں کہ وہ وحدت الوجود کے فلسفہ کو اس شکل میں لانا کہ تجلیِ اعظم اور خطیر القدس کے مرکز کو سمجھ سکے اور اپنے حجر بحت کے ذریعہ سے وہاں خطیرۃ القدس پہنچنے کا امکان تسلیم کر لے یہی وہ حکمت ہے جس کی میں نے بنیاد ڈالی یہی اس کی صل آرین تہذیب ہے، مگر ہم اسے مسیح سے لیتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ابراہیمی طریقہ کے چند اوالوا لعزم انبیا علیہم السلام کو جمع کرنے سے جن میں موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ شامل ہو جاتے ہیں ہمارا پروگرام انسانیت کے لیے مکمل ہو جاتا ہے اور ہم کسی بیرونی حکیم یا فلاسفر کے محتاج ہو کر نہیں رہتے، ہمارے لیے اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ آج کل کا اقتصادی پروگرام جو یورپ پر حاکم ہے ہم اسے شاہ صاحب سے لیتے ہیں اور ہمیں اس بحث کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ نے کہاں سے لیا ہے، اتنا یقیناً جانتے ہیں کہ یورپ سے نہیں لیا ہم نے جو تعلیم ان سے حاصل کی ہے، وہ ساری دینی ہے تو یہ اکانومیکل پروگرام بھی ہمارے دین کا جزو ہوگی، اسی طرح جب ہم



toobaa-elibrary.blogspot.com

انجیل کے مصدق ہیں تو اس خاص فلاسفی کو قبول کرنا ہمارے لیے لازم ہوگا۔ انجیل کہاں سے لیتے ہیں اس سے بحث کی ضرورت نہیں۔

مولانا حفظ الرحمٰن کا ایک مضمون زمزم لاہور میں نکلا جو انجمن ترقی اُردو کے کسی اشتہار پر اعتراض کا جواب تھا۔ مولوی حفظ الرحمٰن انجمن ترقی اُردو کو الزام دیتے ہیں کہ تمھاری طرف سے شائع ہونے والی کتابوں میں ایک مصنف یہ فکر دیتا ہے وہ خدا کا پرانا تصور جو کتب الٰہیہ میں ہے وہ کم ہو جائے گا اور ایک اور تصور پیدا ہوگا، جس کی تعبیر وحدت الوجود سے ملتی جلتی ہے، مولوی حفظ الرحمٰن نے انجمن پر الزام لگایا ہے کہ اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے یہاں دو چیزیں پیش نظر رہیں:

اس مصنف نے جس چیز کا تعارف کرایا ہے وہ صحیح ہے۔ تمام دُنیا کے فلاسفر اور سائنس دان اس نقطہ پر جمع ہو گئے ہیں کہ وجود ایک ہے۔ اگر اسے اللہ کے لفظ کا مصداق قرار دیا جائے تو خدا کا ماننا ہر انسان کے لیے ضروری ہو گیا۔ سائنس کی اس ترقی کے دور میں اس وجود کے سوا کسی اور خدا کا ماننا ناقابلِ تسلیم ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانیت اس میں مبتلا ہو رہی ہے، اس کا علاج یہ نہیں کہ اس کا انکار کیا جائے، بلکہ اس کا صحیح علاج امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت ہے۔ اس سائنس کو انسانی دماغ کے مطابق فلسفہ کی شکل میں لایا جائے گا تو وجود کی ایک تجلی ماننی پڑے گی اور اس تجلی کے ساتھ انسان کا تعلق ثابت کرنا ضروری ہوگا اسی طرح تمام انبیا علیہم السلام کی حکمت موجہ یعنی مدلل ہو جائے گی۔ اس سائنس کی ترقی سے انبیا کی پیدا ہو جاتی ہے۔ سائنس دان انکار نہیں کر سکتا کہ آفتاب کا وجود زمین سے کئی لاکھ حصہ گنا بڑا ہے۔ انسانی دماغ کی طاقت اس کا احاطہ نہیں کر سکتی مگر انسانی دماغ کو آفتاب سے تعلق نہ دیا جائے تو زمین کی تمام اشیا معدوم ہو جاویں۔ کیونکہ زمین پر جو حوادث ارضی ہو رہے ہیں ان کا تعلق آفتاب کی گرمی حرارت سے ہے اگر انسان آفتاب کو صرف اندھوں کی طرح سمجھتا ہے وہ کوئی حکمت مدوّن کر سکتا ہے، آفتاب تو اپنی اصل حالت پر قائم ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے انسانی دماغ کی ساخت کچھ ایسے بنائی ہے کہ وہ آفتاب کو ایک چھوٹی سی شکل میں دیکھ سکتا ہے۔ اسے یقین ہے کہ یہ آفتاب ہے۔ اور اسے یہ بھی یقین ہے کہ اسے اصلی آفتاب



toobaa-elibrary.blogspot.com

سے کوئی تناسب نہیں ہے وہ بے حدو بے کراں ہے۔
خدا تعالیٰ نے جیسے انسان کی آنکھ میں بصارت کی طاقت رکھی ہے کہ وہ آفتاب کو دیکھ لے اسی طرح اس کے دماغ میں بصیرت کی قوت بھری ہے جس سے وہ غیر متناہی وجود کو جو اس کا خدا ہے ایک چھوٹی سی شکل میں دیکھ سکے مگر پھر بھی وہ جانتا ہے کہ میں ایک غیر متناہی وجود یا ذات کو دیکھ رہا ہوں۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام اس قسم کے دیکھنے کا اثبات کرتے ہیں۔
چنانچہ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن تم اپنے ربّ کو ایسے ہی دیکھو گے جیسے دوپہر کا آفتاب یا چودھریں کے چاند کو دیکھتے ہیں۔ یہ حقیقت میں تجلیات کا اثبات ہے اس کی تفصیل عبقات میں ہے اس کی مخالفت دُنیا کا کوئی انسان نہیں کرسکتا اور اس تجلّی سے ملأ اعلیٰ اور خطیرۃ القدس کیسے پیدا ہوتے، اس کی اجمالی کیفیت سطعات میں مذکور ہے، عبقات صفحہ ۱۵ میں ہے کہ ولایت حاصل کرنے کے مرتبہ میں جب معرفت پوری ہوجاتی ہے تو انسان کا نفس وجوب کے غلبہ میں مضمحل ہوجاتا ہے تو لاہوت کی خصوصیات اس کو ہر طرف سے گھیرنے یا احاطہ کرنے لگتی ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے لوہا آگ میں ڈال دیا جائے اور آگ سے وہ محاط ہوجائے تو ہم اس حالت کو اس جملہ سے تعبیر نہیں کریں گے وہ نفس ربّ کا عین بن گئی یا کہیں ربّ اس میں دخل ہوگیا اس لیے کہ یہ ایک قسم کا کفر ہے اور اگر ایسا کریں تو ہم نصاریٰ کی سی غلطی کریں گے، مگر ہم یوں کہیں گے کہ ربوبیت نے اس نفس کا احاطہ کرلیا ہے (داخل اور خارج سے) تو وہ نفس اب اس طرح ممکن نہیں جیسے کہ تھا۔ بلکہ ربوبیت لے اس کے امکان کو مغلوب کردیا اور وہ یہاں تک چھپ گیا کہ اب اس کا کوئی نام تک نہیں لے سکتا۔
اب دیکھیے جب آگ لوہے کا احاطہ کرلیتی ہے تو لوہا حقیقت میں لوہا ہی رہتا ہے مگر اس کی جو حدیدیت تھی اس کا اثر باقی نہیں رہا، رنگ ہے تو آگ کا، نور ہے تو آگ کا، جلانا ہے تو آگ کا اور پگھلانا ہے تو آگ کا۔
ہر چیز آگ ہی آگ نظر آتی ہے۔ اس رنگ و نور کی مالک وہی آگ ہے جس نے لوہے کو گھیر لیا ہے لوہا اس کا مالک نہیں بنا۔ اس حالت کی صحیح تعبیر یہی ہے مگر جس شخص نے یوں کہا کہ



toobaa-elibrary.blogspot.com

لوہا آگ بن گیا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ ہاں ایک طرح تاویل سے مطلب ٹھیک بن سکتا ہے۔ اور جس نے یوں کہا ہوگا اس وقت آگ ہے جس نے پتھر کی شکل اختیار کر رکھی ہے تو یہ اور بھی غلط کہتا ہے، اس لیے کہ آگ تو اس کی شکل اختیار کر ہی نہیں سکتی، ہاں جو شخص یوں کہے کہ آگ نے لوہے کا احاطہ کرلیا اور حدیدیت آگ کی روشنی میں چھپ گئی وہ سچا ہے۔

اس پر مولوی حمیدالدین فراہی نے حاشیہ لکھا ہے: ھذا عین ماقال البر اھمة وماقال" یعنی ویدانت فلاسفی والے یہی کہتے ہیں اور (............) یہی کہتا ہے، ہمارا دعویٰ یہی ہے کہ ہم اس فلاسفی سے ہندوؤں اور یونان والوں سب کو ساتھ لے سکتے ہیں، اگر ہم ہندوستانی دماغ کو کس کے سمجھنے کے قابل پاتے ہیں تو یہ صحیح ہے کہ وہ دُنیا کا حکمران ہوسکتا ہے۔

ایک اور چیز بتاتے ہیں (عبقات، ص:۱۵۶) کوئی ایسا مذہب ہو جس پر عقل مندوں کی ایک بڑی جماعت متفق ہو جس میں ایسے لوگ بھی ہوں جنھیں خطیرۃ القدس یا غیب سے کسی قسم کا تعلق ہے وہ سب مذاہب اصل میں صحیح ہیں۔ جیسے نصاریٰ اور یہودیوں کے رھبان ورا شرافیة الیونان واصحاب النور والظلمة من الفرس وجو گیة الھند الادله قدم راسخ فی خطیرة القدس واصل مؤسس فیھا ثم اختلط بھا الفساد الیٰ بانواع فالحکم یدرك اصلھم المؤسس فی خطیرة القدس ممتاز التخالیط لسقط رُوحه یہ قرب الوجود کے درجہ کی بحث ہے۔

——[الولی: ستمبر، نومبر ۱۹۹۵ء/ جنوری، مارچ ۱۹۹۶ء]

❀......❀......❀



toobaa-elibrary.blogspot.com

## Books published by Allama Ghulam Mustafa Qasmi Chair

toobaa-elibrary.blogspot.com
Courtesy